بہارستان

ظفر علی خان

بہارستان

ظفر علی خان

اُردو اکیڈمی پنجاب

لوہاری دروازہ لاہور

سنہ ۱۹۳۷ء

عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر چھپا اور شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور نے شائع کیا۔

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

چکیدہ کلکِ حسان الہند علامہ الطاف حسین صاحب حالی نور اللہ مرقدہٗ

اے مالکِ دفترِ زمیندار — اے نازشِ قوم و فخرِ اقراں
اے رُوحِ رواں جمعِ احباب — اے چشم و چراغِ بزمِ اخواں
اے دین کے امتحاں میں جانباز — اے نصرتِ حق میں تیغِ عریاں!
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر — اے شیر دل اے ظفر علی خاں
قُدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گُن — جبتک وہ رہے نظر سے پنہاں
فوقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو سکی نہ برہاں
پر وقت کی تاک میں برابر — ہمّت تیری گِن رہی تھی گھڑیاں
بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اُٹھا ستم و جفا کا طوفاں!
ہمدردیٔ اہل دین نے آخر — جوہر ترے کر دیئے نمایاں

جمعیت و صبر کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریباں
پھیلے وہ بشکلِ سیلِ آتش — دل میں ترے جو شرر تھے پنہاں
ڈالا یہ تری پکار نے غل! — جی اُٹھے وہ مُردے جو تھے بیجاں
جو دل غمِ قوم سے تھے بےحس — چلنے لگی اُن دِلوں پہ چُھریاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہزن — جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب صداقت — جو نام کے تھے فقط مُسلماں
ہاں اِس میں نہیں مبالغہ کچھ — سُنتا بھی ہے اے ظفر علی خاں!
نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر — تعلیم پہ جِس کی تُو ہے نازاں
کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند — جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سوزِ غمِ دینِ حق سے جن کے — سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی — جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
مشرق میں ہوں دردِ دل سے بےچین — مغرب میں سُنیں جو رنجِ اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر — ہے اس کو یہ فخر و ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور ملّت
ہوں زندہ دل ایسے جِس میں انساں

رب العالمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تو نے

تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہے پیکرِ ہستی
سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاجِ جسم و جاں تو نے

نہیں موقوف خلاقی تری اس ایک دنیا پر
کئے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تو نے

ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں
ہمیں چکر میں ڈالا بخش کر وہم و گماں تو نے

بہارِ عارضِ گل سے لگا کر آگ گلشن میں
طیورِ صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے

جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی!
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے

کسی کو تاکہ اپنی سربلندی پر نہ غرہ ہو
ازل سے کی نگوں ساری نصیبِ آسماں تو نے

دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن
دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یا رب درمیاں تو نے

بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پھر پرستش کی
ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تو نے

کشائشِ عقدۂ زلفِ چلیپا کی جو مُشکل تھی
لیا کیوں دل سے پھر دار و رسن کا امتحاں تو نے

ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہِ ملکِ لامکاں ہے تو
بنایا اک بشر کو سرورِ کون و مکاں تو نے

محمد مصطفیٰ کی رحمت للعالمینی سے
بڑھائی یارب اپنے لطف و احساں کی شاں تو نے

نمک پروردہ تیری شرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تو نے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دُکاں تو نے

چلے ہم نقدِ عصیاں لے کے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اِس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تو نے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جِسے پیدا کیا اُس کو دیا ہے آب و ناں تو نے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مورِ ناتواں کو بھی!
لگائے گر سلیماں کے لئے نعمت کے خواں تو نے

ترے دربار سے مجھ کو یہی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللساں تو نے

مئے لَا تَقْنَطُوْا[۲] کے نشے میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیاتِ جاوداں تُو نے!

خمستانِ ازل کا ساقی

پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا

گواہی دے رہی ہے اُس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دُوئی کے نقش سب جھُوٹے ہے سچا ایک نام اُس کا

ہر اک ذرّہ فضا کا داستاں اُس کی سُناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اُس کا

نظام اپنا لیئے پھرتا ہے کیا خورشید نور افشاں
ہزاروں ایسی دُنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا

مَیں اُس کو کعبہ و بُت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اُس کا

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے!
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اُس کا

مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی رحمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی مَیں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اُسکے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا

عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسُول اُس کا غلام اُس کا

ہُوئی ختم اُس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پر
کہ پہنچا یا ہے اُن سب تک محمدؐ نے کلام اُس کا

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اُس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اُس کا

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

حمد ذوالجلال

سپیدۂ دم کہ ہُوا میں شریکِ راز انام ۔۔۔ سنا سروش سے فَلْیَعْبُدُوا کا میں نے پیام
کیا خلوص سے مَیں نے جبینِ طاعت کو ۔۔۔ رہینِ بارگہِ ذُوالجَلال وَالاِکرام
ہوا میں صرفِ طوافِ حریمِ ذکر اِلٰہ ۔۔۔ نیاز و عجز و نیایش کا باندھ کر احرام
رواقِ دل میں ہُوئی شمعِ معرفت روشن ۔۔۔ چمک اُٹھے مرے قصرِ شعور کے در و بام
دکھایا پیکِ نگہ نے سوادِ عالمِ نور ۔۔۔ کہ اعتدال پہ تھا نفس اور اِس کا قوام
خمارِ بادۂ پندار سر سے دُور ہوا ۔۔۔ مجھے مرے نظر آنے لگے عیوب تمام
نقابِ چہرۂ دل بیخودی نے اُلٹا تھا ۔۔۔ بنی تھی آئینہ جاں لطافت اندام
قویٰ سبھی مرے کام اپنا اپنا دینے لگے ۔۔۔ کہ آ گیا تھا مرے بس میں نفسِ نافرجام
کھُلا تھا مجھ پہ درِ فیضِ بینشِ ثانی! ۔۔۔ بسا تھا گلشنِ عرفاں کی بُو سے میرا مشام
فضائے قدس میں تھا جمگھٹا فرشتوں کا ۔۔۔ بڑے ادب سے کیا جن کو مَیں نے جھک کے سلام

جلال و طنطنہ اس بزم کا بیاں کیا ہو   کہ زہرا سیمیں کنیزک تھی اور زحل تھا غلام
مئے الست کا محفل میں چل رہا تھا دور   چھلک رہی تھی صراحی چھلک رہا تھا جام
لبِ ملائکہ پر تھا ترانۂ توحید   مٹایا روح کے نیّر سے جس نے زنگ ظلام
یہ نغمہ ہائے نشاط آفریں و شور انگیز   سُنے جو مَیں نے تو جاتا رہا مرا آرام
غریو و ولولۂ حمد حضرت باری   مرے بھی دل میں بپا ہو گیا بجوش تمام
کرینگے اہل سخن جہل و عجب سے تعبیر   قلم اُٹھانے کا بھولے سے بھی جو لوں مَیں نام
اُس امتحان میں جس میں گئے ہوں توڑ قلم   ظہیر و غالب و فیضی و سعدی و خیام
مگر یہ سوچ کے بڑھتا ہے حوصلہ دل کا   یہاں تو ہے کفِ نیت میں ہر عمل کی زمام
یہ آستانہ ہے ایسا جہاں گڈریئے کو   ملا ہے حضرتِ موسیٰ سے کچھ سوا انعام
ٹٹولتے ہیں یہاں حالِ گوشۂ دل   یہاں نہیں ہے حکایت سے اور قال سے کام

عجب نہیں کہ شرفِ خلعتِ قبول کا پائے
مری یہ ہرزہ درائی مرا یہ سادہ کلام

شہنشہوں کے شہنشہ خدایگانِ انام   خدائے جل و علا ذوالجلال والاکرام
ہر ایک چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن   کہ تیری حمد کا ایک شمہ ہو سکے ارقام
جلیں قیاس کے پر قصد اگر کرے اس کا   تری صفات سے ہے اس قدر بعید افہام

طلوعِ صبحِ ازل سے ترا قدیم خلود — غروبِ شامِ ابد سے ترا مدید قیام
نہ جاننا ترا رکھتا ہے حکم جاننے کا — یقیں سے مرتبہ رکھتا سوا ہے یہ ابہام
نہ کسرِ شان تری کفر و بُت پرستی سے — نہ وجہ کبر و تفاخر ترے لئے اسلام
نہیں ہم اسکے ہیں قائل کہ لامکاں میں ہے تو — ہے اپنے بندوں کے ٹوٹے دلوں میں تیرا مقام
تیری نظر میں ہیں شیخ اور برہمن یکساں — تری صلائے کرم ہے زمانہ کے لئے عام
بشر کو عشرہ اگر ہے تری خلافت پر — تو نخل کو بھی ہے وجہ شرف ترا الہام
مکیں ہے ایک مکاں ہیں کئی، آٹھی تو — خُدا ہے اہلِ حرم کا تو اہلِ دیر کا رام
ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض — کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخِ نیلی فام
نظر فلک پہ اگر ڈالیئے ذرا تو ہمیں — دکھائے شعبدہ بازِ لیالی و ایام
نجومِ لامعہ کی بے حساب دُنیائیں — شموس بازغہ کے زائد از شمار نظام
جنہیں سمجھنے کی کوشش میں آج کے دن تک — فلاسفہ بھی ہیں مثلِ عوام کالانعام
نگاہ عقل ہُوئی خیرہ جن کی عظمت سے — پھرا خیال بھی جن کی حدود سے ناکام
قیاس کر لو اسی سے کہ خود وہ کیا ہوگا — مظاہر ایسے ہیں جسکے ہے جس کا ایسا کام
زمیں کے صحن پہ دوڑایئے اگر اُس کو — تو پھر بھی واہمہ رہ جائے چل کے چند ہی گام
اداشناس نے پُوچھا ہے سچ کہ لالہ و گل — کہاں سے آئے ہیں کیا ہے نسیم کیا ہے غمام
حقیقتِ شکنِ زلفِ عنبریں کیا ہے — دیا ہے کیا نگہِ چشمِ سُرمہ سا نے پیام

نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں ۔۔۔ سمندِ فکر رسا ہے مثالِ کُرّۂ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں

نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علّام

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ

زباں ہے وقفِ ثنائے خدائے عزوجل
خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو زورِ نطق سے حل

نہ نثر ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور
نہ میں سنائی ثانی نہ ہمسرِ اخطل

سخنوری سے نہیں ہے مجھے کوئی سروکار
نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل

خود اپنی قدر سے میں بے خبر نہیں کہ مجھے
ہے یاد اچھی طرح سے ایاز والی مثل

یہی سبب ہے کہ جب قصدِ حمد میں نے کیا
قلم گیا ہے ٹھہر اور زباں گئی ہے مچل

نرالی سب سے ہے لیکن یہ انجمن کہ یہاں
بھری سبوچۂ نیت میں ہے شرابِ عمل

پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات
گیا ہے پاؤں فصاحت کا بار بار پھسل

اسی خیال سے تو بہرِ عرضِ سجدۂ شکر
سروشِ خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل

خدائے واحد و قہار لاشریک لہٗ
ہو القدیر ہو الآخر ہو الاول

ہے سورج اُس کی عنایت سے ذرۂ ناچیز
ہے پربت اُس کی توجہ سے دانۂ خردل

قدم سے ہے متقدم اُسے صدِّ حدوث
ابد سے ہے متاخر اُسے مرورِ ازل

خُدا کی ذات ہے دریا تو قطرہ کون و مکاں — اگر ہے عین مفصل تو ہے اثر مجمل
چمک چمک کے شہادت خدا کی دیتے ہیں — عطارد و قمر و شمس و مشتری و زحل
ازل کی صُبح سے بے دقفہ چل رہی ہے یونہی — خدا کے ایک اشارہ پہ کائنات کی کل
نظام دہر میں تحریف ہو نہیں سکتی — محال ہے کہ ہو اِس قاعدہ میں رد و بدل
یہ منتہائے نظر نام ہے فلک جس کا — ازل سے ڈالے ہے کاندھے پہ نیلگوں کمّل
یہ چشمہ نور کا کہتے ہیں آفتاب جسے — ہمیشہ سے اِسی انداز پر رہا ہے ابل
نشانیاں ہیں یہ ایسی کہ ذات باری کے — ثبوت میں انہیں سمجھیں گے قول ہم فیصل
طلب کرے کوئی اس سے بھی گر زیادہ ثبوت — تو ہم کہینگے کہ اُس کے حواس ہیں مختل
سُراغ ڈھونڈنے اُس کا چلی ہے عقل ضعیف — یہ خوف ہے کہیں ایماں میں آ نہ جائے خلل
وجود ملت اولیٰ سے بحث تو جب ہو — کہ ہو یہ عقل (جو معلول ہے) محیط علل
نہیں ہے ذات زبونی کش ثبوت صفات — عرض کے رنگ سے خالی ہے جوہر اکمل
مذاق تلخی و شیرینی اعتباری ہے — مریض کے لئے ہوتا ہے انگبیں حنظل
فروغ حسن سے اپنے جناب باری نے — جلائی محفل ہستی میں روح کی مشعل
وہ رُوح جو ہوئی مجبور بھی مخیر بھی — کبھی فلک پہ ہے جس کا کبھی زمین پہ عمل
صعود میں ہوئی عرش بریں سے بھی اعلیٰ — ہبوط میں ہوئی گاو زمیں سے بھی اسفل
اگر ہو خیر پہ مائل فرشتہ سے اشرف — کرے جو شر سے گرایش تو دیو سے ارذل

علو مرتبہ کو جس کے ناز ہے اس پر — کہ زینت اس کی ہوئی ذات احمدؐ مرسل
وہ ذات پاک بنی جو خلاصۂ مقدور — خدا کے بعد ہوئی کائنات میں افضل
بہار باغ رسالت کی آمد آمد ہے! — خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل
عرب سے اُٹھ کے زمانہ پہ یہ گھٹا برسی — درخت سبز ہوئے پھوٹنے لگی کونپل
جہان و اہل جہاں کی پلٹ گئی کایا — کھلا دریچۂ رحمت کھلے دلوں کے کنول
حضور سرورِ کون و مکاں کو لازم ہے — کہ دیجے نذر تحیات احسن و اکمل
بشر کہ اس کو خدا نے کہا ظلوم و جہول — بنا ہے انؐ کے تصدق میں اعلم و اعدل
نتیجہ تھا یہ رسولؐ خدا کی غیرت کا — حرم سے چشم زدن میں اُٹھا بتوں کا عمل
کرشمہ سنج محمدؐ ہوئے تو ٹوٹ گیا — طلسم نائلہ وحیت و نسر و لات و ہبل
بجا زمانہ میں نقارِ خانہ وحدت کا — خدا کے نام سے گونجا سواد دشت و جبل
جہاں میں ملت بیضا کی روشنی پھیلی — نکال جس نے دیئے ساری ظلمتوں کے بل
نبیؐ نے درسِ تمدن دیا زمانے کو — بتایا راز اخوت بشر کو پہلے پہل
علم محبت و اخلاق کا بلند ہوا — کیا رسولؐ نے ملک نفاق مستاصل
عطا ہوئی ہمیں دنیا بھی دین کے ہمراہ — لگے تھے فقر کی ڈالی میں سلطنت کے پھل
وہ بخشوانے ہمیں آئیں گے قیامت میں — اگرچہ قابل بخشش نہیں ہمارے عمل
فقط یہ بات کہ ہم ان کے نام لیوا ہیں — کریگی اُمت عاصی کی مشکلات کو حل

آوازۂ حق

(۱)

ہم کو دیا پیغام عرب نے ایک خدا اور ایک رسولؐ
اب نہیں ایسی کوئی دعا جو آتے ہی لب پہ ہو نہ قبول

نام ہے ایک اللہ کا سچا باقی باطل سب معبود
مختصر اس قصہ کو سمجھئے ناحق اس کو نہ دیجئے طول

اس کے سمجھنے کے لئے دل میں ہونا چاہیئے ذوقِ سلیم
اس کی حقیقت وہ نہیں جس کو جان سکیں افہام و عقول

مجھ کو بتا دو کوئی خدارا قطرہ کہاں اور بحر کہاں!
کب یہ ہے اور کیونکر یہ ہے ممکن بندے میں ہو خدا کا حلول

جس نے ہو الکل اس کو بتایا اس سے خدا بیزار ہوا
اِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ اَمْرُ اللہِ ھُوَا لْمَفْعُوْلُ

(۲)

مجلس کے آداب ہیں باقی عہد کہن کا رنگ نہیں
اب نہ وہ اندازِ ھِیَ اَحسَن اور نہ وہ طرزِ قالِ اقول

جیسے حکیم ہیں ویسی امت بئس الاشرف و المشروف
جیسی روح ہے ویسے فرشتے خسئی الفاضل و المفضول

فلسفۂ اشراق یہی ہے اور ہے اس کی شرح یہی
آپ ہی خون شرع کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول

میرے قلم کے توڑنے والے وہ ہیں جنہیں ہے دعویٰ دیں
ساتھ ہی جن کی ہے یہ تمنا سیف دہند ہو مسلول

شان خدائے عز و جل ہے بن گئے وہ بھی جادہ شناس
جنکی روش ہے اوٹ پٹانگ اور جنکی دوش ہے اول جلول

خانہ بر اندازان چمن سے ہم فقط اتنا پوچھتے ہیں
باغ میں صاحب رہنے بھی دیں گے آپ کوئی پھل اور کوئی پھول

زاغ و زغن سے آپ کو الفت بلبل و قمری سے ہے عناد
سر لب جو کو ہے شکایت اس کی جا پہ لیتا ہے ببول

ایک بھی ہو ہی نہیں سکتے کورا اور بنا ظل و حرر در
کرتے ہیں جو قرآں کی تلاوت کیوں گئے وہ اس قول کو بھول

(۳)

ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر اور رہیں موجیں برق بلا
ہونے لگا ہے ساتھ ہی لیکن رحمت باری کا بھی نزول
دیر سے ہم ساحل پہ کھڑے تھے اور ہمہ تن تھے چشم براہ
دور سے اک کشتی نظر آئی اور بلند اس کا مستول
پھٹ گئے بادل گھٹ گیا طوفاں چھپ گئی ظلمت کٹ گئی رات
حامل زورق احمد مرسل ملت بیضا ہے محمول

(۴)

منتظران حق کے لئے پھر کحل البصر اسلام بنا
باغ نبی میں آگئی رونق دیدۂ نرگس ہے مکحول
نور امانت پھیل چلا ہے روشن ہو گئے دیر و حرم
اب وہی ہستی بن گئی مسلم کل تک تھی جو ظلوم و جہول
فرش پہ ہے اسلام کا نقشہ عرش پہ ہے اسلام کا رنگ
شش جہت اس میں آگئے سارے دائرہ میں ہے عرض نہ طول

عیب کجا اسلام کہاں اس سیف میں زنگِ ظلام کہاں
عیب ہے مُسلم میں تو یہی ہے انَّ الصَّارم فیہ فلول

یا تو ہو قرآں کی کوئی آیت یا ہو نبی کی کوئی حدیث
بات اسی صُورت میں بنے گی یا معقول ہو یا منقول

صبح کی ساعت آئی ہُوئی ہے سجدہ میں گر کر مانگ دُعا
رحمت سر پر آئی کھڑی ہے مُسلم کیوں ہوتا ہے ملُول

بگڑی ہُوئی بن جائے گی تیری کام سنور جائیں گے تیرے
مضطرب اتنا کس لئے تو ہے بیٹھ ہی جائے گی چُول سے چُول

دستِ سعادت کی بھی رسائی دیکھئے ہوتی ہے کہ نہیں
طرّۂ اسلام آج بصیرت کو نظر آتا ہے مفتول!

سب سے بڑا انعام یہی ہے خدمتِ دیں کی ہو توفیق
کام مُسلمانوں کے جو آیا بس وہی مُسلم ہے مقبول

اک مسئلہ پر غور کیا کر ہے یہی رازِ فوزِ عظیم
بن گئیں اِس نکتہ کو سمجھ کر جنّت کی خاتون بتولؓ!

کام رکھ اپنے کام سے مُسلم خود اللہ ترا ہے وکیل
مزد سے بالا ہو تری خدمتِ طاعتِ حق میں رہ مشغول

(۵)

مجھ کو رسولؐ اللہ کی اُلفت لُطفِ خدا سے مِل ہی گئی
اے دلِ ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول

ناشِئَۃ اللّیل آج سے دے گا میری رُوح کو نشو و نما
اَقْوَمُ قِیلا آج سے ہو گا میری اقامت کا معمول

دین بھی ہو جائے مجھے حاصل دُنیا کی بھی مُراد ملے
گوشۂ چشمِ عنایت مجھ پر ہو جو پیمبرؐ کا مبذول

آنکھ اُٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں دولت مشرق و مغرب کو
سرورِ عالم اگر فرمالیں نذرِ محقر میری قبول

دُعا

الٰہی برق غیرت کی تڑپ مجھکو عطا کر دے
مجھے آتش زیر پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے

میری تقریر سحر آلود میں کہ وہ اثر پیدا
کہ اہل درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

دیا ہے علم اگر تُو نے تو ساتھ اسکے عمل بھی ہو
کہ شرح لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر دے

بتا دُوں گا کہ خاکِ ہند یُوں اکسیر بنتی ہے
میری پلکوں کو جاروب حریم مصطفےٰ کر دے

مقامِ حیرت

مرے کس کام میری دانشِ مشکل کشا آئی
سمجھ تیری ذرا مجھ کو نہ اے میرے خدا آئی

زمیں میں آسماں میں چاند میں سورج میں تاروں میں
نظر صوفی کو اور عارف کو شانِ کبریا آئی

مگر جب عقل نے چاہا کرے حل اس معمّے کو
نعم کے ساتھ پیش اس کو ہمیشہ شقِ لا آئی

یہ وہ ہے جو درِ میخانۂ علمِ حصولی پر
گئی اور بادۂ حکمت کے خم کے خم لنڈھا آئی

تصوّر میں بھی چھو سکتے نہ تھے ہم جس کے دامن کو
یہ کھول اُس دلربا کا عقدۂ بندِ قبا آئی

کبھی تاکا فلک اس نے کبھی جھانکی زمیں اس نے
کبھی پہنچی ثریّا پر کبھی سوئے ثریٰ آئی

کیا اس نے مسخّر آب و خاک و باد و آتش کو
نظر چاروں طرف پھیلی ہوئی اس کی ضیا آئی

کیا یہ سب کچھ اس نے پر جو ڈھونڈا جا کے خالق کو
تو جو کچھ لے گئی تھی ساتھ اس کو بھی گنوا آئی

چمکتا نیرِ اعظم نہ ہم پہ گر رسالت کا
خرد سے مرتبہ کچھ بھی نہ کم ہوتا جہالت کا

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

وہ جس کی شان ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ
چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور میں ہے

برنگِ دورِ قمر جلوہ اُس کی قدرت کا
کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہور میں ہے

کبھی کبھی ہے وہ اوجِ شعیر پر تاباں
کبھی کبھی وہ خراماں سوادِ طور میں ہے

کہیں فسانہ وہ یعقوب کا ہے کنعاں میں
کہیں ترانہ وہ داؤد کا زبور میں ہے!

شرارِ جستہ کی شکل اُس کے وہم کا پرتو
تڑپ رہا مری نہاکے سنر شعور میں ہے

جو اُس کو صورتِ اصلی میں دیکھنا چاہو
محمدؐ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

پردہ دارِ پردہ در

پردہ میں شان رہ نہ سکی مستتر تری
یارب ہر اک طرف ہے ضیا جلوہ گر تری

نازاں ہوں اپنے اس دلِ دیوانہ پر جسے
مل ہی گئی کسی نہ کسی ڈھب خبر تری

اس کشمکش میں دیکھئے ہو کامیاب کون
میرے گناہ اِدھر ہیں تو رحمت اُدھر تری

آلودۂ عتاب سہی پر یہ ہے نصیب
محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تری

مجرم اگر ہوں میں تو ہے تو بھی قصوروار
پہلے ہی دن سے کیوں ہے روش درگزر تری

فریاد

خدایا تیرے گھر کی خاک اُڑائی جا رہی کیوں ہے
قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جا رہی کیوں ہے

بجائی جا رہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبہ کی
خلیل اللہ کی بُنیاد ڈھائی جا رہی کیوں ہے

جہاں آٹھوں پہر توحید کا نقارہ بجتا تھا
وہاں تثلیث کی گھنٹی بجائی جا رہی کیوں ہے

حرم سے پاسبانی جس کی یارب تجھ پر لازم ہے
فرشتوں کی محافظ فوج اُٹھائی جا رہی کیوں ہے

اُڑائے جا رہے ہیں کس لئے پُرزے خلافت کے
رسول اللہ کی دولت لُٹائی جا رہی کیوں ہے

گر اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام آج بھی سچ ہو
تو پھر اسلام پر آفت یہ لائی جا رہی کیوں ہے

وہ تیغ اعدا کے سر پر جس کو بجلی بن کے گرنا تھا
ہماری گردنوں پر آزمائی جا رہی کیوں ہے

خدا کے نام پر مرمٹنے والوں کی صفِ ماتم
ملیبار اور سمرنا میں بچھائی جا رہی کیوں ہے

پرستش تیری اب بھی فرض ہے گر ابنِ آدم پر
رسولِ اللہ کی اُمت مٹائی جا رہی کیوں ہے

یہ مانا رحمتیں تیری ہیں شامل دشمنوں کو بھی
مگر یہ قوم یوں سر پر چڑھائی جا رہی کیوں ہے

پتنگ ابلیس کا تارا ہوا جاتا ہے گردوں کا
خدایا اس کو ڈور اتنی بڑھائی جا رہی کیوں ہے

تیری غیرت کی بجلی تلملاتی کیوں نہیں یارب
حریفوں کو جلال اپنا دکھاتی کیوں نہیں یارب

وسعتِ آرزو

خُدا اسلام کی دولت اگر دے — تو دامن بھی فراخ اتنا ہی کر دے
اگر ذوقِ مے آشامی دیا ہے — تو ساغر بادۂ بطحا سے بھر دے
بھرے سارے جہاں کا درد اس میں — اگر پہلو کو تکلیف جگر دے
غرض جو کچھ بھی دے اسلامیوں کو — بقدرِ رحمتِ خیر البشر دے

عجم جس کا ہو آنگن اور عرب چھت
مُسلمانوں کے بسنے کو وہ گھر دے

میدانِ عرفات میں میری مناجات

بدرگاہِ باری عزّ اسمہٗ

تجھ پہ ابراہیمیوں کا حق ہے پہلے سے سوا
تار کو پھر نور کر، گلشن کو پھر گلزار کر

صدقہ اپنی کارسازی کا بنا بگڑی میری!
میں ہُوں بیکار اے مرے مولا مجھے باکار کر

پھر لگا یارب مرے دل میں وہ اگلی سی لگن!
میرے سر کو جذبۂ توحید سے سرشار کر

تلخیاں تقلیبِ زمانہ کی ہیں سب سہنی سکھا
جانِ شیریں کو حریفِ لذّتِ آزار کر

سینکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں
اُس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر

جو سزا چاہے انہیں دے لے کہ تو مختار ہے
لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر

ہند کو بھی اے خدا قیدِ غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا مختار کر

کلام اللہ

اِن ھُوَ اِلَّا وَحیٌ یُّوحیٰ جسکی شان میں آیا ہے
رحمتِ عالم ہو کے اک اُمّی اُس مکتوب کو لایا ہے

منکشف اُس نے کر دیئے سارے عَلَّم الاسما کے وہ رموز
جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدس نے سر نیوڑھایا ہے

جاءَ الحق وَزَھَقَ الباطِل اسکی زباں پہ آتے ہی
کفر کے برج سرِ فلک پہ پرچمِ دیں لہرایا ہے

اِنَّ الباطِل کانَ زَھُوقاً کہہ کے دیا ہے حق کو فروغ
پڑھ کے یہ افسوں منہ کے بل اُس نے لات و ہبل کو گرایا ہے

بُت کی خُدائی لے گئی مکھی ضعف الطالب والمطلوب
بال مگس سے نقشۂ توحید اُس نے نیا کھنچوایا ہے

موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا
قطرہ سے قلزم پتّہ سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے

دامنِ صحرا پہ بھی گماں تھا آنکھ کو دامنِ گلچیں کا
سارے جہاں پہ اُس نے جب اپنا ابرِ کرم برسایا ہے

جن کے مقدر میں تھی غلامی اُس نے انہیں آزاد کیا
نوعِ بشر کی لوحِ جبیں سے اُس نے یہ داغ مٹایا ہے

ابیض و اسود احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ سیزر حشمتِ خاقاں صولتِ بہمن دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو سمجھایا ہے

خُمِ فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بوند نہیں
تا بہ ابد وہ جام چلے گا اُس نے جسے چھلکایا ہے

کون و مکاں سے آج تک اس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اک نقطۂ انساں ہی کا ہے سینہ جس میں یہ نور سمایا ہے

اشعارِ نعت

و

استغاثہ بہ بارگاہِ شاہِ کونین

عرضِ حال بدرگاہِ ربّ العزّۃ

بتوسط حضور خواجۂ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات / دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حُسن کی زکوٰۃ

تیری جبیں سے آشکار پرتوِ ذات کا فروغ / اور ترے کوچہ کا غبار سُرمۂ چشمِ کائنات

بارگہِ الست سے بخش دیئے گئے تجھے / سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلّیات

چہرہ کشا کرم تیرا قاف سے تا بہ قیرواں / لُطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات

تیرے سلام کے لئے گلشنِ قدس کے طیور / گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات

دیکھتے ہی ترا جلال کُفر کی صف اُلٹ گئی / جُھک گئی گردنِ ہبل ٹوٹ گیا طلسمِ لات

آنکھ کے اک اشارہ سے تو نے معاً بدل دیئے / ذہن کے سب تصوّرات قلب کے سب تاثرات

چون و چگونہ و چرا تا بکجا و تا بکے / حل کئے ایک بات میں تو نے یہ سرمدی نکات

غیر کو خویش کر دیا نیش میں نوش بھر دیا / پل میں درُست کر دیئے بگڑے ہُوئے تعلّقات

کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جس میں ایک ساتھ / لزبن و پیرس و دمشق و پیکن و دہلی و ہرات

از سرِ نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند / اُٹھ گئی قیدِ خون و رنگ مٹ گیا فرقِ نسل و ذات

شانِ خدائے پاک تھی یثربیوں کی سادگی
جس پہ نثار ہو گئے سب عجمی تعلقات

تیری ثنا میں تر زباں ہو گیا جو مری طرح
اس کے قلم میں آگئی شانِ روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

اے کہ رواں رواں ترا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ
موجِ بلا ہے تاک میں دور ہے ساحلِ نجات

تھام کے پایۂ عرش کا کر بادب یہ التجا
اے کہ ہے مبدأ فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا بُرے تو تو ہے اے خدا کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

موردِ لطفِ خاص پر کس لئے آج یہ عتاب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات!

فریادِ بحضورِ سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلّی سے فیضیاب

زینت ازل کی ہے تو ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب

چُوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو
تھامی ہے آسمان نے جھک کے تیری رکاب

شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا
آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب

پیدا ہُوئی نہ تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب

خیرالبشر ہے تُو تو ہے خیرالاُمم وہ قوم
جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ
ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہُوا خراب

صد ہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں
دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب

پھر بھی ہے اُن کو لاج ترے نام پاک کی
پروانہ وار جس پہ تصدّق ہیں شیخ و شاب

ہے ان کے ایک ہاتھ میں سیفِ یداللّٰہی
اور دوسرے میں ہے تیری لائی ہوئی کتاب

یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر
شیطاں پہ آسماں سے گرے جس طرح شہاب

چہرے پہ زخم کھائے مگر منہ نہ پھر سکا
گلگونہ عذار ہے اندیشۂ عقاب

باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستاں میں آ
اور دیکھ لے اُلٹ کے ملیبار کا نقاب

اے قبلۂ دو عالم و اے کعبہ دو کون
تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب

یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر
دونوں دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے ناسزا غلام
عقبیٰ میں سرخرو ہوں تو دنیا میں کامیاب

صلّوا علیہ و آلہ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اِک روز جھلکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لَولاکَ لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھُل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہُوا
وہ راز اِک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئے دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں اِن چاروں میں

رحمۃ للعالمین

وہ اٹھا خاکِ بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردارِ حق بن کر سپہ سالارِ دیں ہو کر

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رحمۃ للعالمین ہو کر

خدا نے اُس کو اپنے حُسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھپا ہے اس کا پرتو نورِ صبحِ اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اُس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا عین الیقیں ہو کر

اسی کا بے حساب احساں ہم پر تھا کہ صدیوں تک
رہا ہندوستان اسلام کے زیرِ نگیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اُس کی زباں سے تا دمِ آخر
نہ نکلی ہو جو زیبِ نطق جبریلِ امیں ہو کر

خدا کی شان سے رونق ہے موجوداتِ عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

نمک پروردہ اُس کی شرم کے ہیں سب گنہ میرے
وہ شرم آئی جو عقبیٰ میں شفیع المذنبیں ہو کر

وانم باڑی

۳۰ اگست ۱۹۳ء

شبِ معراج

عشق مہماں ہُوا حُسن کے گھر آج کی رات
جذبۂ دل ہے بآغوشِ اثر آج کی رات

بختِ بیدار نے دی دولتِ سرمد کی نوید
کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بہ سحر آج کی رات

اپنے اللہ سے ملنے کے لئے جاتا ہے
اپنے اللہ کا منظورِ نظر آج کی رات

ماہ و انجم نے سرِ راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے ناقۂ اسریٰ کا سفر آج کی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستے سے
ہونے والا ہے محمدؐ کا گزر آج کی رات

چاند کیا چیز ہے سورج کی حقیقت کیا ہے
پرتوِ نور سے روشن ہے نظر آج کی رات

اُٹھ گیا چہرۂ ہستی سے نقابِ اسرار
لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات

مل گئی دونوں جہانوں کے خزانوں کی کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات

---

۲۴ فروری ۱۹۲۵ء

اِلتجا بحضورِ سرورِ کائنات

جاگ اُو یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لُٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری اُمت کا راج

سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج

تیرے بچے ہو رہے ہیں ساری دُنیا میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج

ہم ہیں ننگے سر اُٹھا اے شانِ عرب آنِ عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوتِ کبریٰ کا تاج

تشنہ کامانِ خلافت کو خود اپنے ہاتھ سے
بھر کے وہ ساغر پلا ہے انگبیں جس کا مزاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دُعا ہی تیری اُمت کا علاج

---

۲۲ اپریل ۱۹۲۰ء

نذرِ حضور خواجۂ دو جہاں سرورِ کون و مکاں

محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے کہ ترا شہود ہے وجہِ نمودِ کائنات — اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات
اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانے کی صفات — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خمِ الست — بزم میں آ کے جھک پڑے سارے جہاں کے مے پرست
تھا یہ عجیب انتظام تھا یہ عجیب بند و بست — ہو گئے مست ہوشیار بن گئے ہوشیار مست
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار — سرورِ کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار
صبحِ ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشمِ انتظار — تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب — دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہمرکاب
جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب — لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

مخمس بربلا

تیرے نوال میں نہاں مبدء بحر کا مآل — تیرے کمال سے عیاں شان خدائے ذوالجلال
قدر تری ہے بے مثال درس ترا ہے لازوال — نورک فوق کل نور سبلک اصوب المنال
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

خلق ہوئی تھی میمنت تیرے قدوم کے لئے — وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کے لئے
فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لئے — بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کے لئے
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے — چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے
گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے — تو نے یہ گنج شائگاں رکھ دیا سب کے سامنے
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا — بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا
شاہد علم و فضل کا حلقہ گوش تو ہی تھا — سارے جہان کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار — سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار
ہم تیری ذات پر فدا ہم ترے نام پر نثار — تیری گلی میں ہوں نعیم تیرے مقام پر نثار
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

عرضداشتِ اُمّت بحضورِ سرورِ کونؐ و مکاں

اے نشانِ حجتِ حق مظہرِ شانِ جلیل — تو نے کی تکمیلِ آئینِ مسیحا و خلیل!

اولیں برہاں تری فرزندِ آذر کی دعا — اور نویدِ ابنِ مریم دوسری تیری دلیل

نقطۂ پرکارِ عشقِ کبریا تیرا جمال — تجھ کو اُس سے ہے محبت کیونکہ وہ خود ہے جمیل

تیری چشمِ مست کا صدیقِ اکبرؓ ہے خراب — تیری تیغِ ناز کا فاروقِ اعظمؓ ہے قتیل

ختم تجھ پر ہو گیا اِنسانِ کامل کا لقب — لا نہیں سکتے زمین و آسماں تیرا عدیل

بن گیا قرآں کی ہر ہر سطر ہر ہر لفظ میں — نطق تیرا شانۂ زلفِ پیامِ جبرئیل

تیری روشن زندگی کے کارنامے بن گئے — اہلِ ایماں کے لئے ہر مرحلے میں سنگِ میل

کر دیا تُو نے قوامِ دین و دُنیا معتدل — ناخنِ رہبانیت کی جڑ میں ٹھونکی تو نے کیل

لفظِ جنّت قیدِ معنی سے رہا ہوتا اگر — تیری رحمت اہلِ عالم کی نہ ہو جاتی کفیل

حشر کے دِن جن کو ملتا ساغرِ آبِ حمیم — تُو نے پلوایا انہیں جامِ شرابِ سلسبیل

قوم بھی سرِ منزلِ ہستی میں ہے مانندِ فرد — عمرِ قسّامِ ازل نے دی ہے دونوں کو قلیل

دیکھئے دونوں ہیں بچپن اور جوانی کی بہار — عہدِ پیری کاٹ کر ہوتے ہیں سرگرمِ رحیل

مصر و یوناں لد گئے روما و بابل مٹ گئے
کم جیا کوئی کسی نے زندگی پائی طویل

یا محمدؐ تیری اُمت مٹ نہیں سکتی مگر
ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آبِ رودِ نیل

لوحِ ہستی سے نہ ہوگا محو نقشِ اسلام کا
متفق ہیں اس حقیقت پر زمانے کے عقیل

جلوہ گر پائے گا ہم کو نت نئے انداز سے
رنگ بدلے خواہ کتنے ہی کیوں یہ چرخِ نیل

دولت اور اقبال کر سکتے نہیں ہم سے ابا
آیتِ استخلاف کی ہے اپنے دعوی کی دلیل

امتیازِ ملت و مشرب یہاں جائز نہیں
ہے لگی سب کے لئے مکہ کے ساقی کی سبیل

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کہیں اپنا مثیل

پرچمِ اسلام اک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم رہے اقوامِ عالم کے دخیل

سطوتِ اسلام کے ماتھے پہ جب پڑتا تھا بل
سرکشوں کو ایک ساعت کی نہ مل سکتی تھی ڈھیل

جب چمکتا تھا ہمارا خنجرِ خارا شگاف
فتح و نصرت کو نہ ہوتی تھی مجالِ قال و قیل

مشرق و مغرب کے دفتر کو اُلٹ دیتے تھے ہم
اور ہمارے فیصلہ کی ہو نہ سکتی تھی اپیل

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملتِ بیضا کی راہ
ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل

ہم کو آج آنکھیں دکھاتے ہیں ہمارے ریزہ چیں
بن گئے شہباز کل تک جن کو ہم سمجھے تھے چیل

ہم میں جو مفلس ہیں وہ زندہ ہیں لیکن مُردہ وار
ہم میں جو منعم ہیں وہ یا تو ہیں مسرف یا بخیل

گر شرافت اور نجابت کا ہو معیار اتقا
ہم مسلمانوں میں کم ہیں جو نہ نکلیں گے ذلیل

کر رہا ہے یوں ہی دورِ آسماں ہم پر یورش
جس طرح کعبہ پہ چڑھ کر آئے تھے اصحابِ فیل

ہم ابابیلوں سے لیکن کس لئے مانگیں مدد
جب کہ تو خود ہے ہماری فتح و نصرت کی دلیل

تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دعا
جو کہ ہے مقبول درگاہِ خداوند جلیل

تیرے روحانی تصرف نے کیا ہے جس طرح
تندرست اُس کو جسے مغرب سمجھتا تھا علیل

دُر فشاں اے ابرِ رحمت ہند پر بھی ہو یونہی
تاکہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل

علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق
قرنِ اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاقِ جمیل

ہم بھلے ہیں یا بُرے ہیں تیرے آخر ہیں غلام
ہم کو ہمچشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل

اے شفیع المذنبیں اے رحمۃ للعالمیں
اَنتَ کہفی اَنتَ ہادی اَنتَ لی نعم الدلیل

اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ ربِّ کائنات میں

اے کہ تری نمود ہے غازۂ روئے کائنات — جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات
قصد یہ کر رہا ہوں میں نعت تیری رقم کروں — کوزہ میں بھر رہا ہوں میں مایۂ دجلہ و فرات
نور ترا نہ چیرتا گر افقِ شہود کو — ختم نہ ہوتی آج تک تیرگیِ شبِ حیات
فرش میں تیرے ہمہمے عرش میں تیرے زمزمے — بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ
ہیں عرب و عجم ترے دونوں ہی ہیں کرم ترے — تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات
بت شکنوں میں آگئی آذریوں کی بت گری — کرنے لگے خدا پرست بندگیِ منات و لات
بھولے تھے بندے نام حق تو نے دیا پیامِ حق! — جوڑ دیئے قدیم کے ٹوٹے ہوئے تعلقات
وہم و گمان میں بھی نہ تھا ہند کے آسماں تلے — عالم ہپید کا نیا سلسلۂ تغیرات
آہ وہ عہد ہے کہاں جس میں ہمارے واسطے — روز تو روزِ عید تھا اور تھی شب شبِ برات
آہ وہ باغ کیا ہوا بارہ مہینے کی بہار — ملتی تھی جس میں ڈال ڈال ملتی تھی جس میں پات پات
مرکزِ ثقل سے ستونِ شرعِ مبیں کا ہٹ گیا — خطرہ میں آکے پڑ گیا دینِ قویم کا ثبات

ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصبات
حکمت و علم کا مطب دینے لگا مریض کو بے خبری و جہل کے بوقلموں مرکبات
عالمِ دیں فروش نے صوفیِ مکر کوش نے دامِ ریا بچھا دیا اوڑھ لی دلقِ سیئات
سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات
تیری نگاہِ مہرباں ہم کو ذریعۂ فلاح تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلۂ نجات
دُور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے پھرا ہُوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

۷ جنوری ۱۹۲۷ء

نذرِ عقیدت

حضورِ آقائے دو جہاں کی جناب میں

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملتِ بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس باتجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشنِ ہندوستاں کی تجھ سے ہے

مصطفےٰ کو تیری نسبت سے ہوا حاصل کمال
خوں فشانی اس کے عرب افگن سناں کی تجھ سے ہے

ہے خمیر مایۂ حسنِ عرب تیرا جمال
دلربائی نجد کے بانکے جواں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود و بہبود جہانِ فلاں کی تجھ سے ہے

کفر اگر پرچم کشا ہے اس کے ہم نفس مردار
سربلندی دینِ قیم کے نشاں کی تجھ سے ہے

دولت اک تیری کنیز اقبال اک تیرا غلام
شان دارائی امان اللہ خاں کی تجھ سے ہے

امتِ مرحوم کے دردِ جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت و خوں
کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے

اس ورق پر پرتو افگن ہے ترا سحرِ حلال
اور بہار اس خامۂ معجز بیاں کی تجھ سے ہے

لاہور
۱۳ جنوری ۱۹۲۷ء

جشنِ میلادِ نبویؐ

محمد مصطفےٰ گنجِ سعادت کے امیں تم ہو
شفیع المذنبیں ہو رحمت للعالمیں تم ہو

ہوئی تکمیل دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو
رسالت ہے اگر انگشتری اس کے نگیں تم ہو

نہ ہوتے تم تو عرش و فرش کا نقشہ نہ جم سکتا
یہ دنیا اعتباری تھی حقیقت آفریں تم ہو

مبرّا کر دیا تم نے خدا کو ذمہ داری سے
کہ ختم حجت حق کی نشانی بالیقیں تم ہو

نمکداں خوانِ ہستی کا تمہارا حسنِ دلکش ہے
خدا جس پر ہوا سو جاں سے شیدا وہ حسیں تم ہو

اگر پروردگارِ انس و جاں کو ہم نے پہچانا
بلاشبہ و بلاشک اس کی وجہ اولیں تم ہو

دلِ شکستہ کو بھی اپنے اوپر ناز ہیں کیا کیا
یہ وہ آئینہ ہے جس کے سکندر بالیقیں تم ہو

تمہاری یاد ہو جس دل میں ایسے دل کا کیا کہنا
مکاں ہو گا عجب ہی شان کا جس کے مکیں تم ہو

ہوئی کافور ظلمت کفر کی جس کی شعاعوں سے
زمانہ پر یہ روشن ہے کہ وہ مہرِ مبیں تم ہو

نشانِ اِنَّا فَتَحنَا کا نہ ہو کیوں آشکارا جب
علم بردارِ حق تم ہو سپہ سالارِ دیں تم ہو

خدا کیونکر نہ کھینچے معصیت پر مغفرت کا خط
مسلماں مذنبیں ہیں اور شفیع المذنبیں تم ہو

ہوا اسلام کا ثمرمندۂ احساں جہاں سارا
ہر اک اقلیم پر برسا گئے درِ ثمیں تم ہو

لقب خیر الامم جس کو دیا تاریخِ عالم نے
اس امت کے نگہباں اس زمانہ میں تمہیں تم ہو

مسلمانو! خدا کا فضل اس سے بڑھ کے کیا ہوگا
رسول اللہ کا خرمن ہے جس کے خوشہ چیں تم ہو

تمہارا عُروۃ الوُثقیٰ ہے واعتصموا بحبل اللہ
پھر اس رسی کو یارو تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو

تمہارا نام ہے اب بھی بڑا دنیا کے حلقوں میں
ابھی تک گلشنِ دولت کے سرو راستیں تم ہو

اُخوّت کا سبق تم کو پڑھایا ہے پیمبر نے
مگر دل میں لیے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

بھرا زہرِ ہلاہل ہے جگر اور دل میں سر تا سر
مگر ہنس ہنس کے ٹپکاتے زباں سے انگبیں تم ہو

سمجھ رکھا ہے حرمت کو مرادف تم نے ذلت کا
کہ بھر بھر کر اڑاتے جام آبِ آتشیں تم ہو

اتروا دیں گے ملا بوٹ دروازہ پہ مسجد کے
خدا کے گھر تک اس خدشہ سے آسکتے نہیں تم ہو

پڑے پتلون میں سلوٹ مبادا کوئی جھکتے ہی
نہیں اس ڈر سے ہو سکتے شریکِ راکعیں تم ہو

پڑی ہیں مسجدیں ویران او رہیں مدرسے سونے
قریب از علمِ دنیا ہو تو دور از علمِ دیں تم ہو

خدا سے لو لگاتے ہو تو اس کی بھی یہ حالت ہے
کہ وقفِ آرزوہائے وصالِ حورِ عیں تم ہو

نہیں القصہ اس قابل کہ بخشے جاؤ عقبیٰ میں
خدا سے سرخرو ہو فائزِ خلدِ بریں تم ہو!

نہ یہ امید بھی گر ہو کہ حضرت بخشوا لیں گے
تو مطلق شک نہیں اس میں کہ جمع خاسریں تم ہو

محمدؐ کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوگی!
اگر وابستۂ دامانِ ختم المرسلیں تم ہو

صاحبِ قابَ قوسین اَو اَدنیٰ

دِل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دُنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اُس نورِ اولین کا اُجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو

پیتے ہی جس کے زندگئ جاوداں ملی
اِس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو

اُٹھ اُٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں
وُہ درد دِل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو

دُنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے !
ہم بے کسانِ ہند کے ملجا تمہی تو ہو

عرش سے فرش تک حضورِ سرورِ کونین پر صلوٰۃ وسلام کی بارش!

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

رونق بزمِ دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجہ کیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناس منزلِ وحدت جلوہ نمائے نورِ حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیرِ ممثّل فضلِ مجسّم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آئینہ لطف ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہوگئی اُس پر ختم رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمران عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیل ملک تھا اُس کے جلو میں یعنی فضا کا رخش تھا رو میں
تا کہ جہاں ہو درہم و برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوت کبریٰ تھی وہ اک اس کی مشق سراپا
گردن ہر قتل جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

تیغ و کفن جب باندھ کے نکلے اُس کے قشوں قاہرہ گھر سے
بچھ گئی یورپ میں صفِ ماتم صلّی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اُس کا اور عجم اُس کا تھامے ہوئے ہیں ہم علم اُس کا
وہ ہے ہمارا اُس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم

وقت پہ دے گا تشنہ لبوں کو ساغرِ کوثر بھی وہی ساقی!
جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی!
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اُس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاجِ سکندر رفرّۂ دارا
کو کبۂ کے مرتبۂ جم صلی اللہ علیہ وسلم!

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُس کا اور ترے سر پہ سایہ ہے اُس کا
ملّتِ بیضا پھر تجھے کیا غم صلّی اللہ علیہ وسلم

عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک
غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلّم

---

۲۸ دسمبر ۱۹۲۹ء

مقامِ محمدؐ

زمانے میں چمکا ہے نامِ محمدؐ
ہوئی روشن صبحِ شامِ محمدؐ

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیں بھی
بلند اس قدر ہے مقامِ محمدؐ

میرا منہ لیا چوم روح الامیں نے
لیا میں نے جس وقت نامِ محمدؐ

پلایا ہے بھر کے ساقی نے مجھ کو
خدا کے خمستاں سے جامِ محمدؐ

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم
بقائے خدا و دوامِ محمدؐ

تاجدارِ عرب و عجم

سخن آورم ز کمال او ز شکوہ او ز جلال او — کہ نہ دیدہ چشم مثیل او نہ شنیدہ گوش مثال او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلّو علیہ و آلہ

ز عرب چکیدہ ملاحتش ز عجم دمیدہ عذوبتش — نمکے کہ ریخت جمال او شکرے کہ بیخت مقال او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلّو علیہ و آلہ

ہمہ کس فراخور ذوق خود ز ازل گرفتہ مقدرے — تو و لعل و گوہر و سیم و زر من و دست و دامن آل او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ و آلہ

فخرِ رسل

کہنے کو ہوں آج میں نعتِ رسولِ کریم
میری زباں کیوں نہ ہو رشکِ زبانِ کلیم!

مایۂ نازش مجھے ہے مری فکرِ رسا
وجہِ تفاخر مجھے ہے میری طبعِ سلیم

بسکہ ہے لب پر مرے فخرِ رسل کی ثنا
عیسیٰ گردوں نشیں کا ہوں شریک و سہیم

اے شہِ ہر دو جہاں سرورِ کون و مکاں
تو ہے خدا کا حبیب تو ہے خدا کا ندیم

تو ہے شفیعِ مناع تو ہے نبیِ کریم
تو ہے قسیمِ جسیم تو ہے نسیم و سیم

تجھ سے مزیّن ہوئی مسندِ پیغمبری
تجھ سے فروزاں ہوئی بزمِ الف لام میم!

دیکھ کے تجھ کو گرے لات و ہبل سر کے بل!
آتے ہی تیرے فنا ہو گئی نارِ جحیم

کون سی ایسی ہوئی اس میں تعجب کی بات
تیرے اشارے سے ہو گر مہِ کامل دو نیم

تو نے تو زندہ کیا بات میں اُس جسم کو
رہ گئی تھیں اک فقط جس کی عظامِ رمیم

جس کی رگ و پے میں تھا شرک سمایا ہوا
چھائی ہوئی جس پہ تھی ظلمتِ جہلِ سقیم

ہو گئے صحرا نشیں صاحبِ دیہیم و تاج
عامی و جاہل بنے تیری بدولت حکیم

دولتِ دنیا و دین قوم کو دی ایک ساتھ
ہے تری بخشش کثیر ہے ترا احساں عظیم

تو نے پلایا انہیں جامِ شرابِ طہور
جن کے مقدر میں تھی سوزشِ آبِ حمیم

الغرض احساں ترے قوم پہ ہیں بے شمار
اُٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بارِ عظیم

جبکہ ہو تو ناخدا کشتیٔ اسلام کا
کیا اسے موجوں سے خوف کیا اسے طوفاں سے بیم

تیری شفاعت کا گر ہم کو سہارا نہ ہو
رحم پہ غالب رہے عدل خدائے عظیم

شافع روز جزا تو نہ ہو گر کارساز
ہم کو میسر نہ ہوں خلد بریں کے نعیم

خسرو خاقاں کا فخر تیرے گدایانِ در
صاحب فوزِ عظیم تیری گلی کے مقیم

تو نے لگایا تھا جو گلشن قدس انتما
لاتی ہے اب تک نسیم اس سے اڑا کر شمیم

تو نے جلائی تھی جو مشعل عالم فروز
قوم کا اب تک بھی ہے اس سے منور حریم

بزم میں لیکن وہ رنگ اب نظر آتا نہیں
باغ میں باقی نہیں رونق عہد قدیم

ہے یہ دعا کا محل اے شہ دنیا و دیں
عرض کر اللہ سے ہے جو خبیر و علیم

بخشے ہمارے گناہ ہم پہ کرے اپنا فضل
پھر ملے اسلام کو عظمت شانِ قدیم

قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلا سا جوش
ہمّت ادھر ہو بلند عزم ادھر ہو صمیم

عشقِ رسولؐ

پرستارانِ لات و نسر مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبینِ زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبحِ اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینانِ کامل دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا ہی اچھا ہو محمدؐ کو
ترے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اُٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقتِ ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نامِ محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

نورِ حقیقت

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
ہمیں دیکھنا چاہیے انتہا کو

عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن
دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفےٰ کو

وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے
منوّر کیا جس سے غارِ حرا کو

چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا
کیا روشن اس نے تمام ایشیا کو

پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں
جدا الفلق والّیل سے والضّحٰی کو

ضلالت کی شب ہائے غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

صاحب معراج

لعل نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

بادہ 'اٰمنوا' پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلع فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جام مُتِمُّ نُورِہٖ
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دعوت داعِ ہو گئی در گرِو اِذا دعانِ
یا کہ ہے خواب ناز میں چشم سیاہ نیم باز

دین قویم مصطفےٰ رحمت عام ہو گیا
آتے ہی اس کے اٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

تاجوروں کے رشک کو خاک در نبی ہوئی!
سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاز

جس کی تمہیں خبر نہیں شان رسول ہی تو تھی
جس نے زمین خشک میں آکے چلا دیئے جہاز

لائے براق جبرئیل کس لئے اُس کے واسطے
ہوتی تھی جس کی رات دن گنبدِ عرش پر نماز

---

۲۵ جنوری ۱۹۲۶ء

نویدِ مسیحؑ

دکھا رہی ہے دُعائے خلیل اثر اپنا
ہیں جلوہ ریز نویدِ مسیحؑ کے انوار

جنابِ آمنہ کے پہلوئے مبارک سے
ہُوا ہے رحمتِ پروردگار کا اظہار

حضورِ سرورِ کون و مکاں ہُوئے پیدا
پیمبری کے گُلستاں میں آئی فصلِ بہار

جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا
مٹائی مہرِ درخشاں نے ظلمتِ شبِ تار

بڑھی سیادتِ ایماں گھٹی ظلالتِ کفر
چھٹی سیاہی باطل چھپا بدی کا غبار

کرشمہ سنج ہوا ساقیِ عرب ایسا
کہ شرق و غرب مئے حق سے ہو گئے سرشار

جنابِ ختمِ رُسل پر ہزار بار درود
ہے جن سے عالمِ امکاں کی گرمیِ بازار

چشمۂ آبِ بقا

معشرِ اسلام ہے خیرالوریٰ کے سامنے
ہیں ستارے جلوہ گر بدرالدجیٰ کے سامنے

حیف ہے لوٹ آئیں پیاسے اب بھی قسمت کے ولی
ہم کھڑے ہیں چشمۂ آبِ بقا کے سامنے

دردمندوں کے دلوں کا چارہ فرما ہے وہی
ہوگئی عاجز قضا جس کی دعا کے سامنے

جھک گئی تھیں تاجدارانِ جہاں کی گردنیں
پاسبانانِ حریمِ مصطفےٰ کے سامنے!

اللہ والے

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دعا انہیں کے لئے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

چُنتے رہے جو رستہ میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آکر تلا ہوا

احسان کی نوید سپید و سیاہ کو
سب کے لئے دریچۂ رحمت کھلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لئے
پھر کیوں نہ سب سے رتبہ ہو اُن کا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار پر
اُن کی یداللّٰہی کا علم ہے گڑھا ہوا

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی!
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہو گئے اُن کا خدا ہوا

۱۹ر اپریل سنہ ۱۹۲۶ء

اِنَّکَ اَنْتَ الاَعلیٰ

خدا کے گھر سے نکل گئے بت حرم کی رونق ہوئی دوبالا
بدل گئے دن پلٹ گئی رت نبیؐ نے امت کا نام اچھالا
ہوائی جب وَالضُّحٰے کی چھوٹی تو سب نے اس کی بہار لوٹی
کرن قُمِ اللَّیل کی جو پھوٹی تو سارے جگ میں ہوا اجالا
چلے ہیں مکے سے جب مدینے کہا یہ صدیقؓ سے نبیؐ نے
کیا جو رخ ثور کا کسی نے تو مکڑیاں پور دیں گی جالا
سواد یثرب میں گھومتا ہوں نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں
شراب حق پی کے جھومتا ہوں رہے سلامت پلانے والا
عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے سب ہے میرا
اگر مسلماں لقب ہے میرا تو بول ہو گا مرا ہی بالا

عالم و عامل

خدا سے وصل اور دنیا میں شامل — رسول اللہ ہیں انسان کامل
محمد مصطفےٰ کا نام لکھ کر — منور ہو گئے میرے انامل
خدا کا قرب ہے گر تجھ کو منظور — رسول اللہ کی ملت سے جا مل

فقط ہے چند حرفوں کا الٹ پھیر
وگرنہ جو ہے عالم ہے وہ عامل

۱۶ر نومبر ۱۹۱۶ء

اطاعت و استطاعت

جب اک دن سرورِ کون و مکاں کے دستِ اقدس پر
سَمِعْنَا اور اَطَعْنَا کہہ کے کچھ لوگوں نے بیعت کی
تو شانِ رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا
کہ اس بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ میں ہے قیدِ استطاعت کی

——— (حدیث)

اسلام

اسلام

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا

ہے کسی مذہب کی منت کش اگر عقل سلیم
ہے وہ مذہب مذہب اسلام باللہ العظیم

جس شبستاں میں چراغِ عقل بھی خاموش ہے
ہے وہاں اسلام خود ہی شمع اور خود ہی حریم

کوئی دیں نوعِ بشر کے حق میں رحمت ہے اگر
ہے وہ دیں لایا ہے جس کو ایک مکّے کا یتیم

رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن پیغمبرِ اسلام ہے
ہے خدا اسلام کا جس طرح رحمان و رحیم

کوئی دین اسلام سے بڑھ کر نہ ہوگا عام فہم
ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے اِس کی لام میم

یہ وہ مذہب ہے بشارت جس کی دیتا ہے مسیح
یہ وہ مسلک ہے شہادت جس کی لایا ہے کلیم

ہیں اسی کے نقش ثانی جو حقائق ہیں جدید
ہیں اسی کے نقش اول جو معارف ہیں قدیم

جس قدر ہیں اگلے اور پچھلے مذاہب سب میں ہے
انضباط اس کا فقید اور اعتدال اس کا عدیم

ماسوا کو غنچہ گر کہیے یہ اُس کی ہے چٹک
ارتقا کو نافہ گر لکھیے یہ اُس کی ہے شمیم

فطرت انساں کو اس نے غوطہ اُس خم میں دیا
جس میں ہے آمیزش رنگ خداوند حکیم

پیتے ہی جامِ شرابِ فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ
ہو گئے مفلس غنی اور بن گئے جاہل علیم

جو شقی تھے بن گئے اس کے تصدق میں سعید
مل گیا کوثر انہیں تھا جن کی قسمت میں حمیم

قیصر و کسریٰ کی گردن اُن کے آگے جھک گئی
اوڑھ کر نکلے تھے جو دینِ محمد کی گلیم

امتیازِ ابیض و اسود یہاں جائز نہیں
ہیں غلام اس سرزمیں کے تاجداروں کے سہیم

پڑھ نہیں سکتا غرض اول سے آخر تک کوئی
ہے کتابِ اسلام کے احسان کی اتنی ضخیم

ساری دُنیا میں اُجالا ہو گیا توحید کا
شمعِ محفل جب بنیں آیاتِ قرآنِ کریم

بوئے جانِ مصطفےٰ آئی مشامِ خلق میں
باغِ کثرت میں چلی جب وقت وحدت کی نسیم

ہے علیٰ قدرِ سعادت اہلِ ایماں کا یہ فرض
مشرق و مغرب میں پھیلائیں یہ روح افزا شمیم

جو بھٹکتے پھر رہے ہیں تنگنائے کفر میں
رہنما ان کے بنیں سوئے صراطِ مستقیم

راز ہے تبلیغ کا واصبر علیٰ ما میں نہاں
راندہ دل کے لئے ہے وعدۂ اجرِ عظیم

نصرتِ دیں کا صلہ دنیا میں ہے فتحِ مُبین
اور انعام اس کا عقبیٰ میں ہے جنّتُ النّعیم

مُسلمان کی شان

تُو نے اے مُسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شانِ یزدانی بھی ہے

فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پہ ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نُورانی بھی ہے

جس تمدّن سے ہوئی ہے خیرہ چشمِ روزگار
سرمہ اس کا تیرے نقشِ پا کی حیرانی بھی ہے

نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو
ڈھونڈتی پھرتی تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے

مرحمت تجھ کو ہُوا ایمان بھی اور عقل بھی
تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے

تیرے دل میں درد اگر ہے آنکھ میں آنسو بھی ہیں
آگ سے ڈرتا ہے کیوں جب پاس ہی پانی بھی ہے

ساری دُنیا کے فضائل تجھ کو ترکہ میں ملے
تیری حکمت یثربی ہے اور یونانی بھی ہے

مشرق و مغرب کے گنجینوں سے تو ہے بہرہ ور
تیری الماری میں ملٹن بھی ہے قاآنی بھی ہے

تو چمکتا ہے ہر اک کشور میں بن کر آفتاب
تو اگر ہندوستانی ہے تو برطانی بھی ہے

مرتبہ جس کی بدولت تجھ کو یہ حاصل ہُوا
کوئی اس کا آج کے دن تک ہُوا ثانی بھی ہے

ڈال رکھی ہے گلیمِ فقر اُس نے دوش پر
اُس کے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے

وہ خدا سے دُور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی
وہ رسُول اللہ بھی ہے اور ظلِّ سبحانی بھی ہے

نظم میں آجائے حسّانؓ ابنِ ثابت کا جو رنگ
شعر کہنے کا مزا لطفِ ثنا خوانی بھی ہے!

مدح خواں ہوں میں رسُول اللہ کا میرا صلہ
عالمِ باقی بھی ہے اور عالمِ فانی بھی ہے

میری نذرِ گوہریں پہنچے گی اُن تک خود بخود
موتیوں میں گر درخشانی ہے غلطانی بھی ہے!

---

۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

دین کی لم

پیمبرؐ سے سفیاں نے عرض کی
کہ سمجھائیے دین کی مجھ کو لم!

بھرا کوزہ میں دجلہ یوں آپ نے
قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

(حدیث)

شیوۂ مسلم

تجھے مسلم اس کی بھی ہے خبر کہ ہے شیوہ خوش طلبی ترا
ہے زباں اگر عجمی تری تو لقب تو ہے عربی ترا

ترے آگے کیوں نہ جھکیں ملک تجھے سجدہ کیوں نہ کرے فلک
کہ خدا ہے لم یزلی ترا تو نبی ہے مطلبی ترا

ہے شراب کا تو مزہ وہی مگر اختلافِ مذاق سے
کبھی کوزہ ہے یمنی ترا کبھی شیشہ ہے حلبی ترا

یہ بلائیں جائیں گی آپ ٹل یہ تصرفِ شہ دوسرا
اگر اُن کے کان میں پڑ گیا کبھی نالۂ نیم شبی ترا

شہیدِ کربلا

حسینؓ ابنِ علیؓ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اُس کی تقدیرِ حیاتِ جاودانی ہے

قناعت ہو تو ایسی ہو نظر ہے آبِ آہن پر
درآں حالیکہ بہتا پاس ہی دریا میں پانی ہے

زمینِ کربلا لائی نہیں مَیل اس کے تیور پر
کہ یاد اُس کو حنین و بدر کی اب تک کہانی ہے

چمکتی اس حقیقت کی کرن ہے اُس کی آنکھوں میں
کہ زندہ ہے تو اسلام اور جو کچھ ہے وہ فانی ہے

ہوئیں گل سڑ کے چُونہ ہڈیاں اُس کے حریفوں کی
مگر لاکھوں دلوں پر اب تک اُس کی حکمرانی ہے

حسینؓ ابنِ علیؓ کی زندگی قرآن کی صورت
رسولُ اللہ کی دُنیا میں اک روشن نشانی ہے

اسلام کی کامیابی اور مسیحیت کی ناکامی کا راز

کل ملے اک پادری صاحب مجھے بازار میں ۔ خلقِ شیرینی میں تھا جن کا مثالِ انگبیں
جمع اُن کے گرد تھے کچھ آریہ کچھ مولوی ۔ بن رہے تھے پادری صاحب مدارِ کفر و دیں
معترض سب ہندی الاصل اور وہ انگلش نژاد ۔ ایک ہم رنگِ فلک اور ایک ہم سنگِ زمیں
آریہ صاحب کبھی کرتے تھے اُن پر اعتراض ۔ مولوی صاحب کبھی ہوتے تھے اُن پر نکتہ چیں
اعتراض اِس کا درشت اور نکتہ چینی اُس کی سخت ۔ یہ مجسم خشم و قہر اور وہ سراپا بغض و کیں
ایک کہتا تھا کہ بھارت کو کیا تو نے بھرشٹ ۔ ایک کہتا تھا فرِ دجّال ہے تو اے لعیں
خندہ پیشانی سے سُنتے تھے وہ سب کے اعتراض ۔ گالیاں کھا کر بھی ابرو پر نہ لاتے تھے وہ چیں
دیکھ کر یہ شیوہ اُن کا جس نے میری آنکھ میں ۔ کھینچ دی تصویر خلقِ رحمۃ للعالمیں
میں ہُوا اپنوں کی حالت پہ نہایت ہی ملول ۔ اور کہی غیروں کو میں نے بے تامل آفریں
پادری صاحب کی خدمت میں یہ میں نے عرض کی ۔ اے جنابِ عیسیٰ مریم کی ملت کے امیں
آپ کے اخلاق کی وسعت ہے، دامن گیرِ دل ۔ آپ کا طرزِ عمل ہے دل پسند و دل نشیں
قاضی الحاجات کی بھی ہے عنایت آپ پر ۔ آپ کی جیبیں ہمیشہ کھنکھناتی ہی رہیں

آپ کے ہاتھوں سے جب پایا کسی نے اصطباغ
کچھ دنوں سیم اور زر کے مینہ کی جھڑیاں لگ گئیں

ڈھنگ جیسے دل لبھانے کے ہیں معلوم آپ کو
اُن سے واقف کوئی بھی دُنیا کے پردہ پر نہیں

آپ کی داڑھی سے جو عقدہ نہ ہو سکتا ہو حل
کھول دیتی ہے کسی لیڈی کی زلفِ عنبریں

ہم نوا ہیں آپ کی تبلیغ دیں میں وہ مسیں
پھول کے مانند کھل کر بھی جو کلیاں ہی رہیں

دیکھ کر جن کی ادا ہے خارج از امکاں یہ بات
کھو نہ بیٹھیں مولوی صاحب بھی دل کے ساتھ دیں

آپ کو حاصل حکومت کی بھی ہیں آسانیاں
ہیں مسیحی دولتیں ساری کلیسا کی معیں!

حُسن کی دولت کی اور طاقت کی تینوں دیویاں
جُھک کے دہلیزِ کلیسا پر رگڑتی ہیں جبیں!

جب یہ سب کچھ ہے تو پھر کیوں ساری دُنیا میں نظر
ہم کو لہراتا علم تثلیث کا آتا نہیں

کس لئے ویران ہو جاتی نہیں ہیں مسجدیں
چشتیوں میں پھیلتا جاتا ہے کیوں دینِ مبیں!

مندروں میں سنکھ کیوں بجتا ہُوا سنتے ہیں ہم
بُت پرستوں کو مسیحیت سے کیوں اُلفت نہیں

میری یہ باتیں اُسی اپنی خوش اخلاقی کے ساتھ
کان دھر کر پادری صاحب نے آخر تک سُنیں

جو جواب ان ساری باتوں کا مگر مجھ کو ملا
اُس نے میرے حُسنِ ظن کی دونوں آنکھیں کھولدیں

پادری ہے پادری ہو خواہ وہ پاپائے روم
حضرتِ پاپا ہیں پاپا گرچہ ہوں رُوح الامیں

تمکنت سے پادری صاحب ہوئے یوں درفشاں
افضلیت کا مسیحیت ہے نقشِ اوّلیں

ہیں مطابق فہمِ انسانی کے سب اس کے اصول
علم و حکمت کے قریب اور عقل و دانش کے قریں

کافروں کی شوخیِ طالع اسے سمجھو اگر
آج تک روح القدس کا فیض انہیں پہنچا نہیں

چھوڑ دی اسلام نے ڈھیلی ہوسناکی کی باگ
کوششیں اس کی جبھی تو ایسی بار آور ہوئیں

عرض کی میں نے کہ اے پیٹر کے ڈھانچے کے بروز
مایۂ عار جنابِ عیسیٰ گردوں نشیں

مجھ سے سنیئے کیوں مسیحیت نہیں ہے کامیاب
کیوں مسخر اس نے عالم کو کیا اب تک نہیں

ایشیا کے دل کو قابو میں نہیں کیوں لا سکی
عیسویت کے خطیبوں کی گرفت آہنیں

گورے کالے میں نہیں رکھا ہے فرق اسلام نے
تُل گیا ہے ایک کانٹے میں گروہِ مسلمیں

بھنگیوں کو اس نے رتبہ دے دیا سادات کا
زنگیوں کو کر دیا اُس نے امیر المومنیں

اس اُخوت کا نہیں ملتا نصاریٰ میں سراغ
اس لئے غیروں کو اُلفت اُن کے مذہب سے نہیں

عیسویت کو نہ ہوگی فتح حاصل حشر تک
گر وہ دنیا کو بنائے گی یونہی معیارِ دیں

چراغِ حرم

ثابت جب اپنے آپ کو خیر الامم کیا
ہم نے کیا وہ کام کسی نے جو کم کیا

تیغِ جہاں کشا سے جھکایا سرِ عجم
نوکِ سناں سے گردنِ روما کو خم کیا

گھر گھر میں ہم نے حق کی تجلّی بکھیر دی
روشن گلی گلی میں چراغِ حرم کیا

پہنچا دیا پیامِ خدا ہر دیار میں
ہر ملک میں بلند نبیؐ کا علم کیا

بخشی ہمیں غلامئ سردارِ کائنات
کتنا بڑا خدا نے یہ ہم پر کرم کیا

شانِ اسلام

ہم مسلمان کون ہیں؟
ہم خیرِ امت کون ہیں!

کچھ جانتے بھی ہو ہم نفسو! کس مُلک کے ہم سب افسر ہیں
کس دُرج کے ہم سب گوہر ہیں کس بُرج کے ہم سب افسر ہیں

ہم شانۂ زُلفِ امانت ہیں ہم طُرّۂ رُخِ کہانت ہیں
آبادیٔ بہاوسے آمنہ ہیں ویرانیٔ خانۂ آذر ہیں!

فرزند ہم ابراہیم کے ہیں مستحق اُس تعظیم کے ہیں
پیراستہ جس سے فسانوں میں القابِ جم و اسکندر ہیں

ایمان کے ہم ایما ہوتے ہیں اور جسد ایما ہوتے ہیں
ہم خاکِ درِ پیغمبر ہیں یا سرمۂ دیدۂ سادہ ہیں

صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم فاروقؓ بنے تفریق میں ہم
ایماں طلبی میں بوذر ہیں خیبر شکنی میں صفدر ہیں
ہیں جانِ حیا عثمانؓ کی طرح ہیں آنِ وفا سلمانؓ کی طرح!
اسلام ہے کف ہم خنجر ہیں طاغوت ہے رگ ہم نشتر ہیں
ہم صلِّ لِرَبِّک پڑھتے ہیں پروان اسی سے چڑھتے ہیں
کیونکر نہ عدو سب ابتر ہوں ہم خیرِ کثیر و کوثر ہیں

جہانِ باطن

جس کو اس زلفِ سیہ تاب کا سودا ہوگا
گر بلالؓ حبشی ہے تو وہ دارا ہوگا!

فرش اس کے لیئے بن جائے گا ہم پایۂ عرش
اور ثریٰ میں ہے تو برتر ز ثریا ہوگا

اس کے ہم چشم اسے سمجھیں گے بے شبہ عدیل
اپنے اقران و اماثل میں وہ یکتا ہوگا

اپنے اندر نظر آئے گا اسے ایک جہاں!
اس جہاں پر اسے ہر قسم کا دعویٰ ہوگا

دل میں جلوے اسے فاران کے آئیں گے نظر
اور دماغ اس کے لئے سینۂ سینا ہوگا

شیوۂ مصطفوی سیکھ وگرنہ اسلام
تجھ کو مسلم سببِ نازشِ بے جا ہوگا

خاک چھو کر تمہیں اکسیر بنا آتی ہے
کس کو اس پر نہ زمانے میں اچنبھا ہوگا

کشورِ ہند میں گنگا کے بہانے والو
کہیں اک چشمۂ زمزم بھی اُبلتا ہوگا

مسلمان کا مرتبہ

اے مسلمان جواب آپ ہی اپنا ہے تو
اپنے اللہ کی رحمت کا سراپا ہے تو

جس نے دنیا کو دیا عدل و مساوات کا درس
اس کے احسان کا بہتا ہوا دریا ہے تو

فرش پر پاؤں ہیں اور عرش پہ ہے سر تیرا
علم تاجور یثرب و بطحا ہے تو

تری تلوار کی جھنکار کا دنیا میں ہے شور
حشر اس شور سے کرتا گیا برپا ہے تو

بے پناہوں کیلئے ہے ترے بازو میں پناہ
ناتوانوں کو ہو غم کیا کہ توانا ہے تو

دونوں عالم ترے اک قطرۂ خوں کی قیمت
ہے خدا تیرے لئے کیونکہ خدا کا ہے تو

چومتے ہیں تری دہلیز کو ماہ و خورشید
محفل مشرق و مغرب کا اجالا ہے تو

کشور ہند کے ناموس کو خطرے سے بچا
اے کہ ہنگامۂ توحید کا غوغا ہے تو

زندگی موت سے اسلام نے کی ہے پیدا
اے مسلماں اسی اسلام کا بیٹا ہے تو

احمد

اَسْلَمْتُ پکاروں گا باندازِ براہیم
مسلم ہوں مرا شیوۂ دیرینہ ہے تسلیم

کی ہے مرے ہادی نے مجھے صبر کی تلقین
دی ہے مرے آقا نے رضا کی مجھے تعلیم

جاہل ہو مخاطب تو میں کہتا ہوں سلاماً
بھولا نہیں میں اپنے پیمبر کی یہ تفہیم

دلجوئیِ اغیار مجھے مدِّ نظر ہے
کرتا ہوں میں دُنیا کے سب ادیان کی تکریم

لیکن میں پرستار نہیں خاکِ وطن کا
دیتا نہیں اس بُت کو کسی شکل میں تعظیم

قائل نہیں میں ہند کے اُن فلسفیوں کا
جو ہم کو دلاتے ہیں لقینِ ازرہِ تحکیم

جب تک کہ نہ ہو تابعِ خاکِ وطن ایمان!
اس ملک میں ممکن نہیں اِک قوم کی تنظیم

ایمان تو اِک نُور ہے دِل جس سے ہے روشن
اس نُور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقدیم

میں پہلے مسلمان ہوں بعد اُس کے ہوں کچھ اور
وہ بھی مری تخصیص تو یہ ہے مری تعمیم

ازبسکہ رعیت ہوں میں شاہِ دوسرا کی
بستی ہے مری مشرق و مغرب کی ہر اقلیم

بخشی گئی دنیا بھی ملا دین بھی مجھ کو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اے دینِ مبیں ہند میں درپیش ہے تجھ کو
آج ایک نیا خوف نیا خطرہ نیا بیم

توحید کے فرزند ہیں کفار کی زد میں
اور سب سے بڑا حربہ کافر ہے زر و سیم

ہم کفر کی شب خوں سے ڈرے ہیں نہ ڈریں گے
بڑھتے ہیں جو کفار تو ہم بڑھتے ہیں حسم

مرتا ہوں جو پیاسا بھی تو گنگا و جمن سے
لب تر نہ کرے جرعۂ کوثر و تسنیم

بدلی ہے نہ بدلے گی مسلماں کی فطرت
اللہ کے قانون میں ہوتی نہیں ترمیم

خانۂ خدا کی حضوری

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو
توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک

حاصل ہے حضوری جسے اللہ کے گھر کی
اُس مردِ مسلماں کے ایمان میں کیا شک

(حدیث)

ماه و پروین

خواجۂ ما محمدؐ عربی — نقش خاتم النبیین است
مصطفیؐ ماه و امتش پروین — ماه رونق فزائے پروین است
عرب آغوش عالمے باشد — بستہ دامنش دل و دین است
مسلم از سجدہ گنج ها اندوخت — دولتا و جبین سیمین است
نعمت حق بما شد ارزانی — شرع ما را شعار و آئین است
ہست اسلام خوشترین انجام — خنک آں کس کہ عاقبت بین است
بادہ اش تند و شکر افشاں ہم — شور در جاں فگند و شیرین است
جوشد اندر خمِ حجاز ایں مے — جام ایں مے مگر جہاں بین است
پارہ اش پرورد مراتش را — جرعہ اش ریزش لب جبین است

تو ز نیساں توقعے داری
گوہر ساز کان لیسین است

۱۸؍ نومبر ۱۹۱۷ء

حجتِ حق کا اتمام

مصطفےٰ کو جب ملا پیغام اَکْمَلْتُ لَکُمْ — کُل ہمیشہ کے لئے شمعِ نبوت ہو گئی
آسماں نے حکم کا انعام "حکمت" کو دیا — حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی
مصطفےٰ ہیں گلشنِ توحید مسلم بوئے گل — خود وہ ہیں خیر البشر خیر انؐ کی امت ہو گئی
ماہِ نو کی کیا ضرورت بدرِ کامل کی شبیہ! — عجب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی

پھر یہ ہم سے پوچھتے ہیں آ رہا ہے کیوں عذاب
اللہ اللہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی

---

۱۷ نومبر ۱۹۱۴ء

اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللہِ اَتقٰکُم

گئے وہ دن کہ اکرم کیلئے تھی شرط اتقیٰ کی
شرف سب سے بڑا یہ تھا کہ دل میں حرمتِ دیں ہو

اوامر اور نواہی کا ہو سوتے جاگتے کھٹکا
بغل میں ہو اگر سنت تو مصحف زیرِ بالیں ہو

سب اک تسبیح کے دانے ہوں جس کا رشتہ ہو ایماں
مساوات اور اخوت سب مسلمانوں کا آئیں ہو

بڑے میں اور چھوٹے میں فقط ہو امتیاز اتنا
وہ قلزم ہو یہ جیحوں ہو وہ ہو ماہ اور یہ پرویں ہو

گھرانا ایک ہو ان کا گھر اُن کا ہو جہاں سارا
مراقش ہو عرب ہو ہند ہو ایران ہو چیں ہو

بہ تقلیدِ ہنود اب تو مگر اپنی یہ حالت ہے
کہ اعلیٰ ذات بالا ہو اور ادنیٰ ذات پائیں ہو

یہ پوچھا جا رہا ہے آج کل خدامِ ملت سے
کہ تم ہو ذات کے رانگھڑ نسب کے یا ارائیں ہو

شعوبیت کے سانچے میں ڈھلے جب بت تشتت کا
کہ ہر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی اس لعنت سے تزئیں ہو

تو شتت شملہم کی پھر مساجد میں دعا کیسی
کہیں کافر کے منہ سے ہی بلند اس پر نہ آمیں ہو

داستانِ شیخ

کتھا برہمن کی تو سُن لی ہے تو نے ۔۔۔ ذرا سُن لے اب شیخ کی داستاں بھی
ہم اُس کے ہیں جس نے سکھائی ہیں ہم کو ۔۔۔ جہاں بانیاں بھی جہاں بخشیاں بھی
نہیں اک فقط کعبہ ہی کے نگہباں ۔۔۔ مسلماں ہیں بُت خانہ کے پاسباں بھی
محمدؐ کے ناموس پر کٹ مرے ہم ۔۔۔ فدا اُن کی عزّت پہ دل بھی ہے جاں بھی
مسلماں کی میراث روزِ ازل سے ۔۔۔ اگر باختر ہے تو ہے قیرواں بھی!
عرب بھی ہمارا عجم بھی ہمارا ۔۔۔ ہماری ہی دولت ہے ہندوستاں بھی
خریدیں گے ہندوستاں کو مسلماں ۔۔۔ بِکے خواہ ہستی کی ساری دُکاں بھی!
مسلمان کا خوں بہا کون دے گا! ۔۔۔ کہ اس خوں کی قیمت ہے دونوں جہاں بھی
سُنا لارڈ ارون نے گاندھی کا دوہا ۔۔۔ سنیں اب ہماری غزل خوانیاں بھی
زمیں شورِ تکبیر سے کانپ اُٹھی ۔۔۔ لرزتا ہے اِس نعرہ سے آسماں بھی!

مسلماں کے آغوشِ رحمت میں آجا
اس آغوش میں امن بھی ہے اماں بھی

دوائے بے پرہیز

ہے جستجو دوا کی دلِ دردمند کو ۔۔۔ اور پھر دوا بھی وہ جو ہو پرہیز کے بغیر
بے لطف ہے فسانۂ گل و عندلیب کا ۔۔۔ شیراز و مرو و مشہد و تبریز کے بغیر
سرمایۂ حیات ہے پیرایۂ نشاط ۔۔۔ جینا عبث ہے طبعِ طرب خیز کے بغیر
نثری نثار نثر میں شعری شعار شعر ۔۔۔ لاؤں کہاں سے کلکِ گہر ریز کے بغیر
لوں نامِ مصطفےٰ ہی کہ آتا نہیں قرار ۔۔۔ اِس قصّہ لذیذ و دل آویز کے بغیر
ظلمت ہے زیب نور کہ بزمِ رسُول کی ۔۔۔ رونق نہیں ہے خسروِ پرویز کے بغیر
خمخانۂ حجاز کے مستوں کی زندگی ۔۔۔ بیکار ہے ایاغ مئے تیز کے بغیر
دیوانگی نہ ہو تو یہ فرزانگی نہ ہو ۔۔۔ مُسلِم ہے ہیچ عقل جنوں خیز کے بغیر

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

برکاتِ ماہِ صیام

ہُوا شعبان کل شب ختم اور ماہِ صیام آیا
ازل کی صُبح کا نُور آنکھ میں ہو کر تمام آیا

سعادت کے جلو میں رحمتِ پروردگار آئی
مُسلمانوں کے گھر چل کر خُدا کا لُطفِ عام آیا

فرشتوں نے جگایا فطرتِ آدم کو سوتے سے
حیاتِ جاوداں کا ابنِ آدم کو پیام آیا

درِ مے خانۂ وحدت کے پٹ جبریل نے کھولے
ترستے تھے جسے میخوار گردش میں وہ جام آیا

وہ حکمت عرش سے اُتری زباں پر جس کے صدقے میں
اُخوت اور مساوات اور آزادی کا نام آیا

مُبارک ہیں وہ اِنساں جن کی خاطر اِس مہینے میں
کلام اللہ لے کر دولتِ صلح و سلام آیا

مُسلمانو! یہ موتی رول لو جن کے لٹانے کو
عرب کا اور عجم کا خسروِ عالی مقام آیا

وہ آقا جس کی رحمت نے اگر اپنوں کو ڈھانپا ہے
تو اوقاتِ مُصیبت میں پرایوں کے بھی کام آیا

توکّل

ہے ازبر کُلُوا بھی تجھے وَاشْرَبُوا بھی
کبھی یاد آیا ہے لَا تُسْرِفُوا بھی

جہاں غل مچاتا ہے فَلْیَعْبُدُوا کا
لگا ایک تو نعرۂ جَاہِدُوا بھی

اطاعت اُولِی الْاَمْر کی ہے مُسلّم
اگر اس میں مِنْکُمْ کی ہو جستجو بھی

یہ مانا کہ ہے بے پنہ عدل اُس کا
مگر شانِ رحمت ہے لَا تَقْنَطُوا بھی

وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبْ پر
ہے ایماں تو کرلے توکّل کی خو بھی

ہے ناز اپنی تہذیب پر جن کو اتنا
نہیں آدمیت گئی اُن کو چھو بھی

مباح اُن کے مذہب میں مسکیں کی پونجی
حلال اُن کے مشرب میں اس کا لہو بھی

خدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے
نہ بھولا جو تجھ کو نہ بھول اُس کو تو بھی

مئے باقی

نو بہار است ساقیا برخیز — مئے باقی بجامِ مسلم ریز
ماسوی سے سوا ہو کم جس کا — کیف جس کا ہو روح برق سے تیز
جس میں ہو نشۂ شرابِ حجاز — جس کے پینے میں ہو نہ کچھ پرہیز
جس کی مستی ہیں سامنے آجائیں — مردو شیراز و مشہد و تبریز
ہو گلِ نو دمیدہ روح اُس کی — یا مگر ایک شاہدِ نوخیز
مطرب اک نغمہ نشاط افروز — ساقی اک جرعہ سرور انگیز
نائے دلکش بہ نوحہ فرعون — جامِ نبیش بکوری چنگیز
آگئی باغِ مصطفٰے میں بہار — کیوں نہ میرا قلم بھی ہو گلریز
عطر میں بس رہی ہے آج نسیم — اور شمال و صبا ہیں عنبر بیز
کوکبِ صبح جلوہ ریز ہوا — شب نے کی اختیار راہ گریز
عرش پر ایک پل میں پہنچوں گا — آج جولاں ہے فکر کا شبدیز
نامۂ مصطفٰے ہے اب تک نقش — مٹ گیا نامِ خسرو پرویز

دینِ دولہا ہے اور دُلہن دُنیا — عرش کابین ہے اور فرش جہیز
قطعِ جنّت کی راہ ہوتی ہے! — علم توسن ہے اور عمل مہمیز
عارض وَالضُّحٰی وثیقہ مرا — زُلف وَاللَّیْل میری دستاویز

صلح اسلام سے ہوئی جس کی
اُس سے کیا کر سکے گا چرخِ ستیز

فخر و ننگ

میں اپنی قوتوں کو اگر منتظم کروں
گردونِ خیرہ چشم کی گردن کو خم کروں

اعلائے حق سے لشکرِ باطل کو دوں شکست
اعدائے حق کو عرصۂ تیغِ دو دم کروں

ٹوٹے طلسمِ شرک ھو اللہ کا نشاں
آئینہ اَنَا پہ اگر مرتسم کروں

اِک بات میں شریف گرے ساتھ لات کے
میں سر کے بل جو عزمِ طوافِ حرم کروں

لکھوں اگر خلافتِ عظمیٰ کی داستاں
ہر ہر ورق کو رشکِ صحنِ ارم کروں

گاندھی خود آئے چل کے محمد علی کے گھر
پڑھ کر اگر میں سورۂ اخلاص دم کروں

ہے امرِ خواجہ دوسرا آخرجوا الیہود
سارا جہاں ہو پاک جو میں خس کو کم کروں

ہو غلغلہ لقد صدق اللہ کا بلند
فتحِ قریب کی جو بشارت رقم کروں

پہلا سبق ملا ہے الف لام میم کا
پھر کیا ضرور ہے کہ میں شرحِ الم کروں

یارب ترے کرم سے شکایت ہو کیا مجھے
میں جانِ ناتواں پہ جو خود ہی ستم کروں

بٹہ لگاؤں آپ اب وجد کے نام کو اپنی غرض کو کفر کے مقصد میں ضم کروں
اپنوں سے تاج چھین کر دے دوں پرائے کو برطانیہ کی نذر عرب اور عجم کروں
اپنا گلا بھی کاٹ لوں اپنے ہی ہاتھ سے پھر مرثیہ بھی آپ ہی اپنا رقم کروں

ہے میری ذلتوں کا یہ مضمون بہت وسیع
وسعت کہاں کہ اس کو سپردِ قلم کروں

عبرت

وہ اُمت جو دنیا میں خیرالامم تھی
ارادہ تھا جس کا خُدا کی مشیئت

ہٹی ہند میں اپنے مرکز سے ایسی
کہ آج اس کا مذہب ہے لامرکزیت

نہ خوفِ خُدا ہے نہ شرمِ پیمبرؐ
شریعت ہے بازیچۂ فضویت

بنایا تھا حیواں کو جس نے اِنساں
اس اُمت سے خود گم ہوئی آدمیت

نہ دُنیا کی رفتار کا علم ہم کو
نہ اسرارِ دیں سے ہمیں واقفیت

جسے بارہا کرچکے خس بدنداں
ہے اب ہم پہ بھاری وہی اکثریت

پرایوں سے پہنچا نہیں رنج اتنا
ملی ہم کو اپنوں سے جتنی اذیت

بدل جائیں جب خود طریقے ہمارے
تو پھر کیوں نہ بدلے حریفوں کی نیت

۲۹ر جنوری ۱۹۲۹ء

کانپور

یہ مقناطیس کی دعوت تھی آہن کیسے رد کرتا
میں کلکتہ سے رخصت ہو کے سیدھا کانپور آیا

نظر آئے رضا کارانِ نیلی پوش صف در صف
مرے دل میں سرور اترا مری آنکھوں میں نور آیا

سنائی داستاں لاہور اور اُس کے شہیدوں کی
تو میری پیشوائی کے لئے شورِ نشور آیا

سیہ مستی کی دیتا ہوں صلا رندانِ مشرق کو
خمستانِ عرب کے نشہ میں ہو کر میں چور آیا

کیا افسانہ دنیا کا سپرد خامہ جب میں نے
تو افسوں دینِ قیّم کا نظر بین السطور آیا

مسلمانوں کی جمعیت سے ٹکرانا نہیں آساں
وہ ٹکرائیں تو سمجھو اُن کی عقلوں میں فتور آیا

خدا کی حمد، پیغمبر کی مدح، اسلام کے قصے
مرے مضموں میں جب سے شعر کہنے کا شعور آیا

کانپور ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
میں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کا زیر دستوں کو
حریفِ رستم دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
میں کانگرس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اُس کی سُرخی کو
میں غازۂ رُخِ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

وہ مشکلیں جنہیں حل جبر کر نہیں سکتا!
بزورِ صبر اُنہیں آساں بنا کے چھوڑوں گا

سنٹرل جیل لاہور

۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء

حنفیت

وہ اگلے زمانے کے مسلمان کہاں ہیں
اسلام کی عزّت کے نگہبان کہاں ہیں

جو چھوٹ نہ سکتا تھا وہ سر رشتہ ہُوا کیا
جو ٹوٹ نہ سکتے تھے وہ پیمان کہاں ہیں!

وہ آنکھ کدھر ہے جسے کہتے تھے جہاں بیں
حق بات جو سُن لیتے تھے وہ کان کہاں ہیں

جھکتی تھیں جہاں قیصر و کسریٰ کی جبینیں
اُس قصرِ فلک بوس کے دربان کہاں ہیں

جو چھین لیا کرتے تھے اعدا کے دلوں کو
یاروں کے وہ اخلاق وہ احسان کہاں ہیں

پڑ جائے ابھی زلزلہ آفاق میں لیکن
ابرو پہ شکن پڑنے کے سامان کہاں ہیں

ظالم کی بدی کی بھی ہُوئی تھی جو روادار
رحمت بھری اُس فقہ کے عنوان کہاں ہیں

مُنہ پر حنفیت ہے مگر دل میں خرافات
تقلید کریں جن کی وہ نعمان کہاں ہیں

۱۶ر دسمبر ۱۹۲۶ء

زہر اور اس کا تریاق

کسو گے تم نہ جب تک بیچ پرزے شرع کی کل کے
شکنجہ مغربی تہذیب کا ڈھیلا نہیں ہوگا

خروشِ کفر تھم سکتا نہیں گردیں کے حلقوں میں
سرودِ رتّلِ القرآن ترتیلا نہیں ہوگا

مسلماں تھام لیں گے جب رسول اللہ کا دامن
مؤثّر کافروں کا کوئی بھی حیلہ نہیں ہوگا

ڈسیں گے پھر بھی یہ افعی کہ ڈسنا اُن کی فطرت ہے
مگر اس وقت اُن کا ڈنک زہریلا نہیں ہوگا

شجر اسلام کا پھولا پھلا ہوگا خزاں میں بھی
کوئی برگ اس درخت سبز کا پیلا نہیں ہوگا

نعرۂ اسلام

یہ نظم مُسلم رضاکارانِ خلافت پشاور کے لئے لکھی گئی اور اُنہیں یاد کرائی گئی تاکہ وہ علی الصباح اسے گلی کوچوں میں گاتے پھریں اور مُسلمانوں کو نماز کی دعوت دیں۔

علی الصباح خُدا کو پکارلے مُسلم
نکل کے گھر سے رہ کوئے یار لے مسلم

پڑے جو کان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا شور
خُدا کے گھر ہی میں جا کر قرار لے مسلم

اُتار پردۂ غفلت کو اپنی آنکھوں سے
اور اُٹھ کے عاقبت اپنی سنوار لے مسلم

ہے چند روز کی یہ زندگی غنیمت جان
خُدا کی یاد میں اُس کو گذار لے مسلم

نماز فرض ہے اس فرض سے نہ ہو غافل
بڑا یہ قرض ہے اُس کو اُتار لے مسلم

ہے سُلطنت کی تمنّا تو ایک سجدہ میں
عراق و ہند و حجاز و تتار لے مُسلم

۲۸ر فروری ۱۹۲۵ء

اِسلام کی لوری اپنے بچوں کو

میں ترے واسطے پیغامِ بقا لایا ہوں
اور اُسے کشتیِ ایماں میں لگا لایا ہوں

میں ترے سر کے لئے گنبدِ خضرا جا کر
کلہِ سایۂ شاہِ دوسرا لایا ہوں

تیری تاریخ کے اوراق کی زینت کے لئے
بدر سے سرخیِ خونِ شہدا لایا ہوں

احتیاطاً ترے لشکر کی کمک کے لئے میں
عرشِ اعظم سے فرشتوں کو بُلا لایا ہوں

موجِ توحید کی طغیانیوں میں کُفر کا ڈھیر
خس و خاشاک کی مانند بہا لایا ہوں

قادیاں کے لئے لایا ہوں فنا کا پیغام
اور ترے واسطے فرمانِ بقا لایا ہوں

لاہور
۴ر نومبر ۱۹۳۱ء

اِسلام کے کرشمے

اَب نمایاں ہیں جو کچھ کچھ ہم میں آثارِ حیات
یہ مسیحائی کرشمے ہیں فقط اسلام کے

ہو گئے تھے کعبہ میں جس طرح سب بُت سرنگوں
یُوں ہی جُھک جانے کو ہیں کاشی میں اصنام کے

قلعہ ہو جانے کو ہے طاغوتیوں کا پاش پاش
ٹوٹنے والے ہیں کچھ دن میں طلسم اوہام کے

کُفر کا سر بدر میں جس نے کیا تن سے جُدا
کھل رہے ہیں جوہر اُس شمشیرِ خون آشام کے

فرض اُولیٰ وَاصْبِرُوْا ہے فرضِ اخریٰ فَاقْتُلُوْا
بند دروازے ہوں جب تفہیم اور افہام کے

دشمنانِ دینِ حق کی گالیوں کا کیا جواب
کیونکہ ہم مُسلم ہیں اور خوگر نہیں دشنام کے

خواجۂ یثرب کے حُسنِ خلق کا اعجاز دیکھ
دشمنانِ حق بھی ٹھہرے مستحق اِنعام کے

گالیاں دیتے تھے کافر آپ دیتے تھے دعا
تھے یہ انداز آیۂ رحمت کے لطفِ عام کے

آج پھر روشن نظر آنے لگی پہلے کی طرح
ملّتِ بیضا تلے اِس چرخِ نیلی فام کے

جس کی گردش مُدتوں دُنیا کو چکراتی رہی
ہم ہیں اب چھلکانے والے اُس جہاں بیں جام کے

رشتہ بندوں سے کیا جس نے خُدا کا استوار
ہم سُنانے والے ہیں اُس آخری پیغام کے

تخت و تاج ہند پر بھی ہے مُسلمانوں کا حق
ہم نہیں وارث فقط روم و عراق و شام کے

کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا کے معنی ہیں یہی!
مُلک مِلک اُن کی ہے جو بندے ہوئے اسلام کے

صراطِ مستقیم

لاکھ قرآن کے مقابلہ میں
مدعی لائے ژند اور پاژند

سچ وہی ہے جو ہے رسُول کا قول
حق وہی ہے جو ہے خُدا کو پسند

یہی وہ راہِ راست ہے جس سے
کبھی بھٹکے نہیں سعادت مند

گرچہ باطل پرست چاہتے ہیں
اِن کو پہنچائیں ہر طرح کے گزند

پست لیکن وہ ہو نہیں سکتے
مرتبے جن کے ہیں ازل سے بلند

نہیں بھُولا میں قول سعدیؒ کا
شور بختاں بہ آرزو خواہند

مقبلاں را زوال نعمت و جاہ

۸ ارجنوری ۱۹۲۹ء

اِسلام کی شہنائی

ہیں نوا ریز آج بھی کانوں میں وہ شہنائیاں
جن سے گونجی تھیں کبھی آفاق کی پہنائیاں

آج بھی لاتی ہیں جا کر عرشِ اعظم کی خبر
نعرۂ اللہ اکبر کی فلک پیمائیاں

آج بھی آنکھوں میں ہیں اِسلام کی دہلیز پر
اُمتِ عیسیٰ کی نخوت کی جبیں فرسائیاں

حسنِ اُمتِ مسلم یزیل ہے چھن رہی ہیں آج بھی
اس کی قامت سے شبابِ فتنہ کی رعنائیاں

نقش ہیں ہندوستاں کی طرح جاں پر آج بھی
ملتِ بیضا کی محفل کی نگار آرائیاں

رہنما گم کردہ رہ ہیں ورنہ رہرو بھاند جائیں
آج بھی جبرالٹر جیسی ہزاروں کھائیاں!

پاک قصہ ہو پرایوں کے ستم کا آج اگر
کار فرما ہوں نہ اپنوں کی کرم فرمائیاں

ربِ اکبر سے ہو گر پیماں ہمارا استوار
پھر وہی گیرائیاں ہیں اور وہی دارائیاں

سنٹرل جیل لاہور

۶ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء

اسلامی روایات

۱۹۴۶

اِنسان کی آزادی کا اِسلامی تصوّر

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

عمرو ابن العاص کے بیٹے نے مارا بے خطا
مصر کے بازار میں اک قبطیٔ ناشاد کو

اپنے گھر کی سلطنت تھی مدعی تھا غیر نسل
ضعف جس کا دے رہا تھا دعوتِ استبداد کو

کوئی طاقت دستگیری اُس کی کر سکتی نہ تھی!
قیصر و پاپا بھی آ سکتے نہ تھے امداد کو!

ہاں مگر وہ عدل کا پیکر کہ اُس کے عہد میں
سر چھُپانے کی جگہ ملتی نہ تھی بیداد کو

جس کی نظروں میں مسیحی اور مُسلم ایک تھے
جس نے قرباں کر دیا ایمان پر اولاد کو

جلوہ گر تھا تمکنت سے مسندِ اسلام پہ
سُن رہا تھا قبطیٔ مظلوم کی فریاد کو

مدعی سے آپ نے مُلزم کو پٹوا کر وہیں
کر دیا پھر استوار انصاف کی بنیاد کو

جو نصیحت کی مُسلمانوں کو اُس وقت آپ نے
درسِ عبرت ہے وہ اِس دورِ ستم ایجاد کو

لوحِ دل پر نقش ہے فاروقِ اعظمؓ کا یہ قول! — ہم نہ بھولیں گے کبھی اس آپ کے ارشاد کو
آدمی پیدا ہوا آزاد ماں کے پیٹ سے — کب سے تم لوگوں نے سمجھا ہے غلام آزاد کو
کاش یورپ جانے کوئی نکتہ ور اور یہ سبق
اُٹھ کے دے تہذیبِ انسانی کے اس استاد کو

اخلاقِ مرتضویؓ

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی — ہوا جنگ آزما شیرِ خدا سے
نہ تھا اس رمز سے شاید وہ آگاہ — کہ یہ کشتی وہ لڑتا ہے قضا سے
جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن — وہی الجھے علیؓ مرتضےٰ سے
ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں — علیؓ کے زورِ مرحب آزما سے
زمیں پر آ رہا گرتا ہے جس طرح! — خزاں کا آخری پتہ ہوا سے
کھڑی تھی موت اس کے سر پہ اس وقت — نہ تھا اس کو مفر سیلِ فنا سے
برنگِ ذوالفقار اس کے لہو کے — نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے
یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز — نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے
مقابل چاند تھا تھوکا اسی پر — طبیعت کے پرانے اقتضا سے
کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت — اسی حیلے دلِ کفر آشنا سے
یہ گستاخانہ اور بے ہودہ حرکت — جونہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے
معاً روکا علیؓ نے ہاتھ اپنا — وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے
کیا خوں بھی معاف اور یہ خطا بھی — مئے احساں سے تھے لبریز کاسے
جرائم سے نوازش کچھ سوا تھی — عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے

یہودی بن گیا تصویرِ حیرت
امیر المومنیں کی اس ادا سے

لگا کہنے کہ اے سردارِ ذی جاہ
یہ سب کچھ کیوں ہے اور کس مدعا سے

مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا
مرے مغلوب ہونے کی سزا سے

کیا کیوں میری اس حرکت سے اغماض
جو ہے مذموم بڑھکر انتہا سے

مکافاتِ عمل کا یہ تصوّر
ہے بالاتر مری فکر رسا سے

جواب اِس نکتۂ باریک کا یوں
ملا اُس کو لبِ مشکلکشا سے

جو سچ پوچھے تو غصّہ آگیا تھا
مجھے اِس تیرے فعلِ ناروا سے

مگر یہ غصّہ رکھتا تھا تعلق!
فقط میرے ہی نفسِ فتنہ زا سے

میں اس حالت میں تجھ کو قتل کرتا
تو ہوتا سرخرو کیونکر خُدا سے

کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں اس میں
غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے

یہودی سُن چکا اچھی طرح جب
یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے

پکار اُٹھا کہ ہے اسلام سچّا
ہے دُنیا قایم اس دینِ ہُدی سے

تہی داماں رہا ہوں آج تک میں
چنوں گا پھول اب اس بوستاں سرا سے

مرا گھر شعلہ زارِ طور ہوگا
اب اس شمع فروزاں کی ضیا سے

نہ سرتابی کروں گا آج کے بعد
خُدا سے اور محمّد مصطفےٰ سے

فسطاط

مصر کا عمرو بن العاص نے جب عزم کیا — نصرتِ حق کا ملک لائے فلک سے پیغام

فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن قائدِ فوج — یا ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہِ تمام

جھومتی آتی ہے مستانہ عمرؓ کی تدبیر — چومتی جاتی ہے تقدیر رکابِ اسلام

لانے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں — بات میں جاکے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام

اُن کے اندازہ میں تھی مصر کی دولت کیا چیز — جن کی صولت سے ہُوا فیصلۂ قسمتِ شام

نیل پر جاکے غرض ڈال دیا دیں نے پڑاؤ — نصب کچھ دُور ہوئے ریت میں لشکر کے خیام

پہلے ہی دن ہوئے اس راز سے قبطی آگاہ — مصر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مُسلم ناکام

مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی لیکن — آچکا تھا نظر آغاز میں اس کا انجام

جنگ اور اس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی — کہ ہیلیوں کو جُدا ہوگئے شمشیر و نیام

معرکہ جب یہ ہُوا سر تو دیا عمروؓ نے حکم — کہ اب آگے بڑھیں رایاتِ سعادت فرجام

عمروؓ سے آکے یہ خادم نے کہا خیمہ میں — آشیاں بند کئی روز سے ہے ایک حمام

انڈے بچے بھی کبوتر کے ہیں اس گھونسلہ میں — لاکے چوگا وہ کھلاتا ہے انہیں صبح و شام

حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اُکھاڑ
لد چکے دیر کے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام

عمرو نے سُن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا
کر دیا خیمہ یہ مَیں نے کبوتر ہی کے نام

میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے
میرے آرام پہ ہے اس کا مقدم آرام

شہر اک اِسلام نے آباد کیا پُر رونق
تھا کبوتر کا جہاں عمرو کے خیمہ میں قیام

خیمہ کے واسطے نام عربی ہے فسطاط
پڑ گیا اس لئے فسطاط ہی اِس شہر کا نام

جان فدا اُس چمن آرائے حجازی پہ مری
جس کے اِخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام

ہو کبوتر سے جب اِسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لئے رحمتِ عام

---

۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء

ہرمزان

وہ تیغ جس کی چمک برق طور کے مانند — بنی تھی روشنیٔ دیدۂ جہاں کے لئے!
چلائی سعد نے جب قادسیہ میں آکر — تو قاسیوں نے قدم آکے تیغ ران کے لئے
اس ایک فتح نے ایران کو کیا تسخیر — رہی نہ کوئی کمی دودۂ کیاں کے لئے
مقاومت کے دکھائے عدو نے گو جوہر — یہ فخر وقف تھا بازوئے ہرمزاں کے لئے
گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت — کہ تھا وہ منتظر اس گنج شائیگاں کے لئے
تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا — بلا یہ ایک ہے اسلامیوں کی جاں کے لئے
ہوا جناب عمرؓ کا یہ فیصلہ اس پر — سزائے موت ہے اس دشمنِ اماں کے لئے
یہ ہرمزاں نے کہا پہلے قتل سے پانی — پلاؤ مجھ کو خداوند انس و جاں کے لئے
دیا گیا جب اسے آب خوردہ پانی کا — تامل اُس نے کیا شاید امتحاں کے لئے
تشفی اُس کو جناب عمرؓ نے دی اس طرح — زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لئے
نہ تیرے حلق سے جب تک اُتر لے یہ پانی — حرام خوں ہے ترا خنجر رواں کے لئے

پٹک کے اُس نے پیالہ کہا کہ خوف ہے اب
ملی نجات مجھے عمرِ جاوداں کے لئے

امان مل گئی مجھ کو ہے فرض عہد کا پاس
حریم احمدِ مُرسل کے پاسباں کے لئے

فدا یہ جانِ گرامی ہو دینِ احمد پر
بنا ہے آج سے اسلام ہر مزاں کے لئے

۸ر دسمبر ۱۹۱۶ء

آہ فاطمہؓ کا انجام

مسلمانوں کے دل میں جذبۂ اسلام باقی ہے
قدح خواروں کے خم میں بادۂ گلفام باقی ہے

رسول اللہ نہ ہوں قرآن تو بیدار ہے اب بھی
نہیں گر خم ہمیں کیا غم کہ جم کا جام باقی ہے

یزیدی اور زیادی یاد بھی آتے نہیں ہم کو
مگر اب تک حسین ابن علی کا نام باقی ہے

وہ من تقتل کی سرخی ہے حدیث نامۂ جاں پر
خدا کی طرح اس کا آخری پیغام باقی ہے

سبق اس نے دیا ہم کو حیاتِ جاودانی کا
جنابِ فاطمہؓ کی آہ کا انجام باقی ہے

سناں پر گرچہ اس کا سر نشانِ حجتِ حق تھا
مگر اس حجتِ حق کا ابھی اتمام باقی ہے

زمانہ آئے گا کب یو فیون کی صبح انور کا
ابھی تک کربلا میں کوفیوں کی شام باقی ہے

ہماری آنکھ کے آنسو بنیں گے تاج کے موتی
ابھی تک پختہ مغزوں کی یہ حرص خام باقی ہے

حسینؓ ابن علیؓ کے قتل کا مطلب نہ ہم سمجھے
یہ ہم پر آج تک اسلام کا الزام باقی ہے

نہ ہو کچھ نام سے مطلب فقط ہو کام سے مطلب
بقول اقبال کے اسلامیوں کا کام باقی ہے

۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء

قتلِ حسینؑ

تڑپاتی ہے پھر یاد امام الشہدا کی
بے تاب ہے ہر ذرہ مدینہ کی گلی کا!

آنکھوں میں جو آنسو تھے وہ پہلے ہی ہوئے خشک
کیا نوحہ کرے کوئی حسینؑ ابنِ علیؓ کا

خاک اُڑ گئی کوفہ کی زمانہ کی فضا میں
خوں کر کے محمدؐ کے گلستاں کی کلی کا

معدومیٔ باطل کی ہے مظلومیٔ حق شرح
یہ فیصلہ ہے بارگہِ لم یزلی کا!

ہیں زندہ ابھی تک حسنؑ اور حسینؑ
لاتی کا پتہ ہے نہ نشاں ہے ہبلی کا

سرمایہ ہے خونِ شہدا روزِ ازل سے
منشورِ بلْ اَحیاءٌ کے عنوان جلی کا

اللہ کے رستے میں کٹاتے ہیں جو گردن
ضامن ہے وہ خود اُن کی بُری اور بھلی کا

ہے معرکۂ کرب و بلا ہند میں بھی گرم
سر دو کہ ملے مرتبہ تم کو بھی ولی کا!

رونے میں بھی حکمت ہے مگر وہ نظری ہے
جاں دو کہ یہ وقت اس کی ہے شانِ عملی کا

۸ر جولائی ۱۹۲۶ء

علامہ احمد بن نصر محدث بغدادی کی شہادت

تھا پختہ یہ واثق کا عقیدہ کہ ہر اک شخص!
گردن زدنی ہے جو نہیں معتزلی ہے

احمدؒ کی یہ حجت تھی کہ قرآں نہیں مخلوق
تصنیف مصنف کی طرح لم یزلی ہے

شایاں نہیں مومن کو کہ ہو منکرِ رویت
ایماں کی یہ تفسیر بعنوانِ جلی ہے

اس کلمۂ حق پر اُنہیں ہونا تھا ہوئے قتل
تقدیر یونہی تھی جو ٹلے گی نہ ٹلی ہے

سر قطع پہ لوٹا تو فرشتوں نے یہ سمجھا
شاید یہ کوئی روضۂ رضواں کی کلی ہے

حوروں نے لیا تھام تو تھا لاش کا یہ رنگ
گویا کہ ابھی نور کے سانچے میں ڈھلی ہے

احمدؒ کا لہو آج بھی دیتا ہے شہادت
قرآں کی ہر آیت ابدی ہے ازلی ہے

ہے سُنتِ اسلام اسی خُون کی سُرخی
یہ فصل اسی خون سے پھُولی ہے پھلی ہے

شانِ اورنگ زیب

ہزاروں دولتوں کا اُڑ چکا ہوگا غبار اب تک
مگر ہے شانِ عالمگیرِ اعظم برقرار اب تک!

قدم پہنچے ہیں بیگانوں کے خود اکبر کی تربت پر
نہیں روندا گیا اُن سے مگر اس کا مزار اب تک

وہ سویا بھی تو اپنے سایۂ دیوار کے نیچے!
ہے خود اپنی ہی گھر کی دولت اسکی پردہ دار اب تک

سُنی جاتی ہے للکار اس کے چاؤشوں کی رستوں میں
گذرگاہوں میں ہے اُس کے نقیبوں کی پکار اب تک

ابھی تک اس کی چوکھٹ پر جبیں سا اس کی حشمت ہے
بجا لاتے ہیں آداب اُس کو اُس کے صوبہ دار اب تک

اک آنے والی اسلامی حکومت کے تصور میں
لحد میں بھی کھلی ہے اُس کی چشمِ انتظار اب تک

وہی ہے اُس کی دارائی وہی اُس کی سُلیمانی
کہ یاد اُس کی دلاتا ہے دکن کا شہریار اب تک

ماں باپ کا ادب

اِک دن نبیؐ نے حلقۂ احباب میں یہ لفظ
دہرائے تین بار کہ "ناک اُس کی کٹ گئی"!
اصحاب نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے
توقیر جس کی حضرت باری میں گھٹ گئی
اِرشاد یوں ہُوا کہ وہ فرزندِ ناخلف
گھر جس کے جنت آئی اور آکر پلٹ گئی

ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اُس نا سعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

(حدیث)

اعظم الجہاد

بے لاگ بات بال برابر لگی نہ رکھ
فرما گئے ہیں حضرتِ خیر البشرؐ یہی
اظہارِ امرِ حق میں نہ ہو خوف دار و گیر
ہے اعظم الجہاد بحکمِ خبر یہی!

(حدیث)

حسینؑ ابن علیؓ

شریف مکہ

اِک وہ بھی حسین ابن علی تھا کہ سر اُس نے
مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا!

خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں
دُنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا

تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل
باطل کے اُس انبوہ نے اُس کو نہ ڈرایا

اسلام کی حرمت پہ امام الشہدا نے
سر شمر کے خنجر سے بصد شوق کٹایا

دیکھا جو یہ سر نوکِ سناں پر تو فرشتے
سمجھے کہ سوا نیزے پہ سورج اُتر آیا

مِٹنے نہ دیا نقشِ روایاتِ پیمبرؐ
خود اپنے تئیں سبطِ پیمبرؐ نے مٹایا

اِک تو بھی حسینؑ ابن علیؓ ہے کہ ترا ہاتھ
اُس ہاتھ میں ہے جس نے گھر اسلام کا ڈھایا

نسبت ہے ترے نام کو بھی آلِ عبا سے
تُو نے مگر اُس نام کو خود بٹہ لگایا

برباد ہوئی خود تری کوشش سے وہ بستی
جس کو ترے اسلاف کی ہمت نے بسایا

کل تک عرب آزاد تھے لیکن ہیں غلام آج
راعی کو رعایا ترے ہاتھوں نے بنایا

ہیں کعبہ کی دہلیز پہ جس خون کے چھینٹے
خود صحنِ حرم میں ترے خنجر نے بہایا

شام اور عراق اور فلسطین کے اندر
جو فتنہ ہے برپا اُسے تو نے ہی جگایا

پیوند عرب تیری ہی مقراض جفا نے
دامانِ اناطولیہ سے قطع کرایا

تو مر نہ گیا کس لئے اُس وقت سے پہلے
تثلیث نے جب پرچم توحید گرایا

اس پر ہے یہ خواہش بھی کہ مِل جائے خلافت
فیصل ہوں ترے ہاتھ سے اُمت کے قضایا

خفاش سیہ روز ہو خورشید کا ہم چشم
اندھیر یہ کیسا ہے زمانے میں خدایا

ایمان کی شناخت

رکھ لی زباں نے اس دلِ فسق آشنا کی شرم
علم اس کے وسوسوں کا اگر ہے خدا کو ہے!
یہ واردات قلب صحابِ کبار کی!
سُن کر کہا نبیؐ نے کہ ایماں یہی تو ہے

(حدیث)

فلسفۂ شہادت امام عالی مقام

کیوں ماتم حسینؑ میں یہ شور و شین ہے
کیوں گریۂ بکا کے لئے ہے یہ بند و بست

خونِ نابہ بار کس لئے ہے آنکھ آپ کی
کیوں ہمت آپ کرتے ہیں اسلامیوں کی پست

کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے
قربان ہو گیا رہِ دیں میں وہ حق پرست

تم کربلا کی خاک اُڑاتے رہو مگر
ہم خوش ہیں دی حسینؑ نے طاغوت کو شکست

آوازۂ خلیل ز بنیادِ کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ بآتش نکو نشست

---

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء

سنّتِ حسین رض

قتلِ احمد گل قافلہ سالارِ مہاجرین

فضائے قدس کے اندر مچا ہوا ہے یہ غل — خدا کی راہ میں مارا گیا ہے احمد گل

ہے اس کے خون کی قیمت تمام ارضِ فرنگ — اور اس کی جان کا فدیہ ہے کائنات یہ کل!

یہ خون وہ ہے ہوا جس سے سرخرو اسلام — یہ جان وہ ہے جو ہے یادگارِ ختمِ رسل

شہید ہو کے وہ فردوس کو چلا جس وقت — تو لائے اس کی سواری کو مرتضےٰ دُلدُل

یہ اس کے قتل کی تاریخ رو کے ہاتف نے
کہی کہ "آج ہوا ہے چراغِ احمد گل"

۱۳۳۸ھ

۱۴ر جولائی ۱۹۲۰ء

مفتی محبوب علی شہید رض

تیرے خوں نے جس سے دہلی کی زمیں ہے لالہ رنگ
ہند میں اسلام کو بخشی حیاتِ تازہ ہے

کُفر کے حق میں ہے طوفانِ نوح کا اس کا بہاؤ
اس کی سُرخی ملتِ بیضا کے رُخ کا غازہ ہے

کلمہ پڑھتا تھا نبیؐ کا اس لئے مارا گیا
تیری مظلومی کا فرش و عرش میں آوازہ ہے

خنجرِ قاتل کلیدِ قفلِ جنّت بن گیا
کھل گیا تیرے لئے فردوس کا دروازہ ہے

اینٹ پتھر لٹھ سبھی چلنے لگے ہیں آج کل!
سنگھٹینوں کے جنوں کا جوش بے اندازہ ہے

ہر طرف سے ہے مسلمانوں پہ اعدا کا ہجوم
جانتے ہیں منتشر اس قوم کا شیرازہ ہے

منزلِ مقصود پر آخر پہنچ ہی جائے گا!
مصطفےٰ جس کے حدی خواں ہیں یہ وہ جنّازہ ہے

۱۰ر فروری ۱۹۲۷ء

پیغامِ بقا

بیادِ الٰہی بخش شہید رحمتہ اللہ علیہ

مے کشو! مژدہ! کہ یثرب کی شراب گلرنگ
ہو کے کشمیر کی بھٹی سے کشید آتی ہے!

منتظر حلقۂ توحید تھا جس ساعت کا
خوش ہو لاہور کہ ساعت وہ سعید آتی ہے

اسی خطہ سے جو کل تک تھا غلامی کا نقیب
آج آزادیِ کامل کی نوید آتی ہے!

قاصدِ احرار کا چنیوٹ گیا خط لے کر
کاغذِ سُرخ پہ اس خط کی رسید آتی ہے

کچھ بھی ڈر ملتِ بیضا کو فنا کا نہ رہا
لے کے پیغامِ بقا نعشِ شہید آتی ہے

لاہور

۳ نومبر ۱۹۳۱ء

بیادِ میراں بخش شہید علیہ الرحمۃ

یہ نغمہ جوش سے گاتا ہُوا سروش آیا — کہ مے کشوں کے لیے عہدِ ناو نوش آیا

قبائے دولتِ اسلام جس سے رنگیں تھی — پھر اک زمانہ کے بعد اُس لہو میں جوش آیا!

حسین و بدر سما جائیں گے پھر آنکھوں میں — وہ دیکھ! لشکرِ احرار سرفروش آیا

سیالکوٹ میں باندھے ہوئے کفن سر سے — نظر ہر ایک مُسلمان سُرخ پوش آیا!

ہزار سلطنتیں صدقے اُس مجاہد کے — غزا کے واسطے جو عاقبت بدوش آیا

یہ کس کے خون کے چھینٹے کرشمہ سنج ہوئے
کہ ایک قرن کے سوئے ہوؤں کو ہوش آیا

---

۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء

سرنگاپٹم

سلطان ٹیپو کے مزار پر دو آنسو

اے سرنگاپٹم اے گنجِ شہیدانِ کرام
آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال
تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی
تیرے ذروں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا تجھے آج
مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر
مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت
اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے
اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام ہنود

اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا نشیب اور قیامت کا صعود

آخری قول یہ اس کا نہیں بھولے گا!
جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی
یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ نمود

دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج
اُس کے مرقد پہ گئے پاس فرمنّا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوس بریں کی تصویر
ظلِ ممدود میں تھا جلوہ سدر مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمت حق
چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی !
رات دن درگہ دادار پہ ہے وقف سجود

بر سر تربت من چوں گذری ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رنداں جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرت آزادی کی روح
توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

ساعتِ قدر

شبِ قدر اس سہانی رات کا فرخندہ پرتو ہے
بدل دیتی ہے جس کی فرخی ناقص کو کامل سے

بتانا چاہتے تھے ایک روز امت کو پیغمبرؐ
کہ باہر کب نکلتی ہے یہ لیلیٰ اپنے محمل سے

ہمارے خاکدانِ تیرہ پر کس وقت اترتی ہیں
خدا کی رحمتیں اس گنبدِ مینا کی منزل سے

مگر امت کو لڑتے دیکھ کر صدمہ ہوا ایسا
کہ ساعت کا تعین ہو گیا محو آپ کے دل سے

اسی دن سے وہی ہے ساعتِ قدر اہلِ بینش کی
ملیں آپس میں دو توحید کے فرزند جب دل سے

اسلامی نغمے

نعرۂ اللہ اکبر

اے کہ ہے بندوق پر اور توپ پر ایماں ترا
نعرۂ اللہ اکبر کا اثر بھی دیکھ لے

جاں بحق مُسلم ہُوا سُنتے ہی اس آواز کے
مُصطفٰے کو دیکھ اور اُن کا نامہ بر بھی دیکھ لے

وادیٔ تثلیث کی دیکھی ہے تُو نے دوڑ دھوپ
کوئے وحدت میں مُسلماں کا گذر بھی دیکھ لے

شوق ہے تہذیب یُورپ کے تماشے کا تجھے
مڑ کر او گبرِ کلیسائی اِدھر بھی دیکھ لے

زمینِ اکبر

"پکائیں ہیں کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا"

زمینِ سنگلاخ اکبر نے کیسی منتخب کی ہے
کہ مشکل ہو گیا اس میں قوافی تو بنو لانا

چلی لندن سے اک آندھی چمن میرا اُڑانے کو
غضب ہے اس میں کیے زن کا بگولا بن کے بولانا

چڑھا کنٹربری کا پادری تو اپنے منبر پر
کدھر ہیں آپ مولانا جو تھے بافضل اولانا

بچھائی آکر اُس بت نے جفاکاری کی چپسی
لو اس پر ہم سے کہنا ہے وفاداری کی پولانا

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسی دریا کی ہاں اے ناخدا پھر ایک رو لانا

حریمِ مصطفےٰ کے بام و در جس سے فروزاں تھے
مرے اُجڑے شبستاں میں اُسی مشعل کی ضو لانا

صلاح الدین نے فصلِ صلیبی جس سے کاٹی تھی
درانتی اُس ہلالِ نو کی ہنگامِ درو لانا

کہیں میں جاھدوا کے نعرے سے تم کو نہ لرزا دوں
میرا خوں گرم ہے پہلے ہی اور اس کو نہ کھولانا

۱۹۰۸ء

نماز

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں
کھویا گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں

ہوتی نہیں ہے سجدہ فشاں صبح اور شام
درگاہِ کبریا پہ جبینِ نیاز کیوں

ارشادِ ایزدی سے یہ اعراض کس لئے
فرمودۂ رسولؐ سے یوں احتراز کیوں

آقا سے کیوں غلام نے کی ہے یہ سرکشی
محمود سے ہوا ہے عنان تاب ایاز کیوں

ہم کو خبر سلف کی روایات کی نہیں
ناآشنا ہے شانہ سے زلفِ دراز کیوں

قران پہ جب عمل ہی مسلمان کا نہ ہو
ہو طاقت آزمائے حقیقت مجاز کیوں

سرسید آج زندہ جو ہوتے تو پوچھتے
مشہور کر رہے ہو مجھے بے نماز کیوں

تم بے نماز ہو تو بلا سے، ہوا کرو
لیکن مجھے بناتے ہو وجہِ جواز کیوں

بہتر یہی ہے پردہ تمہارا ڈھکا رہے
دیتے ہو مجھ کو زحمتِ افشائے راز کیوں

آنکھیں خُدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں
الیکوں سے مُنہ نہ پھیر لے میرِ حجاز کیوں

دُنیا گذشتنی ہے تو دولت گذاشتنی
اِس ڈھلتی پھرتی چھاؤں پہ اِس درجہ ناز کیوں

ساقی شرابِ غرب سرور آفریں نہیں
دیتا نہیں ہے مجھ کو مے خانہ ساز کیوں

۲ر جون ۱۹۱۴ء

سعادتِ ازلی

اللہ کے جوارِ رضا سے کبھی جُدا
رکھتی نہیں شقی کی معیت سعید کو

شیطان ساتھ ساتھ بشکلِ یزید تھا
لیکن یزید کر نہ سکا بایزید کو!

ذوقِ معرفت

اگر دل سے خیالِ طاعتِ معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بے گماں مسجود ہو جائے

شہنشاہوں کے سر جھکنے لگیں اُس کی حضوری میں
جبیں گر فقر سے مُسلم کی گرد آلود ہو جائے

غلامِ "احمدِ مرسل" کو سُلطاں کا ملے رتبہ
ایاز اِس امتحاں میں بالیقیں محمود ہو جائے

بہار آئی گلستانِ رسالت میں تعجب کیا
ہر اک پتہ اگر اک جنّتِ مخضود ہو جائے

چلے پھر دورِ صہبائے معارف ہند میں یا رب
قبائے زہدِ مُسلم بھی شراب آلود ہو جائے

مہاجن اِن کے پہلے قرض تو پُورے کب ہم دے لیں
اجازت شرع دے دے گی کہ دُگنا سود ہو جائے

---

۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

اِسلام کا کوکبۂ خسروی

آنکھوں کے سامنے ہیں غلامی کی لعنتیں
ہیں آج لومڑی وہ جو کل تک تھے شیر مرد

لیکن خزاں کے بعد عمل ہے بہار کا
پھر سبز ہو رہے ہیں درختوں کے برگِ زرد

اُٹھا ہے پھر حرارتِ اسلام کا اُبال
اُس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر سے جو سرد

اسلامیوں کی دھاک بندھی روزگار میں
اُڑنے کو ہر دیار میں ہے آریوں کی گرد

گر ہے سفر وسیلہ ظفر کا تو ہم نشیں
گرم سفر ہیں جادۂ یثرب کے رہ نورد

شراب تیز کا ایک جرعہ

اڑے بارود کے مانند خود اور لے اڑے مجھ کو
میرا پیمانہ ساقی اُس شراب تیز سے بھر دے

نہ اس سے ڈر کہ ہوگا دُوسرا ساغر خمار آور
اسے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

ابھی چھلکا نہیں ہے اور بھی دو چار گھونٹ آئیں
خمستان میری دولت کا خم لبریز سے بھر دے

اگر خم خانہ خالی ہو چکا ہے مے سے غالب کا
تو اُٹھ اور ایک کنٹر ٹینی سن کی میز سے بھر دے

اُٹھانا ہے رُخِ دلدار سے پردہ اگر تجھ کو
ملونی لا کے کچھ شیراز اور تبریز سے بھر دے

پلا کر بادۂ رنگیں مرے سونے شبستاں کو
پری رویان شوخ و شنگ و بے پرہیز سے بھر دے

دلوں پہ سحر چشم نرگسیں کے ڈال کر ڈورے
مشام جاں کسی کی زلفِ عنبر بیز سے بھر دے

اگر کرنی ہو گلچینی گلستانِ معانی کی!
تو دامانِ خیال اس خامۂ گلریز سے بھر دے

۱۴ر جنوری ۱۹۱۷ء

قِسمت کی شوخی

کبھی بامِ ثریّا سے بھی اونچی جو عمارت تھی
وہ قصرِ سطوتِ کبریٰ کی رفعت سے عبارت تھی

ہُوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پر
مکرّر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی

نہ ملتا تاج اُسے کیوں رحمۃ للعالمینی کا
کہ اُس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی

اِک اُمّی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا
نہ بوجھا فلسفہ اس کو یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کرکے پڑھتے تھے
اِسی پانی سے مُسلم کی ہُوا کرتی طہارت تھی

وسیلہ اُن کی خوشحالی کا ٹھہری بیع کی حلت
جہانداری سے مُسلم کے لئے بڑھ کر تجارت تھی

سمجھ کر وقت کو دولت وہ اِس کو گنواتے تھے
گھڑی اِک بھی نہ اُن کی عُمر کی جاتی اکارت تھی

قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا
وہ دُنیا دیں نہ ہو جس میں ہمیں اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں
بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

نہیں ابجد شناس اغیار اب تک ہو سکے اِس کے
ہمیں جس علم پر قدرت تھی جس فن میں مہارت تھی

نہ جھکتا تھا ہمارا سر کسی فرعون کے آگے
بدن میں خوں تھا اور خوں کے اندر حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے وَجَادِلْہُم میں اَحسن سے
کہ حسنِ خلق کی اوراق قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

---

۱۹ مئی ۱۹۱۴ء

نازِ طبیب سے بے نیازی

اِتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خُدا
اِسلام کو زمانہ میں دیکھوں مَیں سربلند

دُنیا میں سرنگوں علمِ مصطفےٰ نہ ہو
ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میداں ہو قدسیوں سے یارب پروا نہ ہو
پھر قطعِ کائنات کو توحید کا سمند

مُسلم خود اپنے درد کی تجویز کر دوا
نازِ طبیب کا نہ کبھی ہو نیازمند

ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفےٰ
پہنچائے پھر زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاکِ پائے رسولِ خدا شوی
دل را بہ یادِ خوانیٔ طاغوت در مبند

آئی فلک سے کان میں احسنت کی صدا
یہ نظم دل کشا ہے فرشتوں کو بھی پسند

پھر وہی تو اور وہی تیرا شبستان غم نہ کھا

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ءالٰہ مع اللہ قلیلاً ما تذکرون

وہ کون ہے جو مضطربوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے اور تم کو روئے زمین کی خلافت عطا کرتا ہے۔ کیا وہ خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہے۔ تم سوچو تو اِس سوال کا جواب دے سکتے ہو۔ مگر تم سوچتے ہی کم ہو۔

خدا سے میں نے کل شکوہ کیا تھا
کہ چکر کھا رہی ہے میری تقدیر

سحر خیزی مری جاتی ہے بیکار
دعائیں ہیں مری خالی ز تاثیر

ابھی یہ شکوہ میں کر ہی رہا تھا
ندا آئی کہ کیوں ہوتا ہے دلگیر

بھروسہ رکھ ہماری مکرمت پر
کئے جا ساتھ ساتھ اپنی بھی تدبیر

---

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۸ء

امّت پر رسول کا احسان

ہم خاک تھے حضور نے اکسیر کر دیا — کتنا بڑا حضور کا احسان ہو گیا
بھر کر دیا وہ جامِ جہاں میں حضور نے — پی کر گدائے میکدہ سلطان ہو گیا
اسلام کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں — بجلی گری وہ دل پہ کہ فاران ہو گیا
ہے اِک نگار خانۂ حیرت یہ نام بھی — جس کی نظر پڑی وہی حیران ہو گیا
شرق اور غرب منسلک اک سلک میں ہوئے
کتنا دراز رشتۂ قرآن ہو گیا

۱۶ر دسمبر ۱۹۱۶ء

انتظارِ سحر

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر بھی ہوگی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہوگی

ہے اثر دوا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو
اگر اعتقاد ہوگا تو وہ زود اثر بھی ہوگی

یہ سوادِ آفرینش ہے بقدرِ نورِ بینش
تری آنکھ اگر کھلے گی تو جہاں نگر بھی ہوگی

ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے
کہ ضرور اس میں شامل مری چشمِ تر بھی ہوگی

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھا دے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہوگی

اگر آج ہم پہ آئی شبِ غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہوگی

عرب اور عجم کے ذرّے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہوگی

خروشِ سروش

اللہ کا جو دم بھرتا ہے ‏ وہ گرنے پر بھی اُبھرتا ہے
جب آدمی ہمت کرتا ہے ‏ ہر بگڑا کام سنورتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

اے مُسلم کیوں دلگیر ہے تو ‏ کیوں غم کی بنا تصویر ہے تو
اغیار ہیں خاک اکسیر ہے تو ‏ تدبیر ہیں وہ تقدیر ہے تو
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

ہے راہ نما قرآن ترا ‏ اسلام پہ ہے ایمان ترا
پیغمبر ہے ذی شان ترا ‏ دل جس پہ ہُوا قربان ترا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

تو پرتوِ ملّتِ بیضا ہے! تو سایہ سطوتِ کبریٰ ہے
تو سُرمۂ دیدۂ دنیا ہے تو غازۂ عارضِ عقبیٰ ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

تو حامیٔ شرع پیمبر ہے تو ماحیٔ شیوۂ آذر ہے
تو غیرت خالق اکبر ہے تو برشِ تیغ حیدر ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

بکھری ہُوئی قوت تیری ہے سمٹی ہُوئی ہمت تیری ہے
ورنہ یہ حکومت تیری ہے عالم کی خلافت تیری ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

تو علم کی دولت لایا ہے تہذیب سکھانے آیا ہے
تو جب سے جہاں پر چھایا ہے دُنیا کی پلٹ گئی کایا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

اُس داغ کا نُور جگر میں ہے جو سُورج میں نہ قمر میں ہے
یہ آگ لگی ترے گھر میں ہے کس سوچ میں ہے کس ڈر میں ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

گلشن میں بہار ہے آئی ہُوئی گردُوں پہ گھٹا ہے چھائی ہُوئی
پھرتی ہے صبا اٹھلائی ہُوئی تقدیر ہے پلٹا کھائی ہُوئی
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نقارہ بجا پھر شوکت کا ، نظارہ دکھا پھر حکمت کا
چھلکا دے پیالہ اُخوت کا چمکا دے ستارہ شریعت کا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

مومن کی ہمّت بلند

بندہ نواز ہم سے نہیں ہے چھپی ہوئی — پیرِ فلک کی شعبدہ بازی کی بود و ہست
مانا کہ آسماں سے شمس و قمر کی فوج — پیہم اُتر رہی ہے کہ ظلمت کو دے شکست
مانا کہ اُن کو جو نظر آتے ہیں سربلند — چرخِ ستیزہ کار کرے گا زبون و پست
لیکن نہ قولِ سعدیٔ شیراز بھولیے — چھوٹا نہیں جو ہاتھ سے سر رشتۂ الست

رفتن بہ پائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت
حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است

---

۲۱ مئی ۱۹۲۰ء

ایہا المسلم

رسولؐ اللہ پر قربان ہو جا — خود اپنے درد کا درماں ہو جا
حریفِ دولتِ افرنگ بن کر — حلیفِ دولتِ عثماں ہو جا
ضرورت کیا ہے کابل کے سفر کی — یہیں بیٹھا ہوا افغاں ہو جا
امان اللہ خاں بن جائے گا تو — پر اول عاملِ قرآں ہو جا
ڈبو کر کشتیٔ کفر آنسوؤں میں — بغل میں نوحؑ کا طوفاں ہو جا
غلامی کر محمد مصطفےٰؐ کی — گدائی چھوڑ دے سلطاں ہو جا
مرے سانپ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے — نظام الملک کا فرماں ہو جا

تزلزل میں ہے ایوانِ خلافت
تو اس ایواں کا پشتیباں ہو جا

۱۲ر مئی ۱۹۲۰ء

ارغوانی عید

اس آبِ سُرخ کا ساقی اِدھر بھی ایک کنٹر لا
لنڈھا کر جس کے خم کے خم ہوئے سرشار بوذر لا

سمرنا کی مئے گلرنگ اگر تیزی میں کچھ کم ہو
حرم میں جا کے یورپ کے لیے خونِ کبوتر لا

مے آشامانِ مغرب کو اگر ساغر کی حاجت ہو
کسی مُسلم کا مٹی میں ملا اِک کاسۂ سر لا

مری آغوش میں آئے تو اس بت سے سمجھ لوں میں
کسی حیلہ سے اُس کو گھیر کر اک شب مرے گھر لا

حریفوں کو مٹا جس طرح وہ ہم کو مٹاتے ہیں
بحقِ مصطفےٰ یارب مرادِ اسلام کی بر لا

مجھے بچوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں؟
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا

میرے اشعار لکھنے چاہئیں سونے کے پانی سے
اگر سونا نہیں ملتا کم از کم کاغذِ زر لا

---

۲۹ جون سنہ ۱۹۲۱ء

سلف صالحین

وہ مسلماں کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیاز ابیض و اسود کا مٹانے والے
سبق انساں کو اخوت کا پڑھانے والے

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے

بھید کیا تھا جو آپس میں ملے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمدؐ کے گھرانے والے

خم و خمخانہ بھی ہے مہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے ہیں مگر خم کے لنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر ریز ابھی تک لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لٹانے والے

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآں کی دولت کو چرانے والے

فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوش پر بار امانت کا اٹھانے والے

نہ دبے ہیں کبھی باطل سے نہ دب سکتے ہیں
گردن اللہ کے رستے میں کٹانے والے

آشنا ذوق اسیری سے ہو میری مانند
شعر کہتے ہوں اگر وجد میں لانے والے

خلافت کی بُنیاد

نئی اک قبا کو سلاتے ہوئے
خلافت کی بُنیاد اُکھیڑو گے تم

تو اچھی طرح سے سمجھ لو یہ بات
خود اپنے ہی بخئے اُدھیڑو گے تم

عرب اور عجم سے الگ ہی رہو
کہاں تک یہ جھگڑے نبیڑو گے تم

نہ دیں گے تمہیں چین لینے کبھی
ستائے ہوؤں کو جو چھیڑو گے تم

بچا لو گے ہندوستاں کو اگر
ذرا پاؤں اپنے سکیڑو گے تم

۷ر جولائی ۱۹۲۰ء

فرشتہ و حیوان

آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ واز حیوان

گر کند میلِ ایں شود بہ ازیں
ور کند میلِ آں شود کم ازاں"

چو مسلم علمِ دین و زہدِ "فخرالدین رازی" شد
ولے چوں در عمل کوشید "امان اللہ غازی" شد

گہے "طلعت" شد و بر خاک و خوں غلطید در برلن
گہے در "تل" چو "نادر خاں" علم در بکّہ تازی شد

بچنگِ ملّتِ بیضا گہے زد زخمہ چوں "طرزی"
نوا پیرایۂ بزم اندر آہنگ حجازی شد

سمرنا را چو یک لک داد آصف جاہِ ہشتم گشت
نوالش رشتۂ اسلام را وجہِ درازی شد

چو از یزداں دلش بگرفت و باطاغوتیاں پیوست
گسست از خویش "فیصل" گشت و انگلیس مجازی شد

---

۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوۂ ترکانہ کر
جور ہفت افلاک کے ہوتے رہیں پروا نہ کر

غم کو خود آ کر بہلے جائے گی موج سرور
دیکھتا کیا ہے اُٹھ اور فکرِ مے و پیمانہ کر

دعویٔ الفت جتا کر مفت میں رسوا نہ ہو
دار پر چڑھنے سے پہلے رازِ عشق افشا نہ کر

ظرف نیساں چاہتی ہے قلزم آشامی تیری
برگِ گل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر

کام ابراہیمیوں کا ہے کہ کھیلیں آگ سے
کود پڑ شعلوں میں خوفِ انجام کا اصلا نہ کر

لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوفِ بے پایانیٔ دریائے موج افزا نہ کر

خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

حیاتِ جاوید

رحمتِ باری کم اپنا جوش کر سکتی نہیں — یہ چڑھی ندی قیامت تک اُتر سکتی نہیں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ — اُمتِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

سرورِ کونین خود ہوں ناخدا جس کے وہ ناؤ — لطمۂ طوفانِ موج افزا سے ڈر سکتی نہیں

ایشیا کی وہ بساطِ کہنہ اُلٹی جا چکی — بازیٔ اسلام اب دُنیا میں ہر سکتی نہیں

میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگریز کا — اُس کی دُنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں

لُوٹ لے جب تک نہ سر پر اک نیا کوہِ ستم — ایک بھی رات اُس ستم کش کی گذر سکتی نہیں

لیکن ان ایذاؤں پر شیوہ ہے جس کا صبر و شکر — عاقبت بھی کیا اُس انساں کی سدھر سکتی نہیں

میری حرصِ لذّتِ آزار کا عالم نہ پوچھ — سر جب تک جائے نیت میری بھر سکتی نہیں

منزلِ خوفِ خدا ہے مومنِ قانت کا دِل — ہیبتِ قیدِ فرنگ اُس میں اُتر سکتی نہیں

جُرم اتنا ہے کہ کیوں حدِ ادب سے بڑھ کے آہ — لب تک آ جاتی ہے اور دل میں ٹھہر سکتی نہیں

رات ہی ایسی تھی جس کا بھول جانا تھا محال — بات ہی ایسی ہے جو دل سے بسر سکتی نہیں

کفر سے مجھ کو ہے لاگ اور دیں سے ہے مجھ کو لگاؤ — کوئی اور الزام دُنیا مجھ پہ دھر سکتی نہیں

پنج سیپاروں کی دولت ہے مرے سینے میں جمع — جس کو انگریزی حکومت قرق کر سکتی نہیں

میں حرم سے اُڑ کے جا بیٹھوں گا شاخِ سدرہ پر — میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

اتمامِ نور

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

کہہ دو اُنہیں سُنا کے لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
تقدیر کا نشان مٹایا نہ جائے گا

مُسلم ہُوں میں غلام ہیں شمس و قمر مرے
اپنا یہ درجہ مجھ سے گھٹایا نہ جائے گا

میں گرچہ ناتواں ہوں مگر بارِ کائنات
میرے سوا کسی سے اُٹھایا نہ جائے گا

مجھ سے بجز خدا کے کسی کے حضور میں
اپنا سرِ نیاز جھکایا نہ جائے گا

کرتا وضو لہو سے ہوں اس کے لئے مگر
اپنوں کا خُون مجھ سے بہایا نہ جائے گا

کعبہ خدا کے گھر سے صنم خانہ بن گیا
اس بُتکدہ میں مجھ سے تو جایا نہ جائے گا

میں جس شرابِ تیز سے سرشار تھا کبھی
کیا مجھ کو پھر وہ بادہ پلایا نہ جائے گا

میں جس نوائے تلخ سے مدہوش تھا کبھی
کیا مجھ کو پھر وہ نغمہ سنایا نہ جائے گا

ہاں اے مرے نصیب ہُوئی صبح آنکھ کھول
اب تو تھپک تھپک کے سلایا نہ جائے گا

سر پہ پہن کے آئے گا تاجِ شہنشہی
تو مصطفےٰ کے گھر جو گدا یا نہ جائے گا

اب بھی عرب میں اور عجم میں ہے گھر ترا
اِس گھر میں اور کوئی بسایا نہ جائے گا

تثلیث کو یہ جا کے سُنا دو کہ آج سے
تگنی کا ناچ ہم کو نچایا نہ جائے گا

اے کفر ہاتھ پاؤں کٹے تیری راہ میں
سر رہ گیا ہے سو وہ کٹایا نہ جائے گا

اقصائے ہند میں علمِ حق ہُوا بلند
یہ پرچم اب کسی سے گرایا نہ جائے گا

تُرک

لِیُظْہِرَہٗ کے وعدے کے وفا ہونے کا وقت آیا
گدائے بے نوا کے بادشاہ ہونے کا وقت آیا

ظہورِ غلبۂ دینِ مبیں کی ساعت آ پہنچی!
جہاں میں حق کے باطل سے جدا ہونے کا وقت آیا

گھر آیا ابرِ رحمت ہر طرف سے بامِ گردوں پر
سروں پر سایۂ لطفِ خدا ہونے کا وقت آیا

ھُوَاللّٰہُ اَحَد کے نغمے کو بیتاب ہے گلشن
قفس سے عندلیبوں کے رہا ہونے کا وقت آیا

پسند آیا کشائش کو کسی کا عقدۂ مشکل
رسول اللہ کے مشکل کشا ہونے کا وقت آیا

شرابِ جاں ہوئی گلرنگ مینائے شہادت سے
زلالِ زندگی کے جانفزا ہونے کا وقت آیا

بنی تیغ آزمائی پاسبانِ شب زندہ داری کی!
خلافت کے نئے سر سے عطا ہونے کا وقت آیا

یہ جا کر دشمنانِ دینِ حق سے برملا کہہ دو
کہ تم سب کے زبوں ہو کر فنا ہونے کا وقت آیا

ہے اسلام اک سمندر اور ترک اک قطرہ ہے اس میں
اس اک قطرے سے اک طوفاں بپا ہونے کا وقت آیا

توانا دیں پہ کیوں کر ناتواں کو غلبہ پاتا ہے
ان آیاتِ مبیں کے رونما ہونے کا وقت آیا

اکیلا سا لئے یورپ سے پچھاڑا جا نہیں سکتا
کسی سے ترک کا لشکر اکھاڑا جا نہیں سکتا

فرض اور قرض

جو مسلم ہے تو جان ناموس ملت پر فدا کر دے
خدا کا فرض اور اس کے نبی کا قرض ادا کر دے

بھری محفل میں لا سکتا نہ ہو گر کفر تاب اس کی
تو زنداں ہی میں جا کر روشن ایمان کا دیا کر دے

شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پہ
کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی برملا کر دے

تمہارا قافلہ کچھ لٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو
رسول اللہ کو اس کی خبر باد صبا کر دے

ضرورت ہے اب اس ایجاد کی دانائے مغرب کو
جو اہل ہند کے دامن کو چولی سے جدا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اجالا ہو
برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

قفس کی تیلیوں پر آشیاں کا کاٹ کر چکر
فلک سے گر پڑے بجلی کہ بلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصان خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا ان کو گرفتار بلا کر دے

جگر پارے

وفود بھیج کر اُن سے پیام کر لیں گے
ہم آج فیصلۂ روم و شام کر لیں گے

ہمارے خون کے آنسو ہیں اور دامنِ قوم
لہو لگا کے شہیدوں میں نام کر لیں گے

یہ سچ ہے اُس پہ خدا کا چلا نہیں قابو
مگر ہم اُس بتِ کافر کو رام کر لیں گے

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں
وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کر لیں گے

مٹائیں گے بدویت کے تفرقے جا کر
اور اس کے واسطے کچھ قرض وام کر لیں گے

ہمارے منہ میں زباں ہے اور اس میں ہے تاثیر
اسی کو وجہ حصولِ مرام کر لیں گے

ہمارے ہاتھ میں ہے اشہبِ قلم کی عناں
اسی سمند کو محشر خرام کر لیں گے

رہی مساعدتِ بختِ نارسا سو یہ کام
جنابِ حضرتِ خیر الانام کر لیں گے

خلیفہ چاند نبی سورج اور ہم تارے
مرتب آپ ہم اپنا نظام کر لیں گے

وہ کام جو نہ ہوا ولیم اور ولسن سے
محمدِ عربی کے غلام کر لیں گے

نسیمِ وادیٔ بطحا جو چل کے ہند میں آئے
تو ہم بھی اس سے معطر مشام کر لیں گے

وہ مہر جو سرِ خم ہے پہ ٹوٹ جائے تو رند
شکست توبہ کا آپ اہتمام کر لیں گے

ہزار آپ کے فتوے سہی مگر مسلم
حلال چیز کو کیونکر حرام کر لیں گے

عرب کی خاک اڑی اور عجم ہوا برباد
ہم اب زمین کے نیچے مقام کریں گے

وہ خاک جس میں ٹھکانہ ہے غوثِ اعظم کا
سنا ہے اس میں اجانب قیام کریں گے

خدا کرے کہ وہ اِس خاکِ پاک میں نہ رہیں
وگرنہ کام ہم اپنا تمام کریں گے

جو ڈھل کے آگیا خورشیدِ خاوری لبِ بام
تو ہم ستم زدہ بھی سیرِ بام کریں گے

ہمارے دل میں اگر جلوہ گر ہے نورِ خدا
تو سومنات کو بیت الحرام کریں گے

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے

دکن میں جا نہ سکیں گے تو شہریارِ دکن
یہیں سے تجھ کو بحسرت سلام کریں گے

علی امام نے واپس دلا دیا جو برار
تو پھر انہیں کو ہم اپنا امام کریں گے

کریں جو دین کو رسوا وہ آپ ہوں رسوا
ہم اب دعا میں یہی التزام کریں گے

۱۱ر مارچ ۱۹۲۰ء

نفیرِ اسلام

بحکم اعدوا لہم ما استطعتم
بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

فراہم کرو جنگ کا ساز و ساماں
نصاریٰ پہ ہیبت کا سکہ بٹھاؤ

بتائیدِ حق اپنی ملت کے بل پر
حریفوں کی کثرت کے چھکے چھڑاؤ

کہانت کی بنیاد جس نے ہلادی
اُس اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ

اُٹھاؤ نہ دریا کی لہروں کے احساں
جہازوں کو پھر خشکیوں پر چلاؤ

مٹادو عجم اور عرب کی رقابت
جہاں میں بساطِ اخوت بچھاؤ

کرو ہوشیاری پہ مستی کو قرباں
خمستانِ یثرب کے ساغر لنڈھاؤ

حریفوں سے کہدو کہ ہم ہیں مسلماں
نہ باطل کی قوت سے ہم کو ڈراؤ

ہمیں آزمایا ہے سو بار تم نے
کسی اور کو جا کے اب آزماؤ

علَم ہاتھ میں لے کے دینِ ہدیٰ کا
سرِ اسپین کا پھر اندلس سے ملاؤ

بجھادو خرافات کی مشعلوں کو
حرم کا چراغ از سرِ نو جلاؤ

محمدؐ کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے
فلک کے ستارے ہوؤ سر چھپاؤ

موجِ نور

توحید کے ترانہ کی تانیں اڑائے جا — مطرب تمام رات یہی نغمہ گائے جا
ہر نغمہ سے خلا میں ملا کو ملائے جا — ہر زمزمہ سے نور کے دریا بہائے جا
ایک ایک تیری تال پہ سر جھومنے لگیں — ایک ایک سُر سے چوٹ جگر پر لگائے جا
ہر زیر و بم سے کرتہ و بالا دماغ کو — ہر گٹکری سے پیچ دلوں کے گھمائے جا
ناسوتیوں سے چھین کے صبر و قرار و ہوش — لاہوتیوں کو وجد کے عالم میں لائے جا
تڑپا چکیں جنہیں تری رنگیں نوائیاں — ان کو یہ چند شعر مرے بھی سُنائے جا
اے رہ نوردِ مرحلۂ ہفت خوانِ عشق! — اس مرحلہ میں ہر قدم آگے بڑھائے جا
خاطر میں لا نہ اس کے نشیب و فراز کو — جو سختیاں بھی راہ میں آئیں اُٹھائے جا
رکھتا ہے لاکھ سر بھی اگر اپنے دوش پر — نامِ محمدِ عربی پر کٹائے جا!
وہ زخم چُن لیا ہے جنہیں پشتِ غیر نے — حصّے میں تیرے آئیں تو چہرے پہ کھائے جا
کرتا رہ استوارِ اساسِ حریمِ دیں — اور ساتھ ساتھ کفر کی بنیاد ڈھائے جا
چھلکائے جا پیالہ شرابِ حجاز کا — دو چار گھونٹ اس کے ہمیں بھی پلائے جا
سر پر اگر ہو تاج تو ہو دوش پر گلیم — دنیا کو شان یثربیوں کی دکھائے جا
رکھ مسندِ رسول کی عزت کو برقرار — عثمان کے ہلال کا پرچم اُڑائے جا

رسمِ ادب

یہ ادب کی شرط تھی بزم میں کہ وہ سر اُٹھا کے کہ صلا
جو کہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو میں سر جھکا کے کہوں بَلیٰ

پسرِ خلیل کی سیکھ ادا جو ہے ذبح ہونے کی آرزو
کہ چھُری رُکے تو رُکے مگر نہ سر کنے پائے ترا گلا

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؓ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

وہ جو سو رہا ہے مدینہ میں کوئی جا کے اُس کو یہ خبر دو
چلی آرہی ہیں وہ آندھیاں کہ چمن حضور کا اُڑ چلا

لقب اُمَّۃً وَّسَطًا دیا جنہیں تیرے فضل نے اے خدا
پس و پیش و راس و چپ آج کیوں وہی سختیوں میں ہیں مبتلا

نگہ کرم تری کس لئے ہے ستم زدوں سے پھری ہوئی
ہم اسی کے ہیں ترے لطف نے جسے دی نوید وما قلیٰ

آموختہ

کیا حکومت نے چند دن کے لئے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو!

تکلیف

جس آزمایش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحان کے لئے کیا ہے ترے خدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئی حرم تک مگر خود اس کی کمند تجھ کو

حسینؑ کا سر ہے آسماں پر کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پر
تو کم سے کم سر بکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہُوا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریف ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا افلاک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر درد مند تجھ کو

وہی ہو انداز لیلیٰ کا جو شیوۂ ترک نیم جاں ہے!
اگر کٹانا پڑے محمدؐ کے نام پر بند بند تجھ کو!

یہ چند نکتے ہیں اس سبق کے جو تو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سمجھائی ہوئی حقیقت سمجھاؤں پھر نا پسند تجھ کو

جبر اور صبر

جھک گئی سکھوں کے آگے کس طرح سرکار دیکھ — دیکھتے کیونکر ہیں نیچا زیر دست آزار دیکھ
ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ — کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ
تو نے چلتے دیکھ لی ملّت فروشوں کی دکان — سرفروشوں کی بھی آ کر گرمیٔ بازار دیکھ
مالوی جی کے پرانے ہتھکنڈے کس کام کے — خالصہ جی کا نرالا شیوۂ پیکار دیکھ
جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی — صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخر کار دیکھ
اے کہ تھا بالسمع والطاعت کبھی تیرا شعار — ہو گئے غیر اس حقیقت کے علم بردار دیکھ
اے کہ تیری وضع کو کچھ ضد سی ہے تغییر سے — ابلقِ ایام کی بدلی ہوئی رفتار دیکھ
تو نے دیکھے ہیں شہنشاہوں کے درباروں کے ٹھاٹھ — اب فقیروں کا بھی جنگل میں لگا دربار دیکھ

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گرو کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جاں اپنے نبی پر وار دیکھ

سوراج

ہے کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمہیں آ کے سلاطینِ زمن باج

یا رنگ زمانہ نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دُنیا کی ہر ایک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

دامانِ نگہ جس کی فضا کے لئے تھا تنگ
وہ باغ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا بیز نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نہ اریز نہ صلصل ہے نہ دراج

سوچو تو ذرا تم کہ تمہارا ہی سفینہ
کیوں ہو گیا بازیچۂ ذخار کی امواج

ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمہیں پر
ہر فتنہ جب اُٹھتا ہے تمہیں پر ہوا آماج

جب تک رہے تم دست نگر اپنے خُدا کے
ٹھکرا نہ دیا اُس نے تمہیں غیر کا [illegible]

جس وقت مگر ہاتھ سے سررشتہ رضا کا
چھوٹا تو نہ تنہا تجھے [illegible] [illegible]

جھک جاؤ گے اب بھی اگر اللہ کے آگے
بن جاؤ گے گر ناک و رِ صاحب معراج

مٹی بھی اُچھالو گے تو ہو جائے گی سونا
کنکر بھی اٹھا لو گے تو بن جائے گا پکھراج

جو ہو گئے اُس کے وہ ہوا اُن کا نگہبان — اُسکی ہے جنہیں شرم ہے اُنکی بھی اُسے لاج

ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اُس پہ ہوئے قرباں — یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرت افواج

داتا کی یہ ہے دین ہیں رنگ اُس کے نیارے — مانگے نہ ملی بھیک نہ مانگا تو ملا راج

اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم — وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہو دو کاج

مٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو
سیکھو یہ روش گر تمہیں لینا ہے سوراج

رہتاس

آفتابِ اسلام کا آیا ہے سمت الراس پر
ہو گئے چودہ طبق روشن عوام الناس پر

زندگی اسلامیوں کی آنکھ سے مخفی نہیں
ظاہر اُن کی برتری ہے خضر اور الیاس پر

کیا لئے پھرتے ہو اپنی توپ اور تلوار کو
جب نہیں قابو ہمارے قلب کے احساس پر

نغمہ گوئی کو ہے میرے خامۂ رنگیں پہ ناز
جس طرح نازاں علمداری ہوئی عباسؓ پر

جا کے لایا آسماں سے یہ زمینِ سنگلاخ
ہو گئی حل میری مشکل قلعۂ رہتاس پر

قلعہ رہتاس

۲۹ ستمبر ۱۹۲۷ء

سہسرام

گنبد سے آ رہی ہے صدا شیر شاہ کی
ٹکرا رہی ہے عرشِ معلّیٰ کے بام سے

وہ دن نہیں ہے دُور کہ اسلام کا عَلم
ہوگا بلند ہند میں پھر اس مقام سے

کافورِ کفر ہوگا یہاں سے بھی جس طرح
اُکھڑے قدم شریف کے بیت الحرام سے

دے گی خراج ملّتِ بیضا کو کائنات
نکلے گی ذوالفقارِ علی پھر نیام سے

کوندیں گی جس میں سطوتِ کبریٰ کی بجلیاں
اُٹھے گی ایک دن وہ گھٹا سہسرام سے

سہسرام
۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء

دستۂ گُل

کھلنے کو ہیں پنجاب کے گلشن میں نئے پھول
دینے کو پیام آئی صبا اور ہی کچھ ہے

تکبیر کے نعروں نے ہلایا ہے فلک کو
آج آ رہی گنبد سے صدا اور ہی کچھ ہے

پو پھٹنے نہ پائی کہ ہوئی نور کی بارش
لاہور کی گلیوں کی فضا اور ہی کچھ ہے

شوریدہ سری کا تو ہے الزام ہی الزام
اللہ کے بندوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

ہے تاج کی خواہش نہ تمنا ہے نگیں کی!
اسلام کا مقصد بخدا اور ہی کچھ ہے

مغرب میں بھی اچھوں کو بُرا کہتے ہیں لیکن
اس جُرم کی مشرق میں سزا اور ہی کچھ ہے

فرعون نے بچوں کو نہ تیغ کیا تھا
پر آپ کا اندازِ جفا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں ٹیگور کے اشعار دل آویز
اقبال کے نغموں میں مزا اور ہی کچھ ہے

یہ سچ ہے کہ اٹلی کے حسیں آفتِ جاں ہیں
بنگال کے جادو کی ادا اور ہی کچھ ہے

دیتے ہیں قرار آپ نصاریٰ کو اُولی الامر
فرمودۂ شاہِ دوسرا اور ہی کچھ ہے

توحید کے پرچم کو جھکانے وہ چلے ہیں
پر فیصلۂ کلکِ قضا اور ہی کچھ ہے

ہم سُنتے ہیں کچھ اور ہی راوی کی زباں سے
یاروں نے اٹک پار کہا اور ہی کچھ ہے۔

یہ وہم خدا ہی ہے جو زائل ہو دلوں سے
تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

تلوار کا شکوہ ہے نہ جزیہ کی شکایت
کافر کو مسلماں سے گلہ اور ہی کچھ ہے

تم کہتے ہو ہرگز نہیں مرتد کی سزا قتل
ہم نے تو شریعت سے سنا اور ہی کچھ ہے

ان آریہ پُرشوں کو خدارا کوئی سمجھائے
خود اُن کے منوجی کی کتھا اور ہی کچھ ہے

ویدوں کی بیوستھا ہے ادھرمی کو جلادو
آج آپ یہ کہتے ہیں کہ "لا" اور ہی کچھ ہے

چرخے سے علاج مرضِ ہند نہ ہوگا
یہ درد وہ ہے جس کی دوا اور ہی کچھ ہے

نقشِ عید برنگِ امیّد

یہ عید ہو ہر ایک مسلماں کو مبارک
اور کشورِ اسلام کے سلطاں کو مبارک

نکلی ہوئیں اسلامیوں کے دل سے دعائیں
ناموس خلافت کے نگہباں کو مبارک

قفقاز و اناطولیہ سے تابہ سمرقند
یہ وقت ہو ہر صاحبِ ایماں کو مبارک

ہو خسروِ کابل کے لئے صبح یہ مسعود
اور حضرتِ عثمان علی خاں کو مبارک

یہ عید تو اک زندگیٔ نو کی ہے تمہید
وہ زندگیٔ نو ہر مسلماں کو مبارک

مستقبلِ اسلام ہے ماضی سے ہویدا
اس آئینہ کی سیر ہو دوراں کو مبارک

آنے کو ہے جو فصلِ بہار اپنے چمن میں
سرو و سمن و سنبل و ریحاں کو مبارک

دنیا کی فضا جس سے ہے اب بھی مترنم
وہ نغمہ ہو مجھ جیسے غزلخواں کو مبارک

میں رہ سپرِ کعبہ ہوا ہوں مگر اے کاش
تلوے ہوں مرے خارِ مغیلاں کو مبارک

اے سیدِ عالی گہر اے فاخرِ مظلوم
ہوں پاؤں ترے حلقۂ جولاں کو مبارک

غافل ہے فرقنا بکم البحر سے فرعون
یارب یہ ندا موسیٰ عمراں کو مبارک

ہندی کے لئے شیوۂ ظفر کا بھی ہے محمود
طرزی کی اگر طرز ہے افغاں کو مبارک

لمعات

میانوں سے نکل آئیں تڑپ کر پھر وہ شمشیریں
پلٹ دی ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں

وہ شمع وہر سمایا پھر نگار آرائے محفل ہے
ہیں پروانے کی خاکستر میں رقصاں جس کی تنویریں

پڑا ہے زلزلہ دنیا میں پھر لرزیں سے پیکن تک
بلند اک ساتھ ہوتی ہیں مسلمانوں کی تکبیریں

جکڑ سکتیں نہیں زندانیانِ حق کو ہتھکڑیاں
عبث ہیں سب یہ ترکیبیں غلط ہیں سب یہ تدبیریں

جنوں جب کار فرما ہو تو کام آتی نہیں اصلا
یہ تادیبیں یہ تہدیدیں یہ تنبیہیں یہ تعزیریں

دھواں اُٹھے تو سمجھو شعلہ بھی ہو گا بلند اس سے
نمایاں خود بخود آہوں سے ہو جاتی ہیں تاثیریں

اُدھر انگورہ و کابل اِدھر بغداد اور دہلی
وہ سب رحمت پیمبر کی یہ سب اُمت کی تقصیریں

وہاں توحید کی باتیں یہاں تثلیث کی گھاتیں
وہ سب مومن کی میراثیں یہ سب کافر کی جاگیریں

امان اللہ خاں اور مصطفےٰ کو دیکھ لو جا کر
نہ دیکھی ہوں اگر اسلام کی غیرت کی تصویریں

عجب کیا ہے کہ شردھانند بھی اِک دن مسلماں ہو
لہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں

پنج گنج

(۱)

بتانِ کاشی و لاہور

ہمیں وہ فتنہ کا بانی قرار دیتے ہیں
مگر خود اپنی روش کو نسبار دیتے ہیں

بتانِ کاشی ولاہور سے خدا کی پناہ
کہ رنج دیتے ہیں اور بے شمار دیتے ہیں

دروغ کو نہیں حاصل ہوا فروغ کبھی
ہم اُن کے جھوٹ کو سچ سے نکھار دیتے ہیں

وہ دھرتے ہیں یہی الزام ہم پہ لے دے کر
کہ مکّہ لیتے ہیں اور ہردوار دیتے ہیں!

مدینہ بڑھ کے تمہیں ہے عزیز دہلی سے
ہمیں وہ طعنہ یہی بار بار دیتے ہیں

دبا ہوا تھا جو کینے کا جذبہ سینے میں
یہ کینہ جو اُسے اُٹھ کر ابھار دیتے ہیں

کبھی رسولؐ کی توہین شغلہ اُن کا
کبھی خُدا کے خلاف اشتہار دیتے ہیں

---

(۲)

نامسلمانوں اور مسلمانوں کا فرق

ہیں ایک وہ کہ اپٹنا لگا کے شُدھی کا — عروسِ کُفر کا جوبن نکھار دیتے ہیں
اور ایک ہم ہیں کہ دینِ رسولؐ اکرم کا — خُود اپنے ہاتھ سے کھو اعتبار دیتے ہیں
حرم کے راہ نوردوں کی خستہ پائی کو — بشارت خلشِ نوکِ خار دیتے ہیں
حریمِ کعبہ میں تثلیث کا اُڑے پرچم — یہ لکھنؤ سے نصاریٰ کو تار دیتے ہیں
مراد یہ ہے کہ اُلٹے بساطِ ابنِ سعود — ہم آپ جیت کے بازی کو ہار دیتے ہیں

(۳)

استرداد برار

دکن رہے جو سلامت یہی غنیمت ہے — وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہو منزلت جس کی — یہاں اُسی قدر اُس کو فشار دیتے ہیں

(۴)

محمدؐ عربی کا نام سپہرِ بریں کی لوح پر

خزاں رسیدہ چمن کو طیور زمزمہ سنج — نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں

زمانہ قیدِ کا برطانیہ کے زندانی
مصیبتوں میں خوشی سے گزار دیتے ہیں

فرشتے ملّتِ بیضا کو آسمانوں سے
پیامِ رحمتِ پروردگار دیتے ہیں

خدا نے جس سے محمّد کا نام لکھّا تھا
ستاروں کو وہ قلم مستعار دیتے ہیں

(۵)

طلوعِ صبحِ اُمید کا انتظار

نبی جہاز سے طوفاں میں اپنی اُمّت کو
کنارے پر بسلامت اُتار دیتے ہیں

خدا کی راہ میں جو ہو کے سر بکف نکلے
اُسی کو مسندِ عزّ و وقار دیتے ہیں

زمین جس کی شہادت کے خوں سے ہو سیراب
اُسی کا نام فلک پر پکار دیتے ہیں

وہ تیغ کفر کے پیکر کو جو دو نیم کرے
اُسی کو مرتبہ ذوالفقار دیتے ہیں

کب اس کے قبضۂ جوہر نگار پر دیکھیں
ہمارے بازوؤں کو اختیار دیتے ہیں

غزل مرقص

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے	خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اس کے کمال[1] آئے
ستاروں سے بحسرت بدر کامل ہو اُدھر رخصت	ادھر پھر اوجِ گردوں پر نظر بن کر ہلال آئے
حکومت کا نشہ اسلامیوں سے جا نہیں سکتا	جو ٹوٹے ساغرِ جم بزم میں جامِ سفال آئے
عروسِ دولتِ کابل کو ہو مشاطہ کی حاجت	تو لے استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال[2] آئے
خدا جانے ہو کیا اس وقت حالت دیں کے اعدا کی	امان اللہ خاں کو بیٹھے بیٹھے گر جلال آئے
خلافت کی کرامت ہے اگر ہندوستاں جاگے	اگر صدیوں کی اس باسی کڑھی میں بھی اُبال آئے
زن و فرزند و جان و مال سب حق ہے خلافت کا	اگر اسلامیوں کو حق شناسی کا خیال آئے
مسلمانو دعا پانچوں نمازوں میں یہی مانگو	کہ قسطنطین پر اور اس کی فوجوں پر وبال آئے
جزا ہنود کے احسان کی ہے احسان اور وہ یہ ہے	کہے نیکی مسلمان اور اسے گنگا میں ڈال آئے
ملی اس کشمکش میں ہم کو آزادی تو سن لینا	کہ انگریزوں کو ہم بغداد سے جا کر نکال آئے

---

[1] غازی مصطفٰے کمال پاشا [2] غازی جمال پاشا

تلافی پر جو ہو سرکار کی آمادگی ظاہر — قسم لے لو جو گذری بات کا دل میں ملال آئے
تشدد خود کریں الزام اس کا تھوپ دیں ہم پر — تعجب کیا اگر اس منطق پہ ہم کو اشتعال آئے
اسی تہذیب پر کیا اہل مغرب ناز کرتے ہیں — یہاں سے کچھ اڑا لائے وہاں سے کچھ چرا لائے
کہیں افیون کی چٹکی کا ڈالا چین کو چسکا — کہیں لے کر مراقش میں شراب پرتگال آئے
غرض ہمدرد انساں بن کے جس اقلیم میں پہنچے — اسی کو اس نئی تہذیب کے سانچے میں ڈھال آئے
گل افشانی مری اس وقت ہو گی سیر کے قابل — خبر جب فتح کی انگورہ سے بادِ صبا لائے
ودیعت تھی مری مژگاں کی خاکِ روضۂ اطہر — کہا جب ہم نشیں نے جا کے تم یثرب سے کیا لائے

ملائک وجد میں آجائیں گر اس نظمِ مرقص کو
سنانے کے لئے خود مسلم شیریں مقال آئے

مدینہ منوّرہ

چشمہ اُبل رہا ہے مدینہ میں نُور کا
ہر اس کی موج رقص ہے میرے شعور کا

چھنتا ہے جلوہ اس کی فضائے لطیف سے
صبحِ ازل کے نورِ سعادت ظہور کا

ایک ایک سنگ ریزہ احد کا مرے لئے
ہم سنگ ہے خدا کی قسم کوہ طور کا

بہتا پگھل پگھل کے ہے آنکھوں کی راہ سے
انجام تھا یہ میرے دلِ ناصبور کا

دہلیزِ مصطفےٰ سے مرا سر لگا رہے
طالب نہیں میں جنّت و حور و قصور کا

سر خاک پہ ہے اور تصوّر ہے عرش پر
مجھ کو ہوا نصیب مواجہ حضور کا

اے ربِ کعبہ میری خطا کو معاف کر
نزدیک پر اگر ہے مجھے دھوکا ہو دُور کا

آداب جانتا نہیں شدّ رحال کے
کچھ بھی نہیں سلیقہ مجھے ان امُور کا

اس سے مگر نہیں یہ مرا مدعا کہ میں
رکھتا ہوں دل میں شوق طواف قبور کا

ختمِ رسلؐ پہ بھیج رہا ہوں سلام میں
میرا یہ زمزمہ ہے ترانہ زبور کا

دِل میں جو ہے وہ آ نہیں سکتا زبان پر
خود اعتراف ہے مجھے اپنے قصور کا

مجلس خلافت پنجاب کا اعلان

رسول اللہ کے ناموس پر قربان ہو جاؤ
مسلمانو! بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ ہو جاؤ

حنینؐ و بدر کا ہندستان میں کھینچ دو نقشہ
کہ سر ہو کفر کا گیندا اور تم چوگان ہو جاؤ

جھکا دو حق کے آگے گردنیں ابنائے باطل کی
نبیؐ کی آن بن جاؤ خدا کی شان ہو جاؤ

یہی راز آج کل ہے ملت بیضا کی وحدت کا
کہ ہفتاد و دو قالب ہو کے بھی یکجان ہو جاؤ

عجم کے دل کو چھینا جس کے ایک آہنگ شیریں نے
اسی چنگ حجازی کی رسیلی تان ہو جاؤ

تمہاری ہڈیاں اینٹیں ہوں جس کی اور لہو گارا
نہ جس کو ڈھا سکے دنیا وہی بنیان ہو جاؤ

بنو غازی کی غیرت جس نے رکھ لی لاج امت کی
عدو اللہ کا ہیبت ربا ایمان ہو جاؤ

نصاریٰ کا طعام اسلام کے بیٹوں کو جائز ہے
بڑے گھر جاؤ اور سرکار کے مہمان ہو جاؤ

یہ سب کچھ ہو چکو جب تم تو کہہ دو جا کے منجی سے
کہ اب ہندو سبھا کے شوق سے پردھان ہو جاؤ

کفر کے دروازہ پر اسلام کی دستک

یاد ایام کہ حق کا نظر آتا تھا جلال
ہر طرف لرزہ براندام تھے باطل کے شعوب

بول بالا تھا زمانے میں مسلمانوں کا
جن کی ہیبت سے سب ابنائے زماں تھے مرعوب

جن کے ہاتھوں کو ملی مشرق و مغرب کی عناں
جن کے قدموں میں گرے آ کے شمال اور جنوب

اگر اسلام کے ابرو میں شکن پڑتی تھی
بید کی طرح لرزتے تھے حریفوں کے قلوب

ایک یلغار میں اسلام پہنچ جاتا تھا
دجلہ کی وادیوں سے تا بکنار ڈنیوب

تخت سے قیصر و فغفور اتر آتے تھے
جب یہ سنتے تھے کہ توحید کے آئے مندوب

آفتاب آج اسی امت کے شکوہ و شاں کا
آہ! ظلمت کدۂ ہند میں ہے رو بہ غروب

کب ان آنکھوں میں سمایا تھا یہ الٹا منظر
کفر غالب ہو اور اللہ کا دیں ہو مغلوب

مجلس وضع قوانین میں لعجز و الحاح
لالاجپت رائے سے کہتے ہیں محمد یعقوب

ترک سے سیکھئے اغیار نوازی کی ادا
لالہ جی اپنے تمدن کے بدلئے اسلوب

دیجئے ہم کو پرایوں ہی کے ترکانہ حقوق — کہ نہیں ان سے زیادہ ہمیں کچھ بھی مطلوب
یہ کہیں حشر کے آنے کے تو آثار نہیں — کفر کا دست نگر دینِ مبیں ہو کیا خوب
علما ہم سے یہ دن رات کہا کرتے ہیں — کہ ہیں گم راہ نصاریٰ تو یہودی مغضوب
بیگماں دونوں سے اس وقت ہیں کس صف میں کم — ہم جو کہلاتے ہیں محبوبِ خدا کے محبوب

اِمتحاں کے یہی انجام ہُوا کرتے ہیں
جمع ہو جاتے ہیں جب اُن میں خُدائی کے عیوب

---

۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء

پیام وقت

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر
عرب کا تاج سر پر رکھ خداوند عجم ہو جا

ہو سرکش سرو کی مانند اگر باطل اٹھائے سر
اگر حق آگے آئے ماہ نو کی طرح خم ہو جا

صنم خانہ میں گو کلیوں کی رعنائی سے پھیر آنکھیں
دوئی سے کٹ کے نیزیوں کی یکتائی میں ضم ہو جا

چراغ دیر سے جل کر بھی آخر راکھ اڑنی ہو
تو پھر شمع حرم سے لو لگا کر ہی بھسم ہو جا

اگر سورج کو شرمانا ہے اپنی ضوفشانی سے
تو بن ابن سعود اور ذرۂ خاک حرم ہو جا

امان اللہ خاں کا درد اپنے دل میں پیدا کر
کف ساقی میں یہ جام جہاں میں دے کے جم ہو جا

سبق اس انکسار نفس کا اب ہم کو ملتا ہے
کہ برکن ہیڈ بڑھے جتنا بھی تو اتنا ہی کم ہو جا

کرانا ہے قلم ہاتھوں کو روداد جنوں لکھ کر
تو اس دور ستم پرور میں میرا ہم قلم ہو جا

پشاور

۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء

بچۂ سقّا کی پُشت پر استعمارِ مغرب کا مشکیزہ

عید الفطر سنہ ۱۳۴۷ھ

گجر دم آج مُسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی — کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

پیوں گا بادۂ لَاتَقْنَطُوْا کے جام بھر بھر کر — خمستانِ عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دیا پیغام نصرت قُدسیوں نے عرشِ اعظم سے — اور اس پیغام کی قندھار سے برقی رسید آئی

سُنا ہے سیستاں میں اک نیا رُستم ہُوا پیدا — بسالت جس کی مرگ آسا سرِ دیو سپید آئی

ہے پُشتِ سقہ پر مشکیزہ استعمار مغرب کا — یہ ہے وہ ماجرا جس کی شہادت چشم دید آئی

کسی کے حصہ میں انعام اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ آیا — کسی کے حق میں مثواہ جہنم کی وعید آئی

شراب آئی وہ بالائے خلافت بھی پئیں جس کو — مگر ہو کر فرنگستان کی بھٹی سے کشید آئی

پشاور سے امان اللہ خاں کی پیشوائی کو — علی گل خاں کی پیہم سعی سے نصر مزید آئی

جب آئی عید کی تقریب اک دُنیا پُکار اُٹھی

کہ ان کے واسطے ساعت یہ آئی اور سعید آئی

سحرِ حلال

دیا ملّت کا روشن باختر سے قیرواں تک ہے
بلند اب بھی مسلمانوں کا جھنڈا آسماں تک ہے

یہ عزت نقش جس کا جلوہ گستر ہے جبینوں پر
فقط خاکِ حریمِ سرورِ کون و مکاں تک ہے

ہوئی جاتی ہیں آنکھیں خیرہ یثرب کے تمدن سے
جھلکتا ہے فروغ اُس کا نظر اُٹھتی جہاں تک ہے

غلط سمجھے ہیں مفہومِ اخوت جو یہ کہتے ہیں
کہ اس جذبے کی گیرائی فقط ہندوستاں تک ہے

اس افسانہ کی رنگینی دلوں کو جس نے تڑپایا
پشاور کے فداکاروں کی نعشِ خونچکاں تک ہے

نصیب اچھے ہیں اُس کے ارمغاں جسکی عقیدت کا
پہنچ جاتا دکن کے خسروِ صاحبقراں تک ہے

ہے نازاں اسلام کو کابل تری خاکِ مقدس پر
مگر امن و اماں تیرا امان اللہ خاں تک ہے

وہ وقت آنے کو ہے جب دیکھ لے گا ایک بیک رویا
کہ فرشِ دیدہ و دل بچھ گیا دارالاماں تک ہے

ملایا برہمن کو شیخ سے اک بات میں جس نے
وہ جادو دانِ لوں پنجاب میں میری زباں تک ہے

سُنّتِ اسلاف

کلکتہ میں ناچی ہیں کراچی کی بلائیں!
معشوقۂ لندن کی یہ ہیں تازہ ادائیں

خیبر کو ملا دیں گی بلبیار سے اک روز
پنجاب سے اُٹھی ہیں جو گھنگھور گھٹائیں

اسلاف کی سُنّت کو کریں تازہ مُسلماں
اور خونِ شہادت کے سمندر میں نہائیں

زنجیر کی جھنکار سے زنداں کو ھلا کر
اُن کو بھی جو فرزانہ ہیں دیوانہ بنائیں

اسلام اور ایمان کی پہلی ہے یہی شرط
میداں میں کفن سر سے لپیٹے ہوئے آئیں

سر پہلے ہتھیلی پہ ہو پھر نوکِ سناں پر
نظارہ پھر اک بار یہ دُنیا کو دکھائیں

بیداد کی لعنت سے کریں پاک وطن کو
آفاق سے آثارِ غُلامی کے مٹائیں

ہے جن کے لئے رازِ بقا موت میں مضمر
پرچم وہی آزادیٔ کامل کا اُڑائیں

خزاں میں بہار

میں طول و عرض کشور میں یہ آج اعلان کر دوں گا — حرم کے ذرّہ ذرّہ پر نچھاور جان کر دوں گا
ہوا اسلام کا اک بال بھی بیکا تو دیکھو گے — ہزار ابنِ سعود اِسلام پر قربان کر دوں گا
کتاب اللہ متنِ دین ہے اور سُنت ہے شرح اسکی — میں ان دونوں سے ملت کی دوبالا شان کر دوں گا
چراغِ کعبہ سے جگ میں اُجالا ہونے والا ہے — ہمالہ کو میں اُس کے نور سے فاران کر دوں گا
بہا دوں گا خس و خاشاک کی مانند باطل کو — جہانِ کفر کی سب بستیاں ویران کر دوں گا
ترے رونے سے کچھ بھی بن سکا اب تک نہ اے ناصح — میں جب رو دوں گا برپا نوح کا طوفان کر دوں گا
مرے خامہ کی گل ریزی کو موسم کی نہیں حاجت — میں پت جھڑ میں بھی گلشن کو بہارستان کر دوں گا

مسلمانوں کو کیا ڈر اُن کے آقا جب یہ کہتے ہیں
کہ میں اُمت کی ساری مشکلیں آسان کر دوں گا

---

۲۱ مارچ ۱۹۲۶ء

اٹک پار

سرزمین بے آئیں ہو چلی ہے باآئیں
حق نے سر نکالا ہے پردۂ پشاور سے

بولٹن سے کب دبتا جذبہ اُس اخوت کا
جو ملا ہی دیتا ہے باختر کو خاور سے

پاسِ وضع داری کا اُن کو ہے تو ہم کو بھی
داوری مسلماں کی ہے خود اپنے داور سے

صدقہ اپنی رحمت کا ایک گھونٹ مجھ کو بھی
ساقی اپنے ساغر کے ظرفِ مستی آور سے

جو نہ تیز نا جانے اے اٹک ڈرا اُس کو
کیوں اُلجھ رہا ہے تو صدیوں کے شناور سے

بھاؤ ہو گیا سستا بائیکاٹ کا اتنا
اب یہ مال ملتا ہے مفت ہر دساور سے

مغربی سمندر اپنی تیزیوں پہ نازاں ہے
شوخیاں ابھی سیکھے مشرقی تگاور سے

حق ہے ہندوؤں کا بھی میری جیب و داماں پہ
لوٹ لیں جو چاہیں جتنے موتی اس نچھاور سے

---

۳۰ نومبر ۱۹۲۷ء

لاتاٰیسوا مِن رُوح اللہ

اقبال کے زوال کا پیغام آ گیا
یہ آفتاب ڈھل کے لب بام آ گیا

برطانیہ کو مل گئی دولت عراق کی
اور حصہ فرانس میں بھی شام آ گیا

فرطِ ادب سے جُھک گئیں یاروں کی گردنیں
سرِ جان سائمن کا جہاں نام آ گیا

رجعت پسند کو نہ ملی جب کوئی دلیل
جھٹ لے کے اک خریطۂ دشنام آ گیا

خوش خوش تھے یہ حریف کہ اتنے میں دفعتہً
لاتقنطوا پکار کے اسلام آ گیا

۱۶ فروری ۱۹۲۸ء

اعتماد علی النفس

اے مسلماں غیر کیوں ہوں تیرے حق کے پاسباں
جب کہ طاقت خود ترے بازوئے فولادی میں ہو

کیا حریفوں کا اُنہیں ڈر جن کو ہو خوفِ خدا
اور پھر اس پر اکثریت جن کی آبادی میں ہو

توڑ ڈالو ایک جھٹکے میں غلامی کی قیود
شیر مردو! تم پلے آغوشِ آزادی میں ہو

بھیج دو پنجاب اُسے اپنی تشفی کے لیے!
شک جسے اسلامیوں کی نکتہ ایجادی میں ہو

---

۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء

قندھار چلو قندھار چلو

چلتی ہے جدھر تلوار چلو
چلتے ہیں جدھر سب یار چلو

بے مایہ ہو یا زردار چلو
دریائے اٹک کے پار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

تقدیر عرب کہتی ہے جہاں
تدبیر عجم رہتی ہے جہاں

بل کھاتی ہوئی بہتی ہے جہاں
دُنیا کے لہو کی دھار چلو

قندھار چلو قندھار چلو

پھر فطرت شور مچاتی ہے
اور سوئے ہوؤں کو جگاتی ہے

ہلمند سے کان میں آتی ہے
تلواروں کی جھنکار چلو!

قندھار چلو قندھار چلو

جذبہ نہ ہو کم آزادی کا!   بھرتے رہو دم آزادی کا
لہراؤ عَلم آزادی کا   اور کرتے ہوئے یلغار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

داڑھی میں چھپا اسلام نہیں   ٹوپی سے ڈھکا اسلام نہیں
اس طرح ملا اسلام نہیں   دم ہے تو مجاہد وار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

---

۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

ربِ کعبہ سے ایک عاجزانہ التجا

کوڑی کے تین تین بکیں گے یہ مولوی
اُٹھ اُٹھ کے لے رہے ہیں جو تثلیث کے قدم

کس کو اِس ابتلا کی خبر تھی کہ ایک دن
ہم پر پہاڑ ہی علماء ڈھائیں گے سِتم

جس کو اُنھوں نے کافر اکفر دیا قرار
جاتے ہی اُس کے کھُل گیا اسلام کا بھرم

دارالامان کے سر پہ قیامت گذر گئی
قہرِ خدا کے پھٹنے لگے آسماں سے بم

وہ گردنیں جو غیر کے آگے جھُکی نہ تھیں
آج اُس کے آستاں پہ نظر آ رہی ہیں خم

اے ربِ کعبہ ہم سے کہاں تک یہ بے رُخی
کیوں ہو گئی تری نگہِ التفات کم

آخر ترے رسُولؐ کے دامن گرفتہ ہیں
جس کے غلام ہوتے ہیں اسکندر اور جم

کب تک رہیں گے دست و گریباں فرنگ سے
کب تک لڑا کریں گے یہ کشتی قضا سے ہم

قندھار کو وہ زور عطا کر کہ عنقریب
پل بھر میں پھر بلند ہو توحید کا علم

---

۹ فروری ۱۹۲۹ء

رجز مرقص

شجاعت کے جوہر دکھاتے چلو — حریفوں کے چھکے چھڑاتے چلو
چلے ہو جو کابل کو قندھار سے — تو تیغ دو دم کو چلاتے چلو
پرائے اور اپنے لئے آزما — مقدر کو بھی آزماتے چلو
رہ حق میں رکھ کر ہتھیلی پہ سر — شہادت کے خوں میں نہاتے چلو
کرو قطع دامانِ صحرا و کوہ — سمندوں کو بگٹٹ اڑاتے چلو
مجاہد ہیں اس وقت خنجر بکف — دل اُن غازیوں کے بڑھاتے چلو
زر و سیم کی ہو ضرورت انہیں — تو انبار ان کے لگاتے چلو
جو دیکھو نشاں کفِ پائے شاہ — تو رستہ میں آنکھیں بچھاتے چلو
فرشتے بھی آجائیں گے وجد میں — امان اللّٰھی نغمہ گاتے چلو

جمایا "زمیندار" نے ہے جو رنگ
مری آہ بن کر اُڑاتے چلو

دُرِّ منثور

ناصح کا رند نہ بن مفت میں بدنام نہ ہو
ظرف ہی جب نہیں عالی تو مے آشام نہ ہو

نہیں سودائے شہادت تو نہ کہلا مُسلم
ہند میں موجبِ رسوائیِ اسلام نہ ہو

اُس سے کافر مرے نزدیک ہے سو بار اچھا
جس مُسلمان کے پیشِ نظر انجام نہ ہو

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

مرغِ دانا سنبھل اور دانہ کے لالچ میں نہ آ
اس کے نیچے کہیں ہم رنگِ زمیں دام نہ ہو

یُوں تو ہے شرمِ پیمبر کی اُنہیں بھی لیکن
جی میں ڈرتے ہیں کہ ناراض کہیں ٹام نہ ہو

نعمتیں خوانِ صحافت کی ہیں ساری بے لطف
اگر اس مائدہ میں لذّتِ دشنام نہ ہو

جب خود اللہ بھی لوگوں کی زباں سے نہ بچا
ہم ہیں پھر کون کہ ہم پر کوئی الزام نہ ہو

نام کالوں کا زمانہ سے مٹا دیں گورے
رحمت اللہ کی دُنیا میں اگر عام نہ ہو

نشأۃ الثانیہ کہتے ہیں جسے کابل کی
کہیں سقے کے لئے موت کا پیغام نہ ہو

رُت جو بدلی ہے تو اس طرح خدایا بدلے
صُبح کی فکر نہ ہو دغدغۂ شام نہ ہو

عِلم بخشا ہے تو دے ذوقِ عمل بھی یارب
عزم ہی کیا ہے وہ جس کے لئے اقدام نہ ہو

استوار اپنے خُدا سے ہو ہمارا رشتہ
تو کبھی بھی گلۂ گردشِ ایام نہ ہو!

۱۱ رمئی ۱۹۲۹ء

کنارِ اٹک پر ہے ندانِ لم یزل کی ہر سبیل مستیاں

اس نظم میں متعدد تلمیحات ہیں گل مست سے گل مست خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور بلبل سے محمد حسین خاں انسپکٹر مراد ہیں جو راقم الحروف اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اٹک پار اُتر کر صوبہ سرحد میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے منجانب حکومت سرحد مامور ہوئے تھے اور جب تک ہم لوگوں کا اٹک کے اس پار دریا خاں میں سا تھ رہا جہاں اہل ڈیرہ اسمٰعیل خاں جلسہ میں شرکت کے لئے آگئے تھے۔ یہ دونوں افسران پولیس اپنے فرائض نگرانی انجام دیتے رہے۔ نواب سیف اللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رئیس اعظم ہیں اور مولوی احمد اس علاقہ کے مشہور مکفر مولوی ہیں جنہوں نے شاہ امان اللہ خاں غازی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا جان بل سے مراد یہاں سر نارمن بولٹن ہیں۔ جو جان بل کے سرحدی نمائندے ہیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ جس سے چاہیں دستارِ فضیلت چھین لیں اور جسے چاہیں عالم بنا دیں۔

اٹک کی موج کی مے گونیاں دیکھ ہیں دریا خاں میں بلبل مست و گل مست
چڑھا ہے نشہ سیف اللہ خاں کو ظفر مست و بخاری مست و گل مست

رہے اک مولوی احمد سوان کو | کرے گا قلقل مینائے مُل مست
نچائیں گے اُسے ننگنی کا ھسم ناچ | کرے گا رقص ہو کر جانِ بُل مست
ہلا دیں گے مسیحیت کی بنیاد | اگر اس بات پر جائیں گے تُل مست

"آلھی حنانہ انگریز گرجب"

مچائیں گے لبِ دریا یہ غُل مست

۱۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

قسمت

ہند میں بستا ہُوا تیمور کا گھر لُٹ گیا
چھین لی انگریز نے دِلی چلو چُھٹی ہوئی
ملک کی پھُوٹی ہُوئی قسمت کو اب کیا روئیے
ایک ٹھوکر میں پھٹی تلّی چلو چھُٹی ہُوئی

ناخنِ مدراس اور عقدۂ بھوپال

کھنڈر اسلام کے مشرق کے ہر ساحل پہ بکھرے ہیں
قیامت بن گیا تثلیث کے بھونچال کا جھٹکا

یہ سمجھے بھی ! کہ چھلکے گی وہی گاگر جو ادھ جل ہو
خرد افروز ہے نظارہ کاشی جی کے پنگھٹ کا

سما جا اے کلیسا کی پری میری ان آنکھوں میں
مگر دل میں اترنے کو خدارا یوں نہ لٹ چھٹکا

میں اے شیخِ طریقت تیرے مکر و فن سے واقف ہوں
تصوّف کا بتا کر بھاؤ کو لے کو نہ یوں مٹکا !

شراب خانہ ساز آئی ہے یثرب کے خمستاں سے
ہے اک اک حوض کوثر قطرہ قطرہ جس کی تلچھٹ کا

دھمک اُس پاؤں کی پھر کان میں پڑنے ہی والی ہے
کمو نڈا تھا کبھی شورِ قیامت جس کی آہٹ کا

وہی تکبیر جو خیبر سے مالا بار تک گونجی!
کراچی سے ملایا چاہتی ہے رشتہ سلہٹ کا

کیا مدراس نے حل عقدۂ بھوپال تنگ آکر
تماشا کب تک آخر دیکھتا آپس کی کھٹ پٹ کا

حیاتِ جاوداں اُس "وقت کے منصورؔ" کا حق ہے
انا الحق کہہ کے جو ہنستا ہوا پھانسی پہ جا لٹکا

۷ر جولائی ۱۹۳۱ء

مجلس اتحاد و ترقی کوچین کے رضاکاروں کا ترانہ

کوچین میں توحید کا نقارہ بجا دو
اک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگا دو

پہنچاؤ ہر اک گوشہ میں اسلام کا پیغام
اور شرک کے اوہام کی بنیاد ہلا دو

اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ
گالی تمہیں دے کوئی تو تم اُس کو دعا دو

سب سے یہ بڑا فرض ہے اس وقت تمہارا
جو تفرقے آپس کے ہیں ان سب کو مٹا دو

چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں
اس رشتہ سے ان دونوں کو آپس میں ملا دو

مومن ہو جھکو اک فقط اللہ کے آگے
مسلم ہو سر اسلام کی عزت پہ کٹا دو

دُنیا کو دکھا دو کہ ہو تم عزم کے پیکر
رستہ میں ہمالا ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دو

زینت جو مدارس کی ہے اور اس کو بڑھا کر
رونق جو مساجد میں ہے چاند اس کو لگا دو

میراث میں تہذیب عرب تم کو ملی ہے
آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچا دو

پھر زندہ کرو شیوہ رسولِ عربی کا
باطل کے ابھرتے ہوئے جذبوں کو دبا دو

دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو

آزاد غلامی سے کرو اپنے وطن کو
اور مرتبہ اقوام میں پھر اس کا بڑھا دو

جیشِ رضاکارانِ کوچین

ہم دانش و حکمت کے انبار لگا دیں گے
کوچین کو مشرق کا غرناطہ بنا دیں گے

ہم قوم کے میمن ہیں دولت کے نشیمن ہیں
اللہ کے رستہ میں دولت یہ لٹا دیں گے

توحید کے بیٹے ہیں کس بات میں ہیٹے ہیں
ہم شرک کی رسموں کو بستی سے مٹا دیں گے

ایماں کے حقائق میں شامل ہیں فرائض بھی
ہم طبقۂ نسواں کو حق اس کا دلا دیں گے

اوقاف کو لے آئے جو اپنے تصرف میں
قرآں کی وعید اُن کو مسجد میں سنا دیں گے

اسراف کے شیدائی شیطان کے ہیں بھائی
اللہ سے خود اس کی تصدیق کرا دیں گے

خوشنودیٔ پیغمبر ہر شے سے مقدم ہے
ہم اپنے بزرگوں کو یہ نکتہ سجھا دیں گے

ناموسِ شریعت کا پاس آپ کو گر ہوگا
ہم آپ کے رستہ میں آنکھوں کو بچھا دیں گے

لیکن اگر ہے منظور تحقیر کھلی اس کی
ہم جنگ کی سیٹی بھی فی الفور بجا دیں گے

ہر گھر میں جہاں ہوگا اسلام کا استخفاف
اُٹھیں گے نہ وہ پھر سے ہم جن کو بٹھا دیں گے

ہم حق کے سپاہی ہیں باطل کی تباہی ہیں
اِک حملہ میں دشمن کو میدان سے بھگا دیں گے

جسموں میں اگر خوں ہے اور خوں میں حرارت ہے
ہم قیدِ غلامی سے ملت کو چھڑا دیں گے

تابوتِ استعمار کی آخری میخ

جس مئے گلرنگ سے سرمست تھے احرارِ ہند
اور بھی ساقی کے جادو سے نشیلی ہوگئی

پیچ گاندھی کی لنگوٹی کا چلے تھے کھولنے
کشمکش میں اپنی ہی پتلون ڈھیلی ہوگئی

تھی کمی جس میخ کی تابوتِ استعمار میں
ہم مسلمانوں کی ضربوں سے نکیلی ہوگئی

گھٹ گیا سونے کا نرخ اور بڑھ گیا چاندی کا بھاؤ
گوری گوری اُن کی رنگت آج پیلی ہوگئی

میرے مینا میں جھلکتا ہے مزاجِ زنجبیل
اور مرے ساغر کی فطرت سلسبیلی ہوگئی

جب اڑائی رتّلِ القرآن ترتیلا کی تان
جبرئیلی ساز تھا گت بھی سریلی ہوگئی

قافیہ تنگ اور زمین سخت اس فضا میں بھی یہ نظم
میرے خامہ کی زباں پر بھی سریلی ہوگئی

---

۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اُس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
مَیں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کے زیر دستوں کا
حریفِ رستمِ دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
مَیں کانگرس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اس کی سُرخی کو
مَیں غازۂ رُخِ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

وہ مشکلیں جنہیں حل جبر کر نہیں سکتا
بزورِ صبر اُنہیں آساں بنا کے چھوڑوں گا

سنٹرل جیل لاہور
۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء

سالِ نو کا ہنگامہ

سنہ ۱۹۳۲ء

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآن کی آیتوں کے فسونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اُس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و اماں جس کی ہے متاع
غارتگروں کی ٹھن گئی اُس کارواں سے جنگ

برق اور دخاں پہ کیوں نہ ہو ایمان خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیر دستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
مورانِ نیم جان کی ہے پیلِ دماں سے جنگ

دھاوا سپاہِ جبر کا ہے خیلِ صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ

ہم ناتواں سہی ہے خدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کرتے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ

ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگ آفتاب سے
خفاش کی عبث ہے شہِ خاوراں سے جنگ

سنٹرل جیل لاہور

سرحد کی شیرنیاں

سرحد کی مجاہد خاتونو! اللہ کی تم پر رحمت ہو
وہ غیرتِ حق کی حرکت تھی جس حرکت کی تم برکت ہو

احسان کی تم تصویریں ہو ایمان کی تم تفسیریں ہو
جنت ہے تمہارے پاؤں تلے تم رازِ حیاتِ اُمت ہو

اے پردگیانِ حجلۂ دیں تم کر گئیں پیدا ذوقِ یقیں!
برہانِ حجاب اس دُنیا میں عقبیٰ میں دلیلِ رویت ہو

اسلام کا نقشہ کھینچ دیا اس نخل کو خوں سے سینچ دیا
جو دھڑکے ہر کافر کے لئے اک پھولتی پھلتی آفت ہو

کوہاٹ میں جو کچھ تم نے کیا لاہور میں ہم سے ہو نہ سکا
یُوں کہنے کو دُنیا کہہ دے گی ہم مرد ہیں اور تم عورت ہو

---

۱۲ / جنوری ۱۹۳۲ء

متصوفین

انوار معرفت

شعرائے یمانی کا طلوع

اوڑھنی سالوس کی بردِ یمانی ہوگئی
یہ مثل مشہور شعری کی زبانی ہوگئی

صوفیوں نے شاعروں کو درسِ قرآں دے دیا
یاد ان کو یتبعھم کی کہانی ہوگئی

کوزہ بھی ہے کوزہ گر بھی ہے گِل کوزہ بھی ہے
بس اسی پر ختم اُن کی لن ترانی ہوگئی

---

۴ نومبر ۱۹۱۸ء

تصوف کی شانِ امامت

مسجد میں تالیاں

آ کے مسجد میں طریقت نے بجا دیں تالیاں
اور جب لُوٹے کا شریعت نے سُنا دیں گالیاں

ڈھونڈتی پھرتی ہے بلبل ڈال ڈال اور پات پات
وہ شجر ہے کس زمیں کا جس کی ہیں یہ ڈالیاں

پھُوٹ کر قرآں سے یہ نکلا تھا دریائے صفا
کیوں بہا دیں صوفیوں نے اپنی گدلی نالیاں

کیا ذرا احمر کی تھی کانِ شریعت میں کمی
آپ نے کانوں میں کیوں پہنی ہیں مِس کی بالیاں

حشر والے دن جنابِ مصطفیٰ ہوں گے ملول
پیش ہوں گی جب تقشف کی یہ خوش اعمالیاں

منہ چڑاتے آپ ہیں کس واسطے اسلام کا
شرع کو بھاتی نہیں یہ آپ کی نقالیاں

بوڑھے غمزوں میں وہ اب اگلی سی رعنائی کہاں
رہ گئیں پیرِ طریقت کے لئے دلالیاں

۷ر نومبر ۱۹۱۷ء

فلسفۂ فرنگ

قامتِ شرق پر بھی راست آئے تو ایک بات ہے
یوں تو ہے جامۂ بدہ زیب فلسفۂ فرنگ کا

رشتۂ سوزنِ یقیں در گرو رفو نہیں
علم قلیل ادھیڑ دے بخیہ قبائے تنگ کا

مجھ کو کیا ہے بائیکاٹ صوفیٔ نقشبند نے
کھینچ کے نقشہ رکھ دیا مغربیوں کی جنگ کا

گوہر شاہوار کو موج ہزار رنگ سے
گر ہو نکالنے کا شوق خوف نہ کر نہنگ کا

۸؍ نومبر ۱۹۱۷ء

متصوفانہ کنکوے بازی

کرلیا میں نے انتظام ڈور کا اور پتنگ کا
چاہیے مجھ کو اب فقط ایک پیالہ بنگ کا

حلقۂ گردنِ نیاز بن گئے گیسوِ دراز
قطع ہوا ہے سلسلہ شرع کے پالہنگ کا

حیّ علی الفلاح کا حکم ہے مرید کے لئے
پیر کو خود ہے مشغلہ بربط و نائے و چنگ کا

اب نہ وہ "ماصفا" رہا اور نہ وہ "ماکدر" رہا
زمزمیوں کے جام میں رنگ ہے آبِ بنگ کا

کشورِ نور پر کیا خیلِ ظلوم نے خروج
ڈال دیا ہے شیشہ سے سنگ نے ڈھنگ جنگ کا

وہم ہوا ہے سرنگوں عقل ہوئی ہے سرفراز
آئینہ کو نہیں رہا وسوسہ کچھ بھی زنگ کا

راہ تو ہے یہ مستقیم ہم ہی نہیں مگر قویم
مرحلۂ نجات کو عذر ہے پائے لنگ کا

۸ر نومبر ۱۹۱۷ء

پختگی اور خامی

خود کام صوفیوں سے یہ کہہ دو کہ خوش نہ ہوں
دن رات شاد کام ہیں ناکامیوں میں ہم

اُمت رسُول کی ہیں امانت خدا کی ہیں
ہیں جنّت النعیم کے انعامیوں میں ہم

تم پر وہ جمال میں ننگِ وجود ہو
گر انتخابِ شرع ہیں بدنامیوں میں ہم

بُت خانۂ ممات کے ناقوسیوں میں تم
اور کعبۂ حیات کے احرامیوں میں ہم

سودائے شرع کی سرِ شوریدہ کو نوید
دیکھیں گے پختگی کو انہیں خامیوں میں ہم

اسلام امتیازِ نسب کا حریف ہے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ہیں اسلامیوں میں ہم

ہندوستاں عرب کے گھرانے میں ہے شریک
کل آریہ تھے آج ملے سامیوں میں ہم

دُنیا میں ہے بلند ہمارے نبی کا نام
خود گرچہ ہیں مٹے ہوئے گمنامیوں میں ہم

گردش میں جامِ مصطفوی حشر تک رہے
کچھ کر کے نام جائیں مے آشامیوں میں ہم

طاغوتیوں سے جنگ تو یزدانیوں سے صلح
ہیں جنگ اور صُلح کے پیغامیوں میں ہم

۲۱ نومبر ۱۹۱۷ء

ہمہ اوست کی بانسری بجانے والے

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

آج دہلی کی ڈاک جب آئی! | تو ملا کھولتے ہی مجھ کو خطیب
نگہِ شوق اس پہ جا ٹھہری | کہ یہ تھا نامہ حبیب لبیب
واحدی پر نثار ہوتا ہوں | کہ میں بیمار ہوں تو وہ ہیں طبیب
"قند آمیختہ بہ گل" لیکن | نہیں مجھ سے مریض کو بھی نصیب
وہ ہے قسمت حسن نظامی کی | کہ وہ میرے حبیب سے ہیں قریب
یوں ہوں دُور اس لئے مجھے دُشنام | جو ملیں تو نہیں یہ بات عجیب
مگر ان گالیوں میں بھی ہے مزہ | "کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب

گالیاں کھا کے بد مزا نہ ہوا"

دہلوی طریقت

خواجہ سے ایک وزِ تصوف نے یہ کہا
طامات تا کجا و خرافات تا بہ چند

کیوں واحدی کو درسِ طریقت دیا گیا
اس سے تو کچھ سوا تھی شریعت ہی سودمند

گفت ایں کرشمۂ نفسِ مشکبارِ اوست
پیرانِ پارسا کہ دم از عشق می زنند

آئی فلک سے کان میں احسنت کی صدا
یہ نظم دل کشا ہے فرشتوں کو بھی پسند

خیال آرائی

نام لیوا شرع کا ہے اور روش آزادہ ہے
کیوں نہ ہو آغرِ ولی ہے اور خواہر زادہ ہے

پوچھنا کیا صوفیوں کی بزمِ زنگار رنگ کا
یہ وہ محفل ہے کہ اس میں سادہ ہے اور بادہ ہے

ہیں تصوّف کے زمانے میں یہی اب دو نشاں
خرقہ رہنِ تاش ہے اور وقفِ مے سجادہ ہے

یہ تصوّف بن گیا آکر کہاں سے سنگِ راہ
رہرووں کو تو فقط اسلام میں جادہ ہے

کتنے پانی میں ہیں صوفی دیکھ لوں گا میں ابھی
شعر کہنے پر مری طبعِ رواں آمادہ ہے

گیسوؤں والے کی صورت پر مرا دل ہے نثار
آنکھ نرگس ہے دہن شکر ہے لب بیجادہ ہے

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

ہم کو نا پسند ہے تصوف کی — کہ بدنیائے دوں خیال مبند

ہمہ ہیچ است کارِ ایں دنیا — ہیچ را از برائے خود مپسند

بہت اچھا یہ فلسفہ ہے مگر — صوفیہ خود بھی اس کے ہیں پابند؟

کیا ہماری ہی گردنوں کے لئے — رہ گئی ہے نجات کی یہ کمند

خود ہی جب اُس سے مست ہوں ناصح — ہے عبث آپ کی نصیحت و پند

منع ہم کو ہے گڑ کی بھیلی بھی — آپ پیتے ہیں گھول گھول کے قند

ہم رہیں جھونپڑوں کے اندر اور — آپ کا قصر ہو رفیع و بلند

آپ "فص" بھی پڑھیں تو ہو وہ "نص" — ہم جو "نص" بھی پڑھیں تو ہو "پازند"

وہی حضرت ہیں پوٹ چندے کی — جن کی ہے بات بات میں ناچند

کہہ گئے خوب ہی چچا سعدیؒ — ترکِ دنیا بہ مردم آموزند

خویشتن سیم و غلہ اندوزند

۲۲ر نومبر ۱۹۱۷ء

ہمہ اوست یا ہمہ ازوست

جو سوراج کے حامی ہیں — سچے انتریامی ہیں
لاج انہیں سے لوک کی ہے — دیش بھگت جو سوامی ہیں
رام نے رادھا روپ لیا — بن گئے ایشر نامی ھیں
کیوں اس رنگ میں خود بھگوان — کر رہے اپنی غلامی ہیں

دیکھئے اس پر کیا اپدیش
دیتے خواجہ نظامی ہیں

الجنّۃ تحت ظلال السیوفّ

کہتے ہیں یہ صُوفی کہ ہے فردوس حق اُس کا
جس پر ہو شکم گنج کی دیوار کا سایہ
لیکن ہے پیمبرؐ کا یہ ارشاد کہ جنّت
مِلتی ہے اُسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ

صُوفی ہے وہی جس کو خدا سے ہو سروکار
صُوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دار و رسن سے
جب خود سرِ منصور پہ ہے دار کا سایہ

اللہ کا سایہ ہے "زمیندار" کے سر پہ
پنجاب کے سر پہ ہے "زمیندار" کا سایہ

۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

ما را نص باید نہ فص

خیز تا خرقۂ صوفی بہ خرابات بریم

کچھ اے حال والو سمجھتے بھی ہو تم
معمائے راز حیات امم کو

جو قوت ہو بازو میں اور دل میں ایمان
تو ہستی مٹا دے گی نقش عدم کو

سمجھ کر مگر موت کو زندگی تم
تصوف کی پٹی پڑھاتے ہو ہم کو

بہایا ہے اسلام کا خون تم نے
پھر اس خون سے کرتے ہو رنگیں حرم کو

گرایا زمیں پر ہمیں آسماں سے
بنایا گدا تم نے دارا و جم کو

خدا تم کو شرمائے تم نے بنایا
مرادف الف لام میم اور الم کو

ولایت کو سمجھا رسالت سے افضل
خدا کی جگہ پوجتے ہو صنم کو

طریقت تمہاری شریعت ہماری
مبارک تمہیں نیش اور نوش ہم کو

یہاں آؤ قرآن تم کو پڑھائیں
لئے پھرتے ہو کیا فصوص الحکم کو

تجاہل عارفانہ

خُدا کیا ہے؟ پوچھا شریعت نے اک دن
تصوّف کڑک کر پکارا ھُوَ الکُل

وہی باغ ہے اور وہی باغباں ہے
وہ ہے خود ہی گُل اور ہے خُود ہی بُلبل

مکاں بھی وہی ہے مکیں بھی وہی ہے
صُراحی بھی ہے خود ہی اور خود ہی قلقل

کبھی ہے وہ موسےٰ کبھی سامری ہے
کہیں وہ علی ہے کہیں ہے وہ دُلدُل

ابھی تھا وہ وامق ابھی ہے وہ عذرا
وہ اس کا تضرع یہ اُس کا تجمل

جل خر بھی ہے خود ہی اور خر بھی خود ہی
وہ اُس کا تذلل یہ اُس کا تحمل

زمیں بھی وہی ہے زماں بھی وہی ہے
وہ اس کا تکاثف یہ اُس کا تخلخل

شریعت نے لاحول پڑھ کر کہا یوں
یہ جا کر کسی اور کو دیجئے جل

جہالت کو سمجھی تھی میں سوفیانہ
مگر یہ تو ہے عارفانہ تجاہل

خدا کیسے خالق ہو مخلوق بھی ہو
حقیقت سے ہے دُور دورِ تسلسل

۲ر نومبر ۱۹۱۷ء

اسلام کی مُشکلات

پھر شور ہے قبوں کا اور زور ہے جبّوں کا　　طبلہ ہے طریقت کا اور تھاپ ہے افرنجی

"باز م بخروش آور اے ذوقِ نوا سنجی"

جُوتا ہے شریعت کا اسلام کے ہاتھوں میں　　اے کفر تری چندیا پھوڑنے کو ہے گنجی

"باز م بخروش آور اے ذوقِ نوا سنجی"

نجدی نے بچھا دی ہے یثرب کی حویلی میں　　سُنّت کی چٹائی پر توحید کی شطرنجی

"باز م بخروش آور اے ذوقِ نوا سنجی"

غیروں کو ہنساتے ہو اپنوں کو رُلاتے ہو　　کب تک یہ مُسلمانو! آپس کی شکر رنجی

باز م بخروش آور اے ذوقِ نوا سنجی

---

۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء

سیناستان

پیر کی اقتدا میں گر قصر ہو عصر کی نماز
کیا عجب اس سے منکشف مجھ پہ بھی خسر کا ہو راز

بادۂ اُمنُوْ پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلعِ فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جامِ مُتِمُّ نُوْرُہٖ
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دعوتِ اُدع ہو گئی در گروِ اِذ اذعان
یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز

دینِ قویم مصطفٰے رحمتِ عام ہو گیا
آتے ہی اس کے اٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

لعل نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

میرے لئے هُوَ الَّذِی آپ کے واسطے اَنَا
آپ کو مجھ پہ اعتراض آپ سے مجھ کو احتراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

تاجوروں کے رشک کو خاکِ در بنی ہُوئی
سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاذ[1]

جس کی تمہیں خبر نہیں شانِ رسُول ہی تو ہے
جس نے زمین خشک پہ آ کے چلا دیئے جہاز

عالمِ اعتبار ہے سلسلۂ امید و بیم
شرطِ ہبوط ہے صعود وجہ نشیب ہے فراز

مسلمِ سادہ کا بھی صاد اس پہ ہو گیا ضرور ہے
شوق سے لیجئے نکال کفر کی صُورت جواز

علتِ اولین ہے وہ علتِ آخریں ہے یہ
غور جو کیجئے تو ہے ایک بروز او ربراز

---

۷ نومبر ۱۹۱۷ء

[1] تبدیل الذال بالزا بقاعدہ سخنوران عجم

تکمیلِ ایماں

زکوٰۃ اچھی حج اچھا روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

دل ان کے خوفِ غیر اللہ سے خالی نہ ہوں جب تک
مسلمانوں کی آزادی کا ساماں ہو نہیں سکتا

وہ ہوگا اور ہی کوئی جو رکھتا ہو لگی لپٹی
میں اپنی صاف گوئی پر پشیماں ہو نہیں سکتا

عتابِ انگریز کا ان سب ہی باتوں کی قیمت ہے
قیامت تک مرا رخ اس سے ارزاں ہو نہیں سکتا

لگائیں مجھ پہ فتوے کفر کے یہ پیر سب مل کر
میں ان کے الٹی میٹم سے ہراساں ہو نہیں سکتا

---

۲۵ مئی ۱۹۲۹ء

مغربی تہذیب

مغربی جادو کے ڈورے

جدید وضع کے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں
ہمارے طور طریقے بدلتے جاتے ہیں!

دکھائی ہے ہمیں تہذیب مغربی نے جو راہ
ہم آنکھ بند کئے اُس پہ چلتے جاتے ہیں

بھڑک رہا ہے کچھ اس جوش سے تنور فرنگ
کہ دیں کی برف کے تودے پگھلتے جاتے ہیں

دیارِ غرب کی مٹی کچھ ایسی چکنی ہے
بڑے بڑوں کے قدم بھی پھسلتے جاتے ہیں

اُگل رہے ہیں جنہیں ریزہ چینِ خوانِ مسیح
مزے سے ہم وہی لُقمے نگلتے جاتے ہیں

حرم کے رستے سے کاٹی ہے شیخ نے کنّی
تو بُتکدے سے برہمن نکلتے جاتے ہیں

جب اپنے عہد پہ قائم نہ رہ سکے بندے
خدائے پاک کے وعدے بھی ٹلتے جاتے ہیں

محمدؐ عربی کا یہ معجزہ سمجھو
اگر عرب کے مسلماں سنبھلتے جاتے ہیں

قانونِ وقت

حق کا نہ کر اظہار کہ قانون یہی ہے
فرماتی ہے سرکار کہ قانون یہی ہے

خود محتسبِ وقت ہے اک رندِ بلانوش
مے سے نہ کر انکار کہ قانون یہی ہے

ہے جرم یہ جس کا کہ خدا ایک ہے اُس کا
ہوگا وہ گرفتار کہ قانون یہی ہے

ڈھائے جو تیرے سامنے اللہ کے گھر کو
بن نقشِ بدیوار کہ قانون یہی ہے

پھٹ جائے جو تِلی تو نہ ٹھوکر سے گلہ کر
مر کر بھی نہ دم مار کہ قانون یہی ہے

کیڑوں کی طرح پیٹ کے بل رینگے اُن کو
شکریہ کے دے تار کہ قانون یہی ہے

فتویٰ علما کا ہو کہ گاندھی کی نصیحت
دونوں سے ہو بیزار کہ قانون یہی ہے

ننکانہ کو چل آگ میں جل راکھ کا ہو ڈھیر
رہ پھر بھی وفادار کہ قانون یہی ہے

کرنی ہے تجھے سیر اگر باغِ گرو کی
پٹ جا سرِ بازار کہ قانون یہی ہے

گدی سے اُتر راج کو چھوڑ اور کرا قرار
ہوں میں ہی خطاوار کہ قانون یہی ہے

اس پردہ زنگار میں نغموں کے عوض سُن
زنجیر کی جھنکار کہ قانون یہی ہے

آوازۂ منصور کو کہتے ہوئے لَبَّیْکْ | دوڑے رسن و دار کہ قانون یہی ہے
جینے کی تمنّا ہو گر اس عہد میں تجھ کو | مرنے کو ہو تیار کہ قانون یہی ہے

گھر بار لٹانا ہو جسے حق کی طلب میں
بن جائے "زمیندار" کہ قانون یہی ہے

۲۹ر جولائی ۱۹۲۲ء

مارشل لا

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی
تو قابلِ دید کے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی

جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھے
کہ بوندیں ہیں یہ اہلِ ہند کے خونِ تمنّا کی

خدا کے قہر کی بجلی گرا کرتی ہے ظالم پر
مگر پنجاب میں اس برق کے مظلوم تھے شاکی

مساوات اس کو کہتے ہیں کہ مشقِ قطعِ اعضا میں
نہ بوڑھوں ہی کو دیکھا اور نہ بچوں ہی کی پروا کی

جنابِ اوڈوائر کی بم اندازی کے کیا کہنے
ثریٰ کے بسنے والے سیر کرتے تھے ثریّا کی

ہمارے بازوؤں کی دھجیاں اُڑتی تھیں گردوں پر
ہماری ٹانگ کے تسمے خبر لاتے تھے جوزا کی

یہ صورت تھی ہماری خواہ مسلم خواہ ہندو تھے
یہ حالت تھی جنابِ جارج پنجم کی رعایا کی

---

۲۷ مئی ۱۹۲۰ء

تہذیب

لاش مہدی کی جلا دی واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اُڑا دی واہ کیا تہذیب ہے

ضد تو اس کو دیں سے تھی لیکن معین الدینؒ کی
قبر پہ گولی چلا دی واہ کیا تہذیب ہے

راہزن تو خود ہے لیکن تہمت اپنے پیشہ کی
اولیاؤں پر جما دی واہ کیا تہذیب ہے

کہتے کہتے وعظِ امن اور دیتے دیتے درسِ صلح
خون کی ندی بہا دی واہ کیا تہذیب ہے

تاکہ اپنے لمپ میں جو تیل ہے وہ تھڑ نہ جائے
آگ موصل میں لگا دی واہ کیا تہذیب ہے

گر کسی اخبار نے لکھ دی کوئی بے لاگ بات
اُس کی جھٹ قرقی کرا دی واہ کیا تہذیب ہے

قابلیت کی جب اک شرط پوری ہو چکی
قید رنگت کی بڑھا دی واہ کیا تہذیب ہے

خاکساروں سے اکڑ کر سر پھروں کے سامنے
عجز سے گردن جھکا دی واہ کیا تہذیب ہے

جس نے پیمانِ وفا باندھا اُسی کم بخت کو
اپنے پیماں کی سزا دی واہ کیا تہذیب ہے

یار سے چھینا برار اور جب کیا کچھ اُس نے عذر
جنگ کی دھمکی سنا دی واہ کیا تہذیب ہے

دوستی کے پردے میں ہر قوم سے کی دشمنی
ایک عالم کو دغا دی واہ کیا تہذیب ہے

مغربی تہذیب کے پتلے

سُنو اچھی طرح اے مغربی تہذیب کے پتُلو
کہ ہم اتنا ہی اُبھریں گے دباؤ گے ہمیں جتنا

سنبھل کر ڈالیے گا ہاتھ صاحب صنفِ نازک پر
کہیں محشر نہ بن جائے یہ عورت ذات کا فِتنہ

کچھ کے ان کی سنگینیں کہاں تک دیں گی سینوں میں
ذرا ہم بھی تو دیکھیں اُن کے بازو میں ہے دم کتنا

وہ چنگیزی یہ انگریزی وہ قہریلی یہ زہریلی
ہلاکو اور ویجوڈ بن کی فطرت میں ہے فرق اتنا

جئیں گے کب تک آخر بال میں یہ ناچنے والے
چھڑا ہے قاف سے تا قاف آہنگِ اِذَا امِتْنَا

۱۰ر جولائی ۱۹۳۰ء

سنٹرل جیل لاہور

یوم کرسمس

آج جن کی یہ خطا ہے کہ ذرا کالے ہیں / پی رہے ہیں اُن کا لہو جیل کے رکھوالے ہیں
کبھی کولہو کی مشقّت کبھی چکّی کا عذاب / جس سے ہاتھوں میں بچاروں کے پڑے چھالے ہیں
گوشت اور خون کے پُرزے ہیں جو انگریزوں نے / قیصریت کی مشینوں کے لئے ڈھالے ہیں
قید گورے بھی ہیں چوری میں مگر اُن کے لئے / جیل سرکار نے گلزار بنا ڈالے ہیں
ہم کسی بات میں کم اُن سے نہیں ہیں لیکن / اس کو کیا کیجئے وہ گورے ہیں ہم کالے ہیں
رنگ کے فرق پہ موقوف ہے قانونِ فرنگ / یوں نکلتے نئی تہذیب کے دیوالے ہیں
ہوگئے کس لئے نسل کے سب ارکاں خاموش / وہ بھی کیا ان ستم آرائیوں کے آلے ہیں
اے خدا کیوں نہیں مظلوم کی سُنتا فریاد / پڑ گئے کیا ترے دربار میں بھی تالے ہیں
سُرخ پوشوں کی زبانوں پہ ہے تکبیر کا شور / اور سینوں میں دبے نیم شبی نالے ہیں
کملی والے تری اُمّت کو نہ کمل بھی ملے / ٹوپی والوں کو اڑھائے گئے دوشالے ہیں

بڑے دن کا یہی احرار کو انعام ملا
کہ زد و کوب سے جانوں کے پڑے لالے ہیں

ہو گئیں زندہ روایاتِ اُحد زنداں میں
دانت ٹوٹے ہیں اُنہیں کے جو خدا والے ہیں

یوں ہی ہوتا رہا اسلام تو یہ نکلیں گے
عرش پر جلنے مکافات کے پرنالے ہیں

نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
کہہ دو اُن سب سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ر دسمبر ۱۹۳۰ء

ترانہ جنگ

اے ملّتِ بیضا تیری شوخی ہے نمودار
ہر راہ میں اَب تک ترے نقشِ کفِ پا سے

اے سطوتِ کبریٰ تری تلوار کی جھنکار
سُنتے ہیں کان اَب بھی دو عالم کی فضا سے

آفاق میں اَب تک ترے تقدیر کا طغرا
آراستہ ہے سُرخیِ خونِ شہدا سے

یہ سچ ہے کہ دُنیائے صلیبی کی عَداوت
لپٹی ہُوئی ہے بن کے بلا تیرے لوا سے

گردش تری قسمت کی ہیں پطرس کے پڑوتے
بجلی ترے خرمن کی ہیں پاپا کے نوا سے

ہر گوشۂ عالم میں کلیسا کے پرستار
اَب تک ہیں بدستور ترے خُوں کے پیاسے

لیکن عَلَمِ حق نہ جُھکا ہے نہ جُھکے گا
باطل کی فضاؤں میں ہیں پیٹر کی دُعا سے

پھر سر سے لپیٹ اس کفنِ نور کو اِک بار
لائے تھے جسے بدر کے میداں میں حرا سے

اعدا کی صفوں کو اُلٹ اس طرح کہ پیدا
ہو غلغلہ احسنت کا ارض و سما سے

مرنا ہے تو مر جادۂ شاہ دو سرا میں
ڈرنا ہے تو ڈر ایک محمدؐ کے خدا سے

مشہد مقدسؔ پر روسی گولہ باری

سر ایڈورڈ گرے ناظر صیغہ خارجہ برطانیہ سے گلہ

(یہ وہ تاریخی نظم ہے جو راقم الحروف اور روزنامہ "زمیندار" کے عمر بھر کے مصائب و نوایب کی تمہید بن گئی)

(۱)

امام ثامن ضامن حریمش چوں حرم آمن — زمیں از عزم او ساکن سپہر از عزم او پویا
ہژبر بیشۂ امکاں نہنگ لجۂ ایماں — ولیؔ ایزد منان علیؔ عالیٔ اعلا
نہال باغ علییں بہار مرغزار دیں — نسیم روضۂ لیسیں شمیم دوحۂ طٰہٰ
سحاب عدل را ازالہ ریاض شرع را لالہ — خرد بر چہر او والہ روان از مہر او شیدا
رخش مہر فروزندہ لبش یاقوت ارزندہ — ازاں جاں خرد زندہ ازیں نطق سخن گویا
ز جودش قطرۂ قلزم ز رویش پرتوے انجم — جنابش قبلۂ مردم رواقش کعبۂ دنیا
ستارہ گوئے میدانش ہلال عید چوگانش — ز نعل سم یکرانش غبارے تودۂ غبرا
قمر رنگے ز رخسارش شکر طعمے ز گفتارش — بشر را مہر دیدارش نہاں چوں روح در اعضا

نظامِ عالمِ اکبر قوامِ شرعِ پیغمبر — فروغِ دیدۂ حیدر سرورِ سینۂ زہرا
رضائے او رضائے حق قضائے او قضائے حق — دلش از ماسوائے حق گزیدہ عزلت عنقا
ردائے قدس پوشیدہ بہضم نفس کوشیدہ — ببزمِ اُنس نوشیدہ مے وحدت ز جامِ لا
مے از مینائے لا خوردہ سبق از ماسویٰ بردہ — وزاں پس سر برآوردہ ز جیبِ خانۂ اِلّا
زدہ در دشتِ لا خرگہ کہ لا معبود اِلا اللہ — ز کاخ نفی جستہ رہ بخلوت گاہ استثنا

ہمیں نو بادۂ آدم ہمیں پیرایۂ عالم
چو خیر المرسلین محرم بخلوت گاہ اَو اَدنیٰ

(۲)

ہُوا جس کی ثنا میں تر زباں اس طرح قاآنی — وہ تھا اپنے زمانہ میں بلاشک شانِ یزدانی
ابھی تک یادگار اُن کی ہے باقی مشہدِ سر میں — مُسلمانوں کو پہنچے اُس سے جو فیضِ روحانی
مزار اُس کا ہے مرکزِ خلق کے حُسنِ عقیدت کا — پہنچتے ہیں وہاں مازندرانی اور خراسانی
عرب سے اور عجم سے مورچھل لے کر ارادت کا — مُسلماں کر رہے ہیں اُس کے مرقد کی گل افشانی
قسم مامونِ عباسی نے کھائی جس کی حرمت کی — نگہباں جس کی تھی عباسِ اعظم کی جہانبانی
جہاں جاروب کش پلکیں ہوئی ہیں کج کلاہوں کی — ادب سے چومتے ہیں جس کو ایرانی و تورانی
وہ مرقد جس کے گنبد کی طلاکاری سکھاتی ہے — فلک پہ قرصِ خورشیدِ درخشاں کو زر افشانی

اسی مرقد کو ڈھانے آئے ہیں وا حسرتا روسی
فنا گستر ہے جن کی توپ کے گولوں کی غلطانی

نکل کر اشقیا کا لشکر آیا ہے جہنم سے
ہے بھرتی سسکیاں ایراں میں مسلم کی گرانجانی

جوان و پیر و طفل و زن ہوئے سب قتل مشہد میں
کہ گذرا سر سے کُلُّ مَن عَلَیہَا فَانٍ کا پانی

وہ روضہ جس کے خادم تھے ملائک آہ کل شب تک
سپرد ابلیس کے ہوتی ہے اُس کی آج دربانی

سر ایڈورڈ آج آتش زیر پا سارے مسلماں ہیں
پریشاں کیوں نہیں کرتی تمہیں اُن کی پریشانی

مُسلماں ایک ہیں اس واسطے غم ایک ہے اُن کا
حقیقت کس لئے اب تک نہیں تم نے یہ پہچانی

لگایا رُوس نے پہلوئے مسلم میں وہاں چرکا
یہاں لاتی ہے رنگ اس زخم کی خونابہ افشانی

ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا، بر ملا سُن لے
یہ نکتہ جس میں مضمر ہے حقیقت ایک یزدانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاج سُلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

۱۹۱۲ء

نئی صلیبی جنگ

مسیحیوں اور مسلموں میں یہ جنگ جس وقت سے ٹھنی ہے
بدن کو دیتی ہے رُوح دھمکی کہ آ گیا وقت جانکنی ہے

سمجھ رہے ہیں یہ اہلِ یورپ کہ ہم مسلماں کو لُوٹ لیں گے
کہ اس میں کس بل نہیں ہے کل کا وہ آج کمزور منحنی ہے

ہُوا ہے ایماں جہاں سے رُخصت اُٹھا ہے انصاف کا جنازہ
جہاں میں چھا جائیگا اندھیرا یہی جو یُورپ کی روشنی ہے

رہی سہی راستی کا جلوہ ہے ایک انگلینڈ میں نمایاں
مصیبتوں کے سیاہ بادل سے اک فقط یہ کرن چھنی ہے

وہی بھروسہ ہے سب سے بہتر جو اپنے اوپر ہو اور خدا پر
نہ دوست سمجھو کسی کو اپنا کہ دوستی اہل دشمنی ہے

بتا رہی ہے دراز دستی اطالیہ کی طرابلس پر
کہ آج کشور کشا وہی ہے جسے ذرا مشق رہزنی ہے

ڈریں حریفانِ کینہ پرور کہ وار کرنے کو ہیں مُسلماں
دُعا ہے اسلامیون کا نیزہ اثر اسی نیزہ کی انی ہے
خمیدگی تیغ کی جو دیکھی تو مومنوں کو یہ نکتہ سُوجا
کہ ہاتھ رہتا ہے اُن کے میدان شعار جن کا فروتنی ہے
اطالوی مِسّ[1] ہوئی مُسلماں ملا اُسے حق سے نورِ ایماں
چراغ پا ہیں جناب پاپا عجب تماشا یہ دیدنی ہے
ہماری کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے تری دُعا نے
تری توجہ سے یا محمدؐ ہماری بگڑی ہوئی بنی ہے

سنہ ۱۹۱۱ء

[1] یہ وہی مِس صاحبہ ہیں جن کے متعلق اطالوی کونسل متعینہ کاکنہ نے اخبارات میں اعلان کیا تھا۔ کہ مسلمانانِ طرابلس نے ان کو بجبر حلقہ بگوشِ اسلام بنا لیا تھا۔

تُرک اور اطالوی

خُدا کا ہو غضب اٹلی پہ نازل — دیا جس نے مسلمانوں کو چرکا
کیا ہے جس نے خونِ بیگناہاں — لیا ہے جس نے ٹھیکہ شور و شر کا
دیئے تُرکوں کو جھوٹے جس نے الزام — بنایا ہے کبوتر جس نے پَر کا
گھمنڈ اپنے جہازوں پر ہے جس کو — سبق بھولا ہے جو اَینَ المفر کا

دیا اس کو خدا نے طوقِ زریں — یہ رتبہ ہو گیا عیسیٰ کے خر کا
ہُوا پالان میں مجروح ایسا — کہ پھر اسلام کا تازی نہ سر کا
مقدر ہے مرا دھوبی کا کُتا — نہ اس کو گھاٹ کا سمجھو نہ گھر کا
یہ دُنیا سچ ہے سجن المومنین ہے — یہی ارشاد ہے خیر البشر کا

ہُوا اٹلی پہ نازل قہرِ یزداں — نہیں شکوہ دعا کو اب اثر کا
لگے بھونچال سے کشتوں کے پُشتے — نمونہ بن گیا روزِ مستقر کا
جہاز اک غرق اُس کا ہو گیا ہے — یہ پہلا وار ہے دورِ قمر کا

چٹانیں بھی ہوئیں ہمدرد ٹرکی — مزہ ریوٹر نے چکھا اپنی ٹر کا

کیا ہیضے نے اُس کا ناک میں دم — ادھر کا اب ہوا ٹلی یا ادھر کا

ہوئی معلوم قدرِ عافیت جب — پڑا تھپیڑ قضا کا اور قدر کا

ہوا ہے ناطقہ اے مشرکو بند — خدا کے سامنے زور اور زر کا

لڑے گا کیا مسلمانوں سے اٹلی — تقابل کیا شغال اور شیر نر کا

اُڑانے کو ہے ٹرکی کوئی دم میں — پھریرا نصرت و فتح و ظفر کا

فرشتے ہیں مددگارانِ اسلام — یہ لشکر ہے دعا ہائے سحر کا

خدا ترکوں کی فرمائے گا امداد
تصدق احمدِ مرسل کے سر کا

کارزارِ طرابلس

چمک اے تیغِ رُوما کا نشاں ہے تو مٹانے کو
گرج اے توپ اٹلی کے دُھوئیں ہے تو اڑانے کو

چڑھ اے ایماں اُس چوٹی پہ جس پر کفر قابض ہے
بڑھ اے اسلام اور شوکت دکھا اپنی زمانے کو

ابھی تک گونجتی ہے کان میں آواز خالدؓ کی
سُنیں گے ہم نشیں سے ہم اُسی اگلے فسانے کو

مسلماں لاکھ بودے ہوں مگر نامِ محمدؐ پر
خوشی سے اب بھی حاضر ہیں وہ اپنے سر کٹانے کو

خبر لیں خرمنِ اٹلی کی اُٹھ کر حضرتِ پاپا
کہ لشکر ترک کا ہے برقِ مضطر تلملانے کو

یہ پوچھے آسماں پر جا کے عیسیٰ سے کوئی کہہ دے
کہ نکلی آپ کی اُمت ہے قصرِ امن ڈھانے کو

تری تعلیم نے اُن کو بنایا گرگِ مردم در
تجھے اے پوپ بٹھایا پطرس نے جو بھیڑیں چرانے کو

یہ ڈاکو وہ بھی اُن سے چھیننے پر ہیں تلے بیٹھے
مسلمانوں کو رُوکھی سُوکھی جو ملتی ہے کھانے کو

نہ مارا چھاپہ کیوں الجیریا پر اہلِ اٹلی نے
یہیں کیا مشعلِ تہذیب باقی تھی جلانے کو

بنایا ہے خدا نے منتخب تجھ کو زمانے کا
اُٹھ اے برطانیہ امن و اماں قائم کرانے کو

ہماری طرح عالم کے مسلماں جان و دل سے
تجھے حاضر ہیں سر پر اور آنکھوں پہ بٹھانے کو

مسلمانوں کے دل کی آرزو اُس وقت پوری ہو
کہ انگریزی میں سُن لیں جارج پنجم اس ترانے کو

نالۂ صبح گاہی

حد بھی ہے کوئی اس ستم بے حساب کی
کب تک بُروں کی جان کو رویا کریں گے ہم

کیا یوں ہی جاگتی رہے گی قسمتِ فرنگ
اور یوں ہی اس کے سایہ میں سویا کریں گے ہم

بٹہ لگائے جائیں گے مذہب کے نام پر
ملت کی آبرو کو ڈبویا کریں گے ہم

آنکھیں بچھائے جائیں گے غیروں کی راہ میں
کانٹے خود اپنی راہ میں بویا کریں گے ہم

بنیاد ڈھائے جائیں گے ارکانِ شرع کی
جو پا چکے ہیں اُس کو بھی کھویا کریں گے ہم

دِل کو پگھلنے کے لئے ایک عمر چاہیئے
جس سے جبیں کے داغ کو دھویا کریں گے ہم

آویزش ہلال و صلیب

جنگِ طرابلس

۱۹۱۲ء

کھیل بچوں کا جسے سمجھا تھا اٹلی نے وہ جنگ
کر رہی ہے قافیہ اس کے جوانمردوں کا تنگ

خاک بن کر اُڑ گئی روما کے دل کی آرزو
خون ہو کر بہ گئی پاپا کے پہلو کی امنگ

اینٹ کا کھڑکی کری پتھر محمد کا چلا
قول سعدی ہے کلوخ انداز را پاداش سنگ

ہیں تیرے بیڑے ہمارے آگے اے اٹلی حباب
ہم ترے ایروپلینوں کو سمجھتے ہیں تپنگ

نعرۂ اللہ اکبر جب زباں پر آئے گا
تیرے ہاتھوں سے چھڑا دیں گے ہم اے دما تفنگ

جھونک دی اٹلی نے چشمِ روشنِ املی میں خاک
چڑھ گیا آئینۂ انصاف پر یورپ میں زنگ

آسماں سے ابنِ مریم آج اُتر آئیں اگر
دیکھ کر اخلاقِ روما بے گماں رہ جائیں گے دنگ

دل میں تھا روِ نی ہوا اور حرص کا پوشیدہ چور
سر سے فرعونی نمود اور کبر کی ظاہر ترنگ

مدعا یہ ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام
واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذرِ لنگ

ناتواں وقف لگد کوب توانا ہو گئے
چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو نگلے جاتے ہیں نہنگ

کیا اسی شائستگی پر ہے مسیحیت کو فخر — کیا یہی تہذیب ہے سرمایۂ نازِ فرنگ
آج کل یورپ میں قوت اور تعصب کا ہے زور — بادشہ ڈنٹر پیلتے ہیں پادری پیتے ہیں بھنگ
کیوں پڑھاتا ہے سبق شاگرد کو ایمان کا — جبکہ خود ایمان سے عاری ہے استادِ فرنگ

بے گناہوں کے لہو کی بہہ رہی ہیں ندیاں! — خاکِ ایراں خونِ عصمت سے ہوئی ہے لالہ رنگ
آج ایراں ہے تو کل کابل کی باری آئے گی — گر یہی ہے روسیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ
آہ اے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے — سینٹ پیٹرسبرگ جب مضراب اور لندن ہو چنگ
اب بھی سر ایڈورڈ کاش اپنا طریقہ دیں بدل — ہو گر انگلستان کا ان کو کچھ بھی پاسِ نام و ننگ

یوں ہی مسلم اور ہندو اس دیس میں مل جائیں گے — مل گئیں پریاگ میں جس طرح جمنا اور گنگ
اتحاد اس ملک کا مشکل نہیں ہے جس میں ہو — ایک تہذیب ایک بولی ایک صورت ایک رنگ

ناخنوں سے گوشت ہو سکتا نہیں ہرگز جدا
چھوٹ سکتا ہی نہیں ہے چولی اور دامن کا سنگ

۱۹۱۲ء

بادل میں بجلی

جنگ طرابلس

ہماری دُعا کا اثر دیکھ لیجے
حریفوں کو زیر و زبر دیکھ لیجے

جہاں ابرِ ظلمت نظر آ رہا تھا
وہاں مہر ہے جلوہ گر دیکھ لیجے

خدا نے جو چاہا تو پا پائیوں کو
ملے گی نہ راہ مفر دیکھ لیجے

ہلانے کو ہیں آکے اُمت کے سر پر
کوئی دم میں پا پا چنور دیکھ لیجے

خرلنگ رُوما کیا چاہتا ہے
جہنم کا عزم سفر دیکھ لیجے

یہ کہتی ہے اٹنا کی آتش فشانی
سقر میں کسی کا مقر دیکھ لیجے

بہا دیو جی کی تو سن لی کہانی
اب اللہ کا کرّ و فر دیکھ لیجے

نہ دیکھی کبھی ہو جو بے پر کی اُڑتے
تو ریوٹر کی برقی خبر دیکھ لیجے

نہ ہوں بدگماں آپ ریوٹر سے ہرگز
کہ نائی ہے یہ معتبر دیکھ لیجے

نہ دیکھا ہو انور کو سنوسیوں میں
تو بجلی کو بادل کے گھر دیکھ لیجے

گرجتے ہوئے رعد کو سن لیجے
بپھرتا ہوا شیر نر دیکھ لیجے

کہا ہنس کے پاپا سے اس نازنیں نے — کہ لونڈی کو بھی اک نظر دیکھ لیجے
اُٹھا سایہ سرکار کا میرے سر سے — پڑی ہوں میں ترکوں کے گھر دیکھ لیجے
جھپٹ کر دبوچا مجھے چاہتا ہے — کوئی حجت منتظر دیکھ لیجے
کلائی کو دیتا ہے جھٹکا یہ ظالم — لچکتی ہے میری کمر دیکھ لیجے

میں تم پر تصدق یہ مہرِ عقیقی
ہے کندہ بنام دگر دیکھ لیجے

سمندِ انور

کرے گا کیا وہاں جنرل[1] کناوا — جہاں بگڑا ہو سب آوے کا آوا

پڑھاتے ہیں انہیں پٹی جفا کی — وہ پاپا جو ہیں اِن بچوں کے باوا

گلاٹی[2] نے ٹرپلی پہ صد افسوس — کیا شیطان کی شہ پا کے دھاوا

کیا دجال نے اٹلی میں جا کر — وہاں ظلمتِ حرص و ہوا وا

چلا نازی سے لڑنے کو خرِ لنگ — قضا نے اُس کو بھیجا ہے بلاوا

پھٹے گا کوئی دم میں کوہ اٹنا — بہا دے گا تمام اٹلی میں لاوا

لڑائی کی خبر سن کر ہیں بیکل! — مسلمانانِ ہند و چین و جاوا

شکستوں پر شکستیں کھا رہے ہیں — ہیں رپورٹر کی یہ سب خبریں بناوا

ہوئی پتلون ڈھیلی ایبری[3] کی — دیا گھوڑے کو جب انور نے کاوا

غزا کا شوق اور عشقِ شہادت
مُسلمانوں کو دیتا ہے بڑھاوا

۱۹۱۲ء

---

[1] اطالوی سپہ سالار [2] وزیر اعظم اٹلی [3] اطالوی امیر البحر

دُنیائے توحید پر دُنیائے تثلیث کی تاخت

ڈالا کسی نے ڈاکہ مارا کسی نے چھاپا
رٹتے ہیں زار و وکٹر درسِ جنابِ پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقہ کی یتیمی
اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایماں ہم کو نظر نہ آئے
مغرب کو ہم نے چھانا مشرق کو ہم نے ماپا

گاتے ہیں روس و اٹلی مل کر کھرج کی لے میں
پنچم کی لے میں جو راگ ابلیس نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گذار ہوگا
لائق نہیں ہنسی کے اسلام کا بڑھاپا

جو چاہے درج کر دے کیا ڈر ہے پاینیر کو
اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی گھر کا چھاپا

مذہب وفا ہمارا مسلک جفا تمہارا
ہم نے تمہیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ سوکنیں نہیں ہیں
کس واسطے پھر ان کو آپس میں ہو جلاپا

ہیں مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ مخلصی سراسر یہ آشتی سراپا

سر اڈورڈ گرے

وزیر صیغہ خارجہ برطانیہ

خوب جی بھر کے سر اڈورڈ گرے دیکھ چکے
ہم غریبوں کے سیہ خانے کا ویراں ہونا

اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھر جانا
اپنی جمعیتِ قومی کا پریشاں ہونا

برقِ تثلیث کا توحید کے گھر پر گرنا
ظلمتِ کفر میں ایمان کا پنہاں ہونا

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جھک جانا
چاک دامانِ عرب تا بگریباں ہونا

خاک کا درنہ و طبروق کے سر پہ اُڑنا
خون میں مشہد و تبریز کا غلطاں ہونا

مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اُڑنا
ہند کے دیدۂ نمناک کا طوفاں ہونا

صفِ ماتم اِدھر ایران کے اندر بچھنا
اور مراقش میں اُدھر حشر کا ساماں ہونا

ستم ایجادئ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح
بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا

یہ مسلماں ہیں، اس جرم میں کر دو انہیں قتل
دستِ بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا

خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا
دشتِ غربت میں سراسیمہ و حیراں ہونا

خانقاہوں سے مشائخ کا گھسیٹا جانا　　اور مساجد میں صلیبوں کا نمایاں ہونا
کبھی جن پردہ نشینوں کا نہ اُٹھا تھا نقاب　　اُن کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا
یوں تبہ کر کے ہمیں آپ کو اب ہے منظور　　جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

"کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا"

قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء

سیاسیات عالیہ

بسکہ تھا تثلیث عنوانِ دینِ قسطنطین کا
پڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں والتین کا

یک بیک انگورہ کے انگور کھٹے ہو گئے
لومڑی سے رشتہ ہے دیرینہ قسطنطین کا

کہہ دو آغا خاں سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئے گی
بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا

وائے ناکامی کہ چشمے تیل کے سوکھے تمام
لے کے لائیڈ جارج جب دوڑے کنستر ٹین کا

نام حسرت سے لیا کرتے ہیں کرزن ان دنوں
مرو کا شیراز کا تبریز کا قزوین کا

صوبۂ سرحد کہ بے آئین کہتے ہیں اُسے
بن گیا آئینہ دار اسلام کے آئین کا

"وہ بھی ایڈیٹر" جس میں "ایکٹر ہو امان اللہ خاں"
کیوں نہ لطف آئے مسلمانوں کو اس کے "سین" کا

جوش میں غیرت رسولِ ہاشمی کی آگئی
مشرق و مغرب میں اب ڈنکا بجے گا دین کا

جب دُعا مانگی یہ مسلم نے کہ ہو ترکوں کی فتح
مچ گیا غُل عرش پر چاروں طرف آمین کا

مرکزی خلافت کمیٹی

نقشہ کھینچا جب سے میں نے شوکتِ اسلام کا
گرو میرے سامنے بہزاد اور مانی ہوئے

کی رسول اللہ پر قربان اپنی جان جب
زینتِ اورنگ قسطنطنیہ عثمانی ہوئے

ہے خلافت سے ارادت مایۂ نازش جنہیں
صاحبِ ایماں بروئے نصِ قرآنی ہوئے

اُڑ کے آؤ اے ابابیلو! کہ بیت اللہ میں
ابرہہ کے جانشیں وقفِ ستم رانی ہوئے

کیا قیامت ہے کہ خود یثرب میں فرزندانِ کفر
ملتِ بیضا کے آئینہ کی حیرانی ہوئے

برق بن کر اپنے خرمن کو دیا خود ہم نے پھونک
آپ ہم اپنے لئے اسبابِ ویرانی ہوئے

جن کو کہتے ہو شریف اس سے تو اچھے ہیں رذیل
دوست سمجھا تھا جنہیں وہ دشمنِ جانی ہوئے

کفر کی ظلمت میں نورِ اسلام کا مسلم نہ ڈھونڈ
وسوسے تیرے تجھے وجہِ پریشانی ہوئے

ہے تمنا موت کی اسلام میں معیارِ صدق
دہر میں باقی وہی رہتے ہیں جو فانی ہوئے

زندگی کی بھاپ کے بننے میں اب کیا دیر ہے
جب ہمارے دیدہ و دل آگ اور پانی ہوئے

ساحلِ ہندوستاں پر کچھ غلامانِ رسولؐ
خاک بوسِ عتبۂ ایوانِ سلطانی ہوئے

چند مُسلم جن کے دل میں ہے تڑپ اِسلام کی
بمبئی میں اس مبارک کام کے بانی ہوئے

بن گئے مخدومِ ملت خدمتِ اسلام سے
اس میں سیٹھ احمدؐ ہوئے یا سیٹھ چھوٹانی ہوئے

چند نکتے ہیں یہ حاضر ورنہ مجھ پر منکشف
کھلتے لکھتے بے شمار اسرارِ حقانی ہوئے

اور بھی کچھ شعر ہو جاتے مگر آکر مخل
عالمِ اشراق میں آزادؔ سبحانی ہوئے

صلائے خاص

ایک انگریز کی صلائے عام کے جواب میں

کام جلسوں سے چلے گا نہ ریزولیوشن سے / ہم نشیں کاٹ ہے آہن کی فقط آہن سے
ہم نے آندھی کبھی چلتی نہیں دیکھی اب تک / خواہ کتنی ہی ہوا دی گئی ہو دامن سے
بوزنہ کرمکِ شب تاب کو آتش سمجھا / کیا یہی آگ ہے جو لائے ہو تم گلخن سے
جلوۂ یار کے مُشتاق ہیں عشاق مگر / جھلکتے ہیں اسے زینو بھری وزن سے
ہفتخواں ہے یہ بلا خیز غنیمت جانو / دولت اسلام کی بچ جائے اگر رہزن سے
غلغلہ گنبدِ افلاک میں ڈالو تم بھی / بُلبل آئی ہے یہ پیغام لئے گلشن سے
درخورِ ہمتِ مسلم ہے خُدا کی تائید / لازم امداد ہے اسلام کی تن من دھن سے
چاہیئے رستے ہوئے زخم کو پھاہا بھی ضرور / مرہمِ لُطف لگا دے یہ کہو رگڈن سے
جارج پنجم کی دُہائی ہے کہ ڈائر نہ رہے / آپ بے وجہ بگڑتے ہیں مرے شیون سے
فقط اللہ کے بندے ہیں مُسلمان تمام / کِس لئے ضد ہے "اک انگریز" کو اِس قدغن سے
کیا نہیں آپ کی ملت بھی عایا اِس کی / خوشہ چیں کیا نہیں انگریز بھی اس خرمن کے

جارج کو تاج وِنگیں کس کی نوازش نے دیا
پوچھئے جا کر یہ نکتہ لشپ لندن سے

آپ کو اپنی حکومت کی بقا ہے مطلوب
ہم ہیں وابستہ خلافت کے مگر دامن سے

چال وہ چلئے کہ دونوں کو ہو دنیا میں قیام
ہم اتاریں نہ کبھی طوقِ وفا گردن سے

ہند میں آپ سلامت صدّ سی سال رہیں
خوف ہو آپ کی سطوت کو نہ کچھ لینن سے

واشنگٹن کو یہ پیغام مرا پہنچا دیں
بادب عرض یہ ہے حضرت میکلیگن سے

کاتبوں کے قلم اس وقت ہیں ہڑتال کی نذر
کام انگیٹھی کا لیا جائے اسی ایندھن سے

۱۲ر فروری ۱۹۲۰ء

نالۂ شبگیر

خلافت پر فدا ہونے کو سب دین دار بیٹھے ہیں
گئے زنداں میں فاخر ماجد اب تیار بیٹھے ہیں

وہ ہم پر جبر کرتے ہیں ہم اُس پر صبر کرتے ہیں
وہ گر باکار ہیں ہم بھی نہیں بے کار بیٹھے ہیں

خوشی سے کاٹ لیجے شوق سے زیب سناں کیجے
لئے سر ہاتھ میں دیں کے علم بردار بیٹھے ہیں

یہ مانا ہم کبھی جس بزم کی مسند کی زینت تھے
اب اُس پر ڈٹ کے باصد کر و فر اغیار بیٹھے ہیں

مگر اسلام ہارے یہ نہ ممکن تھا نہ ممکن ہے
غلط سمجھا ہے یورپ ہم یہ بازی ہار بیٹھے ہیں

ہمارا دردِ دل کس طرح پہنچے جارج پنجم تک
کہ وہ قصر بکنگھم میں سمندر پار بیٹھے ہیں

شہنشہ کیوں نہیں اپنی رعایا کی خبر لیتے
کہ سب اپنے وطن کی خاک سے بیزار بیٹھے ہیں

۲۲ مئی ۱۹۲۰ء

مسلمانانِ ہند کی آہِ شرربار

ساعت وہ آرہی ہے کہ اسلامیانِ ہند
یورپ کو اپنی آہ سے زیر و زبر کریں

گردن جھکی ہوئی ہو خدا کے حضور میں
ناموسِ دیں کے واسطے سینہ سپر کریں

بن جائیں خاکِ پاکِ حریمِ رسولؐ کی
اِس کیمیا گری سے خزف کو گہر کریں

اِسلام کو جو لعل و گہر کی ہو احتیاج
آنکھوں کو ناودانِ گدازِ جگر کریں

پہلے تو مستعین ہوں بالصبر والصلوٰۃ
اس سے چلے نہ کام تو جاں کو بدر کریں

دُنیا کو پھر دکھائیں چمک ذو الفقار کی
خیبر کو اس کے بل پہ نئے سر سے سر کریں

آئی ہیں آسمان سے چل کر وہ قوتیں
جو مُسلم اور ہنود کو شیر و شکر کریں

تُم بھی اگر مدینہ میں ہم کو اماں نہ دو
پھر یا نبیؐ بتاؤ کہ رُخ ہم کدھر کریں

کس سرزمیں میں جائیں سر اپنا کہاں چھپائیں
ہندوستاں کی خاک سے ہجرت اگر کریں

وہ تاج جو حضورؐ نے بخشا تھا چھن چلا
اب کون سی کلاہ کو ہم زیبِ سر کریں

ہوتی نہیں ہے ظلم کی بنیاد استوار
اہلِ جفا خود اپنی روش سے حذر کریں

مٹ جائیں گے وہ خود نہ خلافت اگر رہی
یہ لوگ کاش غور اس اِک نکتہ پر کریں

خروشِ مسلم

ہے سودا جب سے لیلائے خلافت کا مرے سر کو
جنوں نے حشر کا میداں بنایا ہے مرے گھر کو

مجھے اس وقت دھوکا سا زمیں پہ آسماں کا ہے
ستمگاروں نے ڈالا جب سے زنداں میں ہے اختر کو

حرم میں بھی جب اُس کا آشیاں ہو جائے خاکستر
گلہ بجلی سے کیا پھر ہند میں ہوگا کبوتر کو

زمیں تھرا گئی آوازۂ اللہ اکبر سے
خروشِ مُسلمِ شوریدہ شرماتا ہے تندر کو

جلایا اس نے مُردوں کو باذن اللہ قم کہہ کر
جگایا اس نے اک آواز میں ہندوستاں بھر کو

لگا دی سب کے دل میں ایک ساتھ اس نے لگن اُٹھ کر
ملایا اس نے مالابار کی سرحد سے خیبر کو

مسیحیت مسلمانی سے ٹکرائی تو ہے لیکن
کسی نے آج تک شیشے سے توڑا بھی ہے پتھر کو

میرے دل میں جو دولت ہے وہ اُن کو مل نہیں سکتی
وہ اس عزت سے عاری ہیں جو حاصل ہے مرے سر کو

یہ سر وہ سر ہے جس پر تاج ہے دینِ محمد کا
یہ دل وہ دل ہے جس پر ناز [illegible]

ڈراوے دے رہے ہیں کیا وہ ہم کو طوق و سلاسل کا
پہنتا ہے خوشی سے مومن اس ایماں کے زیور کو

صدر جمہوریہ امریکہ

صدر جمہوریہ امریکہ ولسن ہو گیا
ہم جسے رہبر سمجھتے تھے وہ رہزن ہو گیا

کوئی پوچھے آپ کی چودہ شرائط کیا ہوئیں
سینۂ تہذیب کیا ان سب کا مدفن ہو گیا

تھیں نوا زن جس چمن میں قمریاں اسلام کی
اک ہوا ایسی چلی جنگل، وہ گلشن ہو گیا

مدعی کے ہاتھ میں ہے رشتۂ زلفِ دراز
اے جنوں خوش ہو گریباں آج دامن ہو گیا

برق بن کر آہِ مسلم عرش تک جانے لگی
مصطفےٰ کی شمع کا فانوس روشن ہو گیا

تختِ مسلم جب ہوا نیلام بولی کے لئے
کوئی چرچل بن گیا اور کوئی کرزن ہو گیا

اُن کو کیا بغداد کی حاجت جب اے ہندستاں
وقف ان کے واسطے تیرا ابھابن ہو گیا

کھینچتی ہے یوں ہی مسلم کو خلافت کی کشش
جذبِ مقناطیس میں جس طرح آہن ہو گیا

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دال بھی ملتی نہیں
وہ یہ کہتے ہیں کہ مہنگا توس مکھن ہو گیا

ہفت خواں ہے اقتصادِ مغرب اور دیوِ سفید
اِس بلا انگیز وادی کا بٹاون ہو گیا

۱۱ر فروری ۱۹۲۰ء

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

کچھ اس کی بھی خبر ہے تجھ کو اے مُسلم کہ آ پہنچی
وہ ساعت جو نہ بھولے سے بھی لے گی نام ٹلنے کا

بھڑک اُٹھی وہ آگ اسلام پے جس کی خبر دی تھی
کیا ہے کفر نے ساماں ترے خرمن کے جلنے کا

جمی ہیں پپڑیاں تیرے غبار آلودہ ہونٹوں پر
تماشا دیکھ لے حسرت سے زمزم کے اُبلنے کا

تجھے تہذیبِ مغرب سبز باغ اپنا دکھاتی ہے
یہ ساماں ہو رہا ہے تیری نیّت کے پھسلنے کا

ترا اخراج قسطنطنیہ سے شاید نشاں ہو گا
امامِ مہدیِ برحق کے میداں میں نکلنے کا

اگر قرآں کے وعدے سچ ہیں اور کچھ شک نہیں سچ ہیں
تو وقت آ ہی گیا ہے کفر کے سُورج کے ڈھلنے کا

رسول اللہ خود گرتے ہُوؤں کو تھام لیتے ہیں
تجھے اے بے خبر ہر وقت موقع ہے سنبھلنے کا

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

---

۲۲ اپریل ۱۹۲۰ء

کربلا الہ آباد میں

سید عالی گہر حق پر فدا ہو ہی گیا
اے الہ آباد تو بھی کربلا ہو ہی گیا

جرم اتنا تھا کہ کیوں اسلام کی تلقین کی
پا بہ زنجیر اس پہ یہ مردِ خدا ہو ہی گیا

تو ہے اے فاخر حسینؓ ابنِ علیؓ کی یادگار
درد تیرا تیری ملّت کی دوا ہو ہی گیا

روزہ رکھا اور قید کاٹ اور ساتھ ہی چکّی بھی پیس
فرض اس انداز سے تیرا ادا ہو ہی گیا

تیشۂ یورپ سے جڑ انصاف کی کٹ ہی گئی!
انقطاعِ رشتۂ مہر و وفا ہو ہی گیا

خوش ہوئے یورپ پہ آئی تیری صدیوں کی امید
مکّہ قسطنطنیہ سے آخر جدا ہو ہی گیا

تختۂ مشقِ جفا توحید والے کیوں نہ ہوں
غلبہ شرق و غرب میں تثلیث کا ہو ہی گیا

کفر نے اسلام کا بیڑا کیا ہے گرچہ غرق
ساتھ ہی اس کا بھی لیکن فیصلہ ہو ہی گیا

موت دیتی ہے مسلماں کو پیامِ زندگی
منکشف اسلام پر رازِ بقا ہو ہی گیا

خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ حزب [illegible] ہونے کو ہے
اک نئی دنیا کا ساماں برملا ہو ہی گیا

اے مسلمانو کرو دار الاماں کا عزم تم
ہم کو حکمِ خواجۂ ہر دوسرا ہو ہی گیا

۲۲ رمئی سنہ ۱۹۲۰ء

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

نکلا ہے پھر نیام سے خنجر ہلال کا
چمکا ہے صاعقۂ غضبِ ذوالجلال کا

میداں میں جب ہے تیغ بکفِ مصطفیٰ کمال
اندیشہ کیوں ہے دینِ مبیں کو زوال کا

اسلام کو ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی شکست
ناحق انہیں تہیہ ہے امرِ محال کا

ہے لاتخف کہیں تو ہے لاتحزنوا کہیں
قرآن خود جواب ہے میرے سوال کا

چہرہ اتار لائے ہیں سیّد علی امام
شملہ پہ جا کے چرخِ کوکب کی چال کا

شرحِ نبی سے جب اولی الامر ہو خجل
شرمندہ امر کس لئے ہو امتثال کا

آئی ہوئی بلا مرے خامہ نے ٹال دی
یہ اک کرشمہ تھا مرے سحرِ حلال کا

کہہ دو یہ لاٹ پادریوں سے کہ آپ لوگ
بھولے نشے ہیں فلسفہ مدت گال کا

اسلامیوں کو عید کی کیا خاک ہو خوشی
باعث بنی ہوئی ہے خلافت ملال کا

مدارج ارتقا

مصائب میں گرفتار اہلِ ایماں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی بیداری کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

سکھایا جا رہا ہے نکتہ اُدْعُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ کا
حق آگاہانِ اُمّت پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں

علم تیغِ دو دم اُن کی سرِ تسلیم خم اپنا!
وہ حیواں بنتے جاتے ہیں ہم انساں ہوتے جاتے ہیں

ستم کش کو خدا نے استقامت کا شرف بخشا،
ستم گار اپنی سختی پر پشیماں ہوتے جاتے ہیں

خدا نے غیب سے ساماں پیدا کر دیئے ایسے
کہ وہ عقدے جو لاینحل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

نئی شمعیں فروزاں ہو رہی ہیں بزمِ گیتی میں
نئے انجم فلک پر جلوہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

نئے محمود پیدا ہو رہے ہیں خاکِ غزنی سے!
نئے طغرل سریر آرائے ایراں ہوتے جاتے ہیں
نہیں تخصیص عہد اس میں محمدؐ کے غلام اب بھی
سکندر بنتے جاتے ہیں سلیماں ہوتے جاتے ہیں
خلافت کے علم داروں کی چتوَن میں یہ ہیبت ہے
کہ دُنیا بھر کے سرکش خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

تاجِ سلیمانؑ

شکستِ اہلِ یوناں اگر کھا رہے ہیں
تو اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں

سنبھل جائیں جنگ آزمایانِ یورپ
کہ ترکانِ احرار گرما رہے ہیں

وہ گرزِ گراں جس سے البرز لرزے
سرِ کفر پہ ترک برسا رہے ہیں

خود اپنے حریفوں کے ہاتھوں سے کرزن
حلیفوں کا تخت الٹوا رہے ہیں

ہُوا مصطفےٰؐ کا جلال آشکارا
حنین اور بدر آج یاد آ رہے ہیں

فرشتوں کے جھنڈ آسماں سے اُتر کر
خلافت کو امداد پہنچا رہے ہیں

یہ غارت گری ہے کہ افسوں گری ہے
مرا گھر مجھی سے وہ لٹوا رہے ہیں

کہیں ضبطِ فتویٰ کہیں بندِ جلسے
تشدد کی آگ آپ بھڑکا رہے ہیں

مگر لطف یہ ہے کہ خود ہو کے ملزم
سب الزام گاندھی پہ چپکا رہے ہیں

فنشائے جسے اپنے چرخے سے کاتا
وہی سُوت شوکت سے بٹوا رہے ہیں

وہ ململ کی ٹوپی ہے تاجِ سلیمانؑ
محمد علی کو جو پہنا رہے ہیں

یہ مہدی کی آمد کے ساماں ہیں سارے
پیمبرؐ کے وعدے قریب آ رہے ہیں

سنّتِ سجاد

زنداں کے ہر اک گوشہ کو آباد کریں گے / ہم پیروئ سنتِ سجاد کریں گے
دار و رسن و قید کا ڈر اُٹھ گیا دل سے / اب کیا ستمِ تازہ وہ ایجاد کریں گے
یوں ہندو و مُسلم کی کریں گے جو وہ تذلیل / اور اُن پہ اسی ڈھنگ سے بیداد کریں گے
مٹی میں ملائیں گے وہ توقیر خود اپنی / آپ اپنی حکومت کو وہ برباد کریں گے
ہو جائیں گے ترکی و عرب خود بخود آزاد / جس روز کہ ہم ہند کو آزاد کریں گے
دہلی ہی نکلنے کو ہے جب ہاتھ سے ان کے / کیا لے کے وہ پھر بصرہ و بغداد کریں گے
انگورہ بھی ترکوں سے نہ جب چھین سکا تو / برطانیہ ہم بھی تجھے کیا یاد کریں گے
سُنتے ہیں کہ کرزن کے اشارے پہ سر آغا / آئے ہیں کہ ترکوں کی کچھ امداد کریں گے
وہ لیگ کہ بس بھر میں بدلتی ہے جو کروٹ / اس مرتبہ آپ اس میں کچھ ارشاد کریں گے
خسرو سے چھڑائیں گے اُدھر دامنِ شیریں / شیریں کو اِدھر مائلِ فرہاد کریں گے
لے جائیں گے اسلامیوں کا ایک نیا وفد / اس کے لئے چرچل سے طلب داد کریں گے
منوائیں گے پھر اس سے بصد منّت و الحاح / جو فیصلہ بھی آپ کے اُستاد کریں گے

کہہ دو یہ سر آغا سے کہ توحید کے فرزند
خود اپنے خُدا سے طلب امداد کریں گے

ہرگز نہ گدائی کے لئے جائیں گے لندن
ترک آج سے یہ شیوہ معتاد کریں گے

تھرائے گا عرش اور لرز جائے گی کُرسی
مظلوم جب اللہ سے فریاد کریں گے

اسلام کے دربار سے جو فیصلہ ہوگا
انگریز اسی فیصلہ پر صاد کریں گے

عہد نامہ سیوری

قدیم وضع پہ اندازۂ جہاں نہ رہا
مکیں رہے مگر ان کا کہیں مکاں نہ رہا

زمین پاؤں تلے سے نکلتی جاتی ہے
سروں پہ سایہ فگن تھا جو آسماں نہ رہا

ہوا اک ایسی یکایک چلی زمانے میں
کہ جس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا

وہ رونقیں نظر آتی نہیں خیاباں پر
فضا وہ پہلی سی اگلا سا وہ سماں نہ رہا

وہ بوئے نسترن و یاسمین و گل نہ رہی
وہ رنگ لالہ و نسرین و ارغواں نہ رہا

خموش ہے چمنستاں کہ شاخساروں میں
خروشِ نالۂ مرغانِ صبح خواں نہ رہا

یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں
کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا

بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے
سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا

بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں قافلے والے
کہ رہبری کے لئے میرِ کارواں نہ رہا

دلِ شکستہ کو امیدِ عافیت نہ رہی
زبان بستہ کو یارائے الاماں نہ رہا

کبھی زمانہ میں ڈالا تھا غلغلہ جس نے
وہ نام زینتِ عنوانِ داستاں نہ رہا

زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب
کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا

ہزار سال وہ سر پھوڑتا رہا جس سے
ہزار حیف وہی سنگ آستاں نہ رہا

گلہ ہے بخت کی نیرنگیوں سے لاحاصل
عبث ہے شکوہ کہ گنبد پہ گردگاں نہ رہا

گئی جو خاتم جم ہاتھ سے تو غم کیا ہے
خدا تو سر پہ رہا گر خدائیگاں نہ رہا

فلک نے بادہ کشوں کا الٹ دیا ساغر
تو کیا حجاز کا ساقی بھی مہرباں نہ رہا

بیا کہ قاعدہ آسماں بگردانیم
قضا بگردش رطل گراں بگردانیم

صلیب و ہلال

جو کشمکش ہے آج صلیب و ہلال میں — گزری نہ تھی کبھی مرے وہم و خیال میں
حق پا بگل ہے باسفرس کے کنارہ پر — باطل ہے سربلند درِ دانیال میں
لہرا رہا ہے بامِ حرم پر لوائے کفر — لپٹا ہوا ہے کعبہ گلیمِ ضلال میں
اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے بپا — پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں
وہ زخم دل کشا نئے سر سے ہرے ہوئے — آنے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال میں
مسلم کے خوں سے مشرق و مغرب ہیں لالہ زار — گذرے ہیں سات سال جدال و قتال میں
شرعِ نبیؐ ہے دستخوشِ صولتِ فرنگ — سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں
یزدانیوں کے صبر و رضا کا ہے امتحان — طاغوتیوں کی درس گہِ اشتغال میں
یہ حال اپنے دوست کی اُمّت کا دیکھکر — بل پڑ گیا خدا کی جبینِ جلال میں

پہلے تھی ہم سے کفر کی اب ہے خدا سے جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

آیۃ اللیل

تباہی ٹھان کر اسلامیوں کی — بڑھا ہر سمت سے کفار کا خیل
قدم گاہ رسولِ مجتبےٰ پر — مسلّط ہو گئے یورپ کے جرنیل
شبِ کفر اپنی حد سے بڑھ کے اس طرح — گئی جب مطلعِ اسلام پر پھیل
مجھے یاد آئی قرآں کی عبارت — پڑھا میں نے نمحونا آیۃ اللیل
کسی دن سرحدِ دینِ مبیں سے — یونہی پھر جائیں گے کفار بے نیل

خس و خاشاک کی مانند سب کو
بہالے جائے گی اسلام کی سیل!

بزم و رزم

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے
آب جو بن گئے گذرے جو خیابانوں سے

تھا جو اپنوں سے وہی لطف تھا بیگانوں سے
گردنیں دب گئیں اسلام کے احسانوں سے

وہ خود امّی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار
حکما سیکھ گئے اُن کے دبستانوں سے

اب جو آئی ہوئی ہے گلشنِ گیتی میں بہار
رنگ اُڑا لائی ہے اُن کے ہی گلستانوں سے

اس کے پینے کے لئے چاہیئے ظرفِ عالی
یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے

ہم رہِ ست عناں منزلِ سلمیٰ کی خبر
پوچھنا کیوں نہیں یثرب کے حُدی خوانوں سے

پھر وہی غلغلہ آفاق میں ہوتا ہے بلند
تیری گونج پھر اُٹھی ہے نیستانوں سے

ہم نے دیکھا ہے اِن آنکھوں سے ادھر طارقؒ کو
نعرۂ خالدؓ کا سُنا ہے ادھر ان کانوں سے

لوٹ کے تیغ آتی ہے پہلوئے فلسطیں سے ہنوز
جوئے خوں بہنے کو ہے قدس کے میدانوں سے

سونپ دیں پرچمِ تثلیث کو بغداد و دمشق
نہیں امید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے

گو دبتی ہوئی آتی ہے حریفوں کی نظر
اک طرف ترکوں سے اور اک طرف افغانوں سے

مصر بے تاب ہو یا ہند ہو آتش بجگر
ہے یہ سب گرمیٔ ہنگامہ مسلمانوں سے

نشاۃ الثانیہ

گر چشم جہاں بیں ہے تو نیرنگ جہاں دیکھ — آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ
کس قطع سے دامانِ شبِ تار ہُوا چاک — کس وضع سے خورشید ہُوا جلوہ فشاں دیکھ
کس طرح ہری ہو گئیں سُوکھی ہُوئی شاخیں — رخصت ہُوئی کیونکر چمنستاں سے خزاں دیکھ
چڑھتی ہے کس انداز سے اُتری ہُوئی ندی — کس شان سے ہر جزر میں اک مد ہے نہاں دیکھ
پھر پاٹ میں پھیلاؤ وہی ہے جو کبھی تھا — توحید کے دریا کو کراں تا بکراں دیکھ
پھر پرچمِ اسلام ہے عالم میں سرفراز — پھر دینِ ہدیٰ کی وہی شوکت وہی شاں دیکھ
پھر زمزمۂ نغمہ سرایانِ حرم سُن — پھر قافلۂ یثرب و بطحا کو رواں دیکھ
اللہ کی رحمت کے کرشموں پہ نظر کر — ڈوبے ہوئے بیڑے کے اُچھلنے کا سماں دیکھ
تفسیر سمجھنی ہو اگر کُن فیکُون کی — تاثیرِ دُعا ہائے شہِ کون و مکاں دیکھ
جو تخت پہ تھے تختہ ہے اُلٹا ہُوا ان کا — جو تھے سپر انداز چڑھی اُن کی کماں دیکھ
اک حملہ میں تُرکوں نے لیا جا کے سمرنا — اک جست میں پہنچے ہیں کہاں سے وہ کہاں دیکھ
اے نالۂ مظلوم کی تاثیر کے منکر — آتش زدہ یورپ سے جو اُٹھتا ہے دُھواں دیکھ

وہ قصر جو اسلام کے کھنڈروں پہ بنا تھا　　اب جا پڑے ہی ہے اُسے شعلوں کی زباں دیکھ
پھر گرم ہے بازار رسولِ عربیؐ کا　　اور جل کے ہوئی راکھ حریفوں کی دُکاں دیکھ
جاروب کشانِ حرمِ مصطفویؐ کا
اللہ نے کس طرح کیا پلّہ گراں دیکھ

مرضیٔ ماضی

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہئے
مگر جو کہئے وہ سچ کہئے اور بجا کہئے

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ لکھئے
ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہئے

کبھی خود اپنے چلن کی برائیاں گنئے
اور اس کو اپنی خرابی کی ابتدا کہئے

درازیٔ شب فرقت کی داستاں ہیں اگر
کمی رہی ہو تو کوتاہیٔ قضا کہئے

عرب کی خاک اڑی ہو گیا عجم پامال
ستم ہوئے ہیں وہ اسلام پر کہ کیا کہئے

یہ کیا غضب ہے کہ گھر کو لگا کے آپ ہی آگ
پھر اس کو شومیٔ تقدیر نارسا کہئے

کیا ہے حملہ خود اپنی ہی فوج پر ہم نے
ستم ہے اس کو بھی دشمن کی گر خطا کہئے

ہماری تیغ ہمارے ہی خون میں پیر گئی
اسے بھی شوق سے قاتل کی اک ادا کہئے

جھکا ہوا علم اب سربلند ہے تو اسے
حضور خواجۂ کونین کی دعا کہئے

رگ حرم سے بہا ہے جو خون ناب اس کو
عروس بخت کی رنگینیٔ حنا کہئے

عجم کی خاک ہے گلرنگ خون مسلم سے
اسے قبا تو اسے تکمۂ قبا کہئے

دل عرب کبھی ترکوں سے مل نہ سکتا تھا
ملا تو اس کو خلافت کا خوں بہا کہئے

برغمِ عیسیٰ مریم لما سبقتانی — نہ کہیئے بلکہ جو کہیئے تو ما قلی کہیئے

برسمِ مومن قانت شب بلا سر سے — جو ٹل گئی تو مضیٰ کہہ کے ماضی کہیئے

نہیں رہا ہے درا ندازیٔ رقیب کا خوف — اب اُٹھ کے بزم میں جو کہیئے برملا کہیئے

بقول غالب اگر پار اُتر گئی کشتی

"خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیئے"

مسٹر لائڈ جارج
صدرِ اعظم برطانیہ کے استعفیٰ کی تاریخ

گلیڈسٹون اور سالسبری کی سب عنایت ہے
وگرنہ اس طرح برطانیہ بدنام کیوں ہوتا

جو کہلاتے ہیں لبرل گر حقیقت میں یہی ہوتے
تو گھر گھر ایشیا میں یوں مچا کہرام کیوں ہوتا

اگر تہذیبِ انسانی انہیں چھو بھی گئی ہوتی
سمرنا میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیوں ہوتا

مسیحیت اُڑاتی خاکِ گلستانِ لُٹا کیوں
مسیحی کا گریباں گیرِ خونِ شام کیوں ہوتا

ادھر دہلی کے سر پر اک قیامت کیوں گزر جاتی
اُدھر کابل میں آتش زیرِ پا اسلام کیوں ہوتا

سکھاتی گر نہ لائڈ جارج کی تلوار خونریزی
تو خنجر مصطفےٰ کا آج خُوں آشام کیوں ہوتا

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آجاتا
تو پھر انگورہ اُس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا

نکلتا گھر سے قسطنطین کیوں بے آبرو ہو کر
وینزیلاس خائب خاسر اور ناکام کیوں ہوتا

صلیب آلودۂ خاکِ مذلت کیوں نظر آتی
ہلال آسودۂ گردونِ نیلی فام کیوں ہوتا

سلیقہ گر قدح خواری کا ہوتا کچھ بھی بندوں کو
تو خود ساقی کے ہاتھوں واژگوں یہ جام کیوں ہوتا

نہ ہوتا ابتدا ہی سے اگر اسلام کا دشمن
تو لائیڈ جارج کا ایسا بُرا انجام کیوں ہوتا

نہ ضد اس بانئ بیداد کو ہوتی خلافت سے
تو مستعفی بصد حسرت بہ نا فرجام کیوں ہوتا

صفت[۲۱] بیداد کی ہوتی نہ گر اس نام میں شامل
تو قول ہاتف اترا شحنہ[۱۳۲۱] مردک نام کیوں ہوتا

سنہ ۱۳۴۲ھ

شانِ اسداللّٰہی

ہو دیکھنی جس کو اسداللہ کی تصویر
شیرانِ مراقش کو بپھرتا ہُوا دیکھے

بگڑی ہُوئی تقدیر کے بننے کا تماشا
افریقہ کے صحرا سے گذرتا ہُوا دیکھے

جس جذبہ سے دب جاتی تھیں باطل کی اُمنگیں
پہلو میں پھر آج اُس کو اُبھرتا ہُوا دیکھے

چڑھتی ہُوئی توحید کی ندی کے مقابل
تثلیث کے دریا کو اُترتا ہُوا دیکھے

جو مندمل بہ سبب عیسیٰ نہیں ہوتا
اس رِستے ہُوئے زخم کو بھرتا ہُوا دیکھے

مشاطۂ مغرب کے اُبٹنے کے اثر سے
اِسلام کی رنگت کو نکھرتا ہُوا دیکھے

جاتا ہوا دیکھے چمنستاں سے خزاں کو
گلشن کو بہاراں میں سنورتا ہُوا دیکھے

سرو و سمن و لالہ کے جنگل میں صبا کو
ہر شاخ پہ اٹکھیلیاں کرتا ہُوا دیکھے

۸/ اگست سنہ ۱۹۲۵ء

اہلِ حدیث اور فتنہ فرنگ

سنتا ہوں میں کہ مشرقِ وسطیٰ میں آج کل
برقِ فرنگ تاک رہی ہے حجاز کو

خطرہ ہے شرقِ اردن و طرفِ عراق سے
ابن سعود شاہ شریعت نواز کو

یہ اس لئے کہ نجد میں اُس نے کیا ہے فاش
دینِ مبیں کے سیزدہ صد سالہ راز کو

اسلام کو عرب میں جو قرنوں سے ہے نصیب
کھونا وہ چاہتا نہیں اُس امتیاز کو

شیدائیانِ کعبہ نے افسوس رکھ دیا
لندن کی آستاں پہ جبینِ نیاز کو

مل کر برادرانِ علی پوجنے لگے
برطانیہ کی حکمتِ باطل طراز کو

دہلی میں جا کے چھوڑ چکے ساقیانِ ہند
یثرب کے خم کدے کی مئے خانہ ساز کو

تھی ورنہ کب صلیب پرستوں کی یہ مجال
کرتے دراز یوں رسنِ حرص و آز کو

لیکن یہ کیا کہ پی گئے اہلِ حدیث بھی
نصرانیوں کی اس عربی ترکتاز کو

ان کا تو رشتہ ہے وہی دربارِ نجد سے
جو غزنوی سے جوڑ گیا تھا ایاز کو

بے شک پڑھیں نماز بپابندئ سنن
رفعِ یدین شرط ہے جس کے جواز کو

آمین بھی بعد فاتحہ ہو اس قدر بلند
فوراً ہی کان ہوں فلکِ حقہ باز کو

لیکن جو کام آئے نہ ابن سعود کے
چاٹیں لگا کے شہد ہم ایسی نماز کو

۱۰ جنوری ۱۹۲۵ء

سلاطینِ اسلام

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بنظر انور بلا زمان صد صفحہ شہریاری و مہر سپہر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان شہنشاہ بحر و بر خادم الحرمین الشریفین امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین اعلیٰ حضرت سکندر شوکت سلیمان حشمت محمد خان خامس مدظلہ العالی خلد اللہ ملکہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ

بسلطان از غلامانش ہمیں یک التجا باشد | کہ مادر پائے او مانیم و او در چشم ما باشد
خلافت مدعا جوید کہ ما از آنِ سلطانیم | اخوت بر ملا گوید کہ او از آنِ ما باشد
مسلمانانِ عالم را مثالِ اخترانیم | محمد خامس اندر اختران بدر الدجیٰ باشد

زدستت رفت اگر رومیلیا دل بد مکن شاہا | بدست آوردہ ملکے کہ با جیش آسیا باشد
مسخر کشورِ دل ہا نمود اقبالِ سلطانی | ہمی نازیم جانہا را کہ در راہت فدا باشد
بیک جنبش گر ابرویت اشارت می‌کند ما را | ز شرق تا بہ غرب سد قیامت رونما باشد

ہلال ار بدر شد کاہیدنش لازم بود اما | خوش آن کاہش کہ صد افزونیش اندر قفا باشد

حذر اے دشمنانِ ملتِ بیضا ازاں ساعت
کہ در دستِ امیرِ مالوائے مصطفیٰؐ باشد

حدیث انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت
محال است ایں کہ مغلوبِ امتِ خیرالوریٰ باشد

اگر خونش حیاتِ تازہ بخشد جسمِ مذہب را
بخون غلطیدنِ ملت بکیشِ ما روا باشد

پیامِ الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثالِ بوئے گل ہستم کہ بر دوشِ صبا باشد

قسطنطنیہ
۲۴ رجب ۔ ۱۳۳۱ھ

ہز امپیریل میجسٹی اور ہز میجسٹی

اے شہنشاہ آفتاب رکاب
اے جہاندار آسماں درگاہ

آصف مدظلہ العالے
جس پہ نازاں ہے مسند اورکلاہ

جو کہ چشم و چراغ مشرق ہے
جس پہ دنیا کی پڑ رہی ہے نگاہ

وہ تجھے وجہ قوت بازو
تو اُسے موجب فزونی جاہ

ایک سورج تو دوسرا ہے چاند
چرخ دولت کے تم ہو مہر اور ماہ

ہے یہ تیری دلیل رفعت شاں
کہ شہنشاہ تو ہو وہ ہو شاہ

چال وہ چل شہنشا۔ کہ بڑھے
یورپ اور ایشیا میں رسم و راہ

چوم لے ایشیا قدم تیرے
دیں تجھے ہم دعائیں شام و پگاہ

تو ہز امپیریل مجسٹی ہے
ہز میجسٹی نہ کیوں ہو آصف جاہ

---

۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء

آصف جاہ ہفتم کی مسند نشینی کی تاریخ

عروس بہاراں کی ہے آمد آمد
بصد دل ربائی بصد نازنینی

کھلے ہیں ریاحین اقبال و دولت
یہ خوشبو نہیں کی تو ہے بھینی بھینی

مسرت نے وہ رنگ بدلا جہاں کا
کہ زاہد بھی بھولا ہے خلوت گزینی

چھلکنے لگا ہے بلوریں پیالہ
چھلکنے لگی ہے صراحی چینی

لبھانے لگی نکتہ سنجوں کے دل کو
عروس معانی کی ناز آفرینی

اشارہ ہے جس کی رسیلی نظر کا
یہ صہبائے گلگوں تمہیں ہو گی پینی

اُدھر ہے شہنشاہ کی تاجپوشی
اِدھر ہے شہا تیری مسند نشینی

یہ ساعت جسے کہئے جانِ سعادت
زمانہ سے اقبال نے میرے چھینی

سکھائی ہے تاج دکن کو مقدر
ترے سر نے شاہا غرور آفرینی

قسم ہے مجھے تیری ظل الٰہی کی
ہے فخر سلاطین تری ہم نشینی

ترے عہد دولت میں ہم کو میسّر
ہوئیں برکتیں دنیوی اور دینی

ہوئی مردم چشم دولت کو حاصل
ترے سرمۂ عدل سے دُور بینی

جلالت کا مظہر ترا فرِّ شاہی | عقیدت کی پتلی مری کمترینی
جلوسِ نظام اور تاریخ میری | کرے گا کوئی اس پہ کیا نکتہ چینی

دکن بلکہ ہندوستاں کی طرف سے
مبارک ہو تم کو یہ مسند نشینی

سنہ ۱۳۲۹ھ

لاہور۔ ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

حضور نظام کی مساوات پسندی

شبِ معراج وہ شب ہے کہ کھولے ربِ اکبر نے
رسول اللہ پہ اسرارِ خلوت گاہ اَوْ اَدْنیٰ

یہ وہ شب ہے کہ پیغمبرؐ کے سر پر اپنے ہاتھوں سے
خدا نے فخر سے رکھا ہے تاجِ سطوتِ کبریٰ

یہ وہ شب ہے کہ روشن کر دیئے چودہ طبق اس نے
تجلی بن گئی اُس کی فروغِ دیدۂ بینا

یہ وہ شب ہے کہ مسلم کو ملی دُنیا بھی اور دیں بھی
وہ تعبیرِ فَتَرْضیٰ اور یہ تفسیرِ مِنَ الاُولیٰ

یہ وہ شب ہے کہ اس کی روشنی سے جگمگا اُٹھے
در و بام و رواق و طاقِ قصرِ ملتِ بیضا

اسی دن مکہ مسجد میں جب اگلے دن نظام آئے
تو قدوسی پکار اُٹھے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی

فضا کو چیرتی نکلی جب ان کی برق پا موٹر
تو نقشہ کھنچ گیا اسلام کے سیلابِ اعظم کا

غبارِ راہ کیا تھا کہکشاں کی جلوہ ریزی تھی
گلی کوچوں پہ ہوتا تھا گمان سینۂ سینا

نظام الملک آصف جاہ مسجد میں ہوئے داخل
تو جھرمٹ میں ستاروں کے نظر لوگوں کو چاند آیا

ندیموں نے رعایت تھی جنہیں آداب شاہی کی
کمر میں باندھنا چاہا ادب کی راہ سے پٹکا

وہ رمز آموزِ دیں جو حامئ شرعِ پیمبرؐ ہے
کلام اللہ کی آیات کا ست کھینچ کر بولا

یہ گھر اللہ کا ہے جس میں ہم تم سب برابر ہیں
یہ وہ دربار ہے جس میں گدا ہے شاہ کا ہمتا

کسی کو گر کسی پر کچھ فضیلت ہے تو اتنی ہے
کہ عِندَ اللہِ اَکرَم ہیں وہی جو ہم میں ہیں اتقےٰ

اُسی معبودِ برحق کو یہاں تعظیم کا حق ہے
خداوندانِ عالم کا یہاں سکہ نہیں چلتا

سُنا جب ان حقائق کو تو مسلم وجد میں آئے
وَصَلَّی اللہُ عَلٰی نُورٍ کزو شد نورہا پیدا

رجب ۱۳۳۶ھ

اعلیحضرت میر عثمان علیخاں کی شریعت نوازی

مَیں زمیں سے اُڑتے اُڑتے آسماں پر آ گیا
حضرت شاہ دکن کے آستاں پر آ گیا

ماہ نو کرتا ہے جھک کر جن کو گردوں سے سلام
جن سے قائم ہے مسلمانوں کی دولت کا نظام

دل مسخر کر لیے ہیں جن کے لطفِ عام نے
گردنیں سب کی جھکی جاتی ہیں جن کے سامنے

جادہ نشناسوں کی تادیب اُن کے دم ہی سے تو ہے
ملّتِ بیضا کا نقش اِن کے قدم ہی سے تو ہے

کس قدر ہم پہ ہے حق اس شاہِ حق آگاہ کا
جو سبق ہم کو پڑھائے واسجدوا للہ کا

رجب ۱۳۳۶ھ

آموں کا شکریّہ

بھیجے ہیں مجھ کو آم جلالت مآب نے
ذرّے کو سرفراز کیا آفتاب نے

ساقی ہے بادشاہ گدا ہے قدح بدست
کچھ آج ہی تو لطف دیا ہے شراب نے

غالب سے میں نے عالمِ اشراق میں کہا
تعریف کی ہے آم کی اچھی جناب نے

کثرت ہو اور مٹھاس ہی گر وصفِ آم کا
اس وصف میں تو نام اچھالا ہے راب نے

پھر کیوں نہ شیرہ چوسیے اور رس ہی کھائیے
جس کے منوں بہائے ہیں کولھو کی داب نے

کہنے لگے سمجھتے ہیں کیا آپ آم اسے
ترکیب جس کو دی ہو نبات و گلاب نے

میں نے کہا ہے آم وہی جو لطیف ہوں
چھانٹا ہو ان کو خوب نظرِ انتخاب نے

اور انتخاب بھی ہو حضورِ نظام کا
شرما دیا ہے چاند کو جن کی رکاب نے

کھائی ہیں میں نے قاشیں ان آموں کی کاٹ کر
پالا تھا شہدِ ناب کو کوثر کی آب نے

یہ آم وہ ہیں جن کی لطافت مذاق میں
گھولی ہے حورِ عین کے دہن کے لعاب نے

حسرت سے میرزا نے یہ میرا بیاں سنا
خاموش کر دیا انہیں میرے جواب نے

۱۷؍ جون سنہ ۱۹۲۰ء

برار

رندوں کو تیری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو
پھر کیوں نہ محتسب کی ردا پارہ پارہ ہو

نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ
شاید یہ اے دکن نہ ترا ہی ستارہ ہو

آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار
اور ریک قلم برار کا منسوخ اجارہ ہو

چھینا ہوا جو حق ہے وہ حقدار کو ملے
کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو

ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لوئے شاہوار
تاج نظام اس سے مکمل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغبان جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دل فریب پھر اس کا نظارہ ہو

واپسی برار

کبھی تھا سب سے آگے جرمنی جن کے حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے ان کے تاریخی حلیفوں میں

نظام الملک آصف جاہ اگر ہمت نہ فرماتے
قوی جن کے ہیں بازو وہ جا ملتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب جب ساعت آئی حق شناسی کی
ہما عنقا بنا منت گذاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تھیلیاں بھی دی گئیں ان کو وظیفوں میں

نظام اپنا فقط حق مانگتے ہیں حق نوازوں سے
جزا احسان کی احسان ہوتی ہے شریفوں میں

برار اب بھی نہ واپس ہو تو ہم سمجھیں تو کیا سمجھیں
یہ نکتہ آپ کو ہم نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

---

۹ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

محی الملۃ والدین کی یادِ عزیز میں

مرادِ من بھرا ہے آج یاقوت اور مرجاں سے
نہیں لایا انہیں لیکن میں عماں اور بدخشاں سے

جگر پگھلا دیا ہے کر دیا ہے دل کو خوں میں نے
نکالے جب کہیں ہیں یہ جواہر معدنِ جاں سے

خدائے پاک بے شک نور ہے سات آسمانوں کا
ان آنکھوں نے مگر اس نور کو دیکھا ہے فاراں سے

چمن پیرائے امکاں گر نہ ذاتِ مصطفٰے ہوتی
مشامِ جاں معنبر ہو نہ سکتا بوئے عرفاں سے

رسول اللہ کی امت ہے زینت ساری دنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

ضیائے بزمِ گیتی ملتِ بیضا کے دم سے ہے
فروغِ ملتِ بیضا ہے عثمان علی خاں سے

---

۴ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

آصف جاہ سابع اور سمرنا

اے کہ اسلامیوں کے درد سے بیتاب ہے تو
جس کی تعبیر مری زیست ہے، وہ خواب ہے تو

بسملی تیری بھی ہے رقص کناں میری طرح
گرچہ میں ذرہ ہوں اور مہر جہاں تاب ہے تو

بےکسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی
کیوں نہ ہو جوش رگ دو وہ خطاب ہے تو

اے گدازِ جگر خستۂ اربابِ نظر
دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

فرض اپنا یونہی عثمان علی خاں پہچان
اے کہ میرے لیے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت
خونِ اسلام کے چھڑکاؤ سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر
ریزشِ اشک کو سرمایۂ عناب ہے تو

عرش تھرائے نہ کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں
آہِ تیرا ہے تو گریہ پیچ ب ہے تو

آلِ عثمان کی عزت کی حفاظت کی طرف
کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خون کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء

میکدۂ دکن

عمر حیات ہوئے یا علی امام ہوئے
سب اُس کی نرگسِ مستانہ کے غلام ہوئے

علی امام ہیں اور ہمپسفر ڈپلا ہیں
دکن کے میکدہ میں یہ سبو وہ جام ہوئے

بہار ہیں چمن مصطفےٰ کی عثمانی
کہ ان کے خون سے گلرنگ روم و شام ہوئے

ہوئے وہ قدس میں جو رنگ حرم سے بچے
ہمارے قتل کے کیا کیا نہ اہتمام ہوئے

ہماری آنکھ میں نور آئے کیوں نہ آپ سے آپ
کہ شمع محفل خیر الوریٰ نظام ہوئے

۹ر جون ۱۹۲۰ء

آصف جاہ ہفتم کی یاد میں

دھلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی
برس کچھ اور بھی اے ابرِ نوبہار ابھی

زبانِ حال سے کہتا ہے قصرِ زار ابھی
ہیں عنکبوت کے گھر میں بہت سے تار ابھی

نہ ہپسبرگ ہی باقی رہے نہ رومیناف
مٹیں گے اور بھی یورپ کے نامدار ابھی

کیا جنہوں نے محمد کے نام کو رسوا
وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا
بہت سے رنگ یہ چرخِ ستیزہ کار ابھی

عجب نہیں ہے کہ بیدار ہونے والا ہو
نئی ادا سے کوئی فتنۂ تتار ابھی

نقاب الٹ کے تجلی دکھانے والا ہو
سوادِ مشرقِ وسطیٰ کا شہسوار ابھی

بہار سر پہ ہے اے پنجۂ جنوں پھر کیوں
کیا نہ تو نے گریباں کو تار تار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر
کچھ اہلِ بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

نگاہِ ناز سے کیا شکوہ بوالہوس کو اگر
نہیں ہوا ہے یہ ناوک جگر کے پار ابھی

ہے اس پہ حیف جو کہلائے مصطفیٰ کا غلام
مگر نہ تاجِ خلافت پہ ہو نثار ابھی

اگرچہ جنگ سے انگریز جی چراتے ہیں
نہیں ہے صلح کا لیکن کچھ اعتبار ابھی

کہاں سے امن ہو قائم کہ لارڈ کرزن پر — نہیں ہوئی ہے حقیقت یہ آشکارا ابھی
کہ عبدِ ود کو چمک کر کیا تھا جس نے دو نیم — نہیں گری ہے وہ شمشیرِ آبدار ابھی
کمی نہیں اسد اللّٰہیوں کی دُنیا میں — اور ان کی تیغ ہے ہمرنگ ذو الفقار ابھی
زمانہ جس کی تجلّی سے جگمگا اُٹھا — ہے جلوہ ریز وہ خورشید زرنگار ابھی
محمدِ عربی کے جلال کا پرتو — ہے شکلِ غازیٔ اعظم سے آشکار ابھی
جناب حضرت عبد المجید خاں کے لئے — کھنچا ہُوا ہے وہ آفت رسا حصار ابھی
جسے محاصرۂ کفر سے چھڑانے کو — پڑا ہے لشکرِ اسلام بے شمار ابھی
خدا بھی زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ — اساسِ سطوتِ کبریٰ ہے استوار ابھی
حیاتِ دہر شہادت کے ساتھ ملتی ہے — فنا کی رمزِ بقا کی ہے راز دار ابھی
دکن کے باغ میں چھائی ہُوئی تھی خاموشی — سُنا ہے مَیں نے مگر نغمۂ ہزار ابھی
یہ نغمہ موسمِ گل کی کہیں نہ ہو تمہید — مرے قفس کی فضا کو ہے جس سے عار ابھی
خُدا کا سایہ ترے سر پہ آصفِ ہفتم — کہ تو ہے ہند میں ملّت کا افتخار ابھی
چُھپا سکی نہ زباں تیری رازِ سوزِ دروں — ہے جس سے سینۂ اسلام داغدار ابھی

۱؎ "یہ کہہ رہی ہے پلٹ کر نگاہِ یار ابھی — زمانہ اور بھی بدلے گا ایک بار ابھی"
(امیر عثمان علی خاں)

ہے یہ بھی رحمتِ پروردگار عالمیاں　　　کہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاجدار بھی

ہیں تر زباں ترِی تعریف میں ضرر انگیز　　　دبائے بیٹھے ہیں ظالم مگر برار ابھی

دکن بھی دولت کابل کی طرح ہو آزاد

بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

نظام دولت آصفیہ اپنے مرکز پر

خبر آئی ہے کہ دہلی میں نظام آتا ہے
فصل گل کا چمنستاں کو پیام آتا ہے

جس کے اک جرعہ میں جھلکے دو جہاں کی بینش
میکشو مژدہ کہ جم لے کے وہ جام آتا ہے

مسندِ دولت و اقبال کو خالی کر دو
آج محفل میں محمدؐ کا غلام آتا ہے

اُس پہ سو جاں سے مسلمان نہ کیوں ہو قرباں
کہ وہ ہر وقت میں اسلام کے کام آتا ہے

چاند جھکتا ہے بصد عجز سلامی کے لئے
میر عثمان علی خاں کا جو نام آتا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ خورشید جہاں انگلیس
پیشوائی کے لئے کب لبِ بام آتا ہے

۲؍ نومبر ۱۹۲۸ء

ترانۂ تہنیت عید صیام

بملازمان آصف جاہ ہفتم تاجدار دکن

عجم کا فخر تو ہے نازشِ ہندوستاں تو ہے
ہمارے مشرقی خمخانہ کی مہرِ نشاں تو ہے

سریر آرائے دہلی ہے ابھی تک ملتِ بیضا
کہ اب تک یادگارِ دولتِ شاہ جہاں تو ہے

ابھی تک تازہ ہے افسانہ عالمگیرِ اعظم کا
اور اس افسانۂ رنگیں کی سرخیِ بیگماں تو ہے

ودیعت تیری فطرت میں ہوئی گنجینہ افشانی
گہر خیزی میں دریا ہے تو زر ریزی میں کاں تو ہے

کبھی چھایا فلسطیں پر کبھی برسا سمرنا میں
وہ نیسانِ کرم تو ہے وہ ابرِ درفشاں تو ہے

تجھے دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبر کی
خدا ہو مہرباں تجھ پر کہ ہم پہ مہرباں تو ہے

جزاک اللہ رونق تجھ سے قائم ہے شریعت کی
حماک اللہ ناموسِ نبیؐ کا پاسباں تو ہے

نہ سنگِ راہ کا کھٹکا نہ خوف دوریٔ منزل
ہیں بے غم قافلے والے کہ میرِ کارواں تو ہے

مبارک ہو یہ عید اے خسروِ گردوں حشم تجھ کو
مسلماں ہیں اگر انجم تو ماہِ آسماں تو ہے

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں تجھ کو اور تیری نوازش کو
خدا وہ دن کرے ہم بھی وہاں پہنچیں جہاں تو ہے

برار آجائے قبضہ میں وہاں بھی ہو تری شاہی
دکن کا جس طرح اس وقت عثماں حکمراں تو ہے

مژدۂ بہار

بہار مژدہ یہ لے کر دکن میں آئی ہے
کہ پھر وہ گھومتی پھرتی چمن میں آئی ہے

گھٹا مدینہ سے پھر اُٹھ رہی ہے رحمت کی
برس برس کے ہمارے وطن میں آئی ہے

وہ شمع حق جو کبھی زینتِ شبستاں تھی
جھلکنے کے لئے پھر انجمن میں آئی ہے

وہ موج لائی ہے موتی جو سات دریا کے
جناب آصف ہفتم کے من میں آئی ہے

زباں پہ نام تمہارا ہی آگیا ہوگا
وگرنہ کیوں یہ حلاوت سخن میں آئی ہے

گرہ پڑی ہے پھر اسلام تیرے ابرو میں
قیامت آج پھر اس کے شکن میں آئی ہے

بلا کشانِ ازل مژدہ ہو کہ گردنِ حق
پھر آج حصۂ دار و رسن میں آئی ہے

وفا کی شان ہماری روش سے پیدا تھی
جفا کی آن تمہارے چلن میں آئی ہے

جناب مالوی و لاجپت کی شانِ جلال
بدل کے روپ نیا سنگٹھن میں آئی ہے

معاملہ ہے مرے خامہ کو مضامیں سے
صبا حدیقۂ سرو و سمن میں آئی ہے

۵؍ مارچ ۱۹۲۵ء

دہلی میں تاجدار دکن کی آمد

کبھی المانیہ تھا جن کے پشتینی حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے اُن کے تاریخی حلیفوں میں

اگر آڑے نہ آتی ہمت آصف جاہ ہفتم کی
قوی جن کے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب! جب ساعت آئی حق شناسی کی
مٹا حق کا نشاں منّت گزاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تھیلیاں بھی دی گئیں اُن کو وظیفوں میں

دکن نے اپنا حق مانگا تو لندن سے جواب آیا
کہ احساں کی جزا احساں نہیں ہوتی شریفوں میں

مدد دیتا ہے جو انگریز کو مٹی ہے خوار اُس کی
یہ نکتہ آپ کو میں نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

نواسنجانِ دہلی کو صلائے عام دیتا ہوں
کہ داد فکر دیں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں

آصف جاہ ہفتم اور جامعہ اسلامیہ علیگڑھ

پس از سی روزہ عید آمد تعالی اللہ چہ عید ستے — کہ عشرت را کلید ستے و دولت را نوید ستے
ہمانا شاہدے باشد ملیح و چابک و رعنا — کہ در بر عالمش در حالت مستی کشید ستے
غلط بنود اگر نامیدمش آں قطرہ شبنم — کہ در ایام گل وقت سحر از گل چکید ستے
بہ مسند میر عثمان علی خان جلوہ آرا شد — جہاں تاب آفتابے در دکن دیگر دمید ستے
نظام الملک آصف جاہ ہفتم سایہ یزداں — کہ لیلش لیلۃ القدر است و روزش روز عید ستے
گہر پاش است و زر پاش است دست او بہ نیل اندر — بعہد جود او رنگ از رخ حاجت پرید ستے
نگاہش گر بہ یونیورسٹی افتد عجب نہ بود
کہ وقت چارہ گیری زشاہنشہ رسید ستے

ستم زدگانِ مالابار اور آصف جاہ ہفتم

گر اس کشور میں ہے اسلام کے چہرے پہ کچھ رونق
تو مالابار تیری سرزمین لالہ گوں سے ہے

عرب کا خوں تھا دیوانگی میں جوش کھا اُٹھا
حمیت کا یہ جذبہ قرنِ اول کے جنوں سے ہے

ہُوا کیا کٹ گئے گر چند سر ہندوستاں میں بھی
زمیں مشرق کی جب گلرنگ ترکوں کے خوں سے ہے

لِمَن یُقتَل کے پھندے میں پھنسا دی اُس نے خود گردن
الجھتا کس لئے پھر قاتل اس صیدِ زبوں سے ہے

حکومت سے شکایت ہے، نہ شکوہ اس کی سطوت سے
ہمیں گر شکوہ ہے خود اپنے بختِ واژگوں سے ہے

گر آصف جاہ ہفتم بیکسوں کے چارہ فرما ہیں
تو ہمدردی ان کی دل کے سوزِ اندروں سے ہے

عتاب انگریز کا جس پہ ہو پھر اُس کی مدد کیسی
مگر اس سحر کا رشتہ اخوت کے فسوں سے ہے

میر عثمان علی خاں

ذکر آتا ہے جو عثمان علی خاں تیرا
نام لیتے ہیں محبت سے مسلماں تیرا

ہے یہی رشتہ جسے کہتے ہیں تائید خدا
ہاتھ دولت کا ہے اور گوشۂ داماں تیرا

جان سو بار چلی جائے مگر آن نہ جائے
اس قدر پختہ ہے اسلام پہ ایماں تیرا

زندہ یثرب کی روایات تری ذات سے ہیں
بھول سکتی نہیں ملت کبھی احساں تیرا

بادشاہی میں فقیرانہ روش ہے جن کی!
ان کی فہرست کا دیباچہ ہے عنواں تیرا

تیرے خرقہ میں لگے دیکھے ہیں میں نے پیوند
گرچہ جم سے نہیں کم کچھ بھی ہے ساماں تیرا

تیری دہلیز کو پرویز سزاوار نہیں
تجھ کو شایاں ہے کہ انگریز ہو درباں تیرا

پاسباں جب کہ ہے اسلام کے ناموس کا تو
کس لئے پھر ہو اللہ نگہباں تیرا

---

۲۹ - اگست سنہ ۱۹۲۹ء

نذرِ عقیدت بحضور آصفجاہ ہفتم تاجدارِ دکن

شاہ اسلام کے دربار میں دس سال کے بعد
لعل لایا ہوں نہ یاقوت و گہر لایا ہوں

لعل و یاقوت و گہر کی نہیں اس گھر میں کمی
نذر کے واسطے میں خونِ جگر لایا ہوں

میر عثمان علی خاں کی محبت والا
ایک دل تھا سو اسی جذبہ سے بھر لایا ہوں

عزتِ ملتِ بیضا کی حفاظت کے لئے
اک اشارہ پہ جو کٹ جائے وہ سر لایا ہوں

خیلِ باطل کے مکاید کی ہزیمت کے لئے
حق پرستوں کی دعاؤں کا اثر لایا ہوں

مرتعش جس سے ہوئے تھے کبھی بدر اور حنین
وہی پیغام میں بے خوف و خطر لایا ہوں

حاجتِ بالِ ہما کیا اسے جس کی خاطر
بالِ جبریل امیں کا میں چنور لایا ہوں

وہ دکن جس پہ ہیں سو جاں سے مسلماں قرباں
اس کی آزادئ کامل کی خبر لایا ہوں

١٩٣١ء

دکن کا قومی ترانہ

جلی محفل جاں میں شمع شعور
ہُوا جس سے پیدا ارادت کا نور

دکن بن گیا غیرت اوجِ طور
ہُوا سایۂ حق کا جس پر ظہور

سلامت رہیں بندگانِ حضور

فلک پایہ ہے آستانِ حضور
ہے لطفِ خدا سائبانِ حضور

سکندر سے ملتی ہے آن حضور
نہیں بلکہ بڑھ کر ہے شانِ حضور

نوا سنج ہیں مدح خوانِ حضور
کہ پامال ہوں دشمنانِ حضور

سلامت رہیں بندگانِ حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام
ہُوا جلوہ گر جب ہمارا نظام

رعایا کی آنکھوں کا تارا نظام
ہمیں دل سے اور جاں سے پیارا نظام

سکندر نظام اور دارا نظام
غرض خسروی کا سہارا نظام

سلامت رہیں بندگانِ حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار
کرم اور شفقت ہے جس کا شعار

ہوا اس سے قائم ہمارا وقار
وہ آیا تو آئی چمن میں بہار

رعایا ہے سو جاں سے اس پہ نثار
نکلتی ہے دل سے دعا بار بار

سلامت رہیں بندگان حضور

یہ ہے حاصل داستان دکن
کہ آصف ہے صاحب قران دکن

ہوئے جب سے تم حکمران دکن
دوبالا ہوئی عز و شان دکن

دکن جسم ہے تم ہو جان دکن
نہیں بلکہ روح و روان دکن

سلامت رہیں بندگان حضور

ترے عدل کی گرم بازاریاں
مٹادیں گی ساری جفا کاریاں

ترے ہاتھ نے کیں گہر باریاں
تو دامن کو پیش آئیں دشواریاں

کریں گی ہماری وفاداریاں
ترے قصر دولت پہ گل کاریاں

سلامت رہیں بندگان حضور

حقیقت ہے آئینہ دار مجاز
خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز

مگر بے نیازی پہ ہو کارساز
لقب ہے تمہارا رعایا نواز

ہمیں ہے تمہاری حکومت پہ ناز
اگر تم ہو محمود ہم ہیں ایاز

سلامت رہیں بندگان حضور

یہ بزمِ جہاں جب تک آباد ہو | شہا نو ہو اور حیدر آباد ہو
نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو | تری شوکت و فر پہ ایزاد ہو
قضا کا ترے حکم پر صاد ہو | بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو

سلامت رہیں بندگانِ حضور

تقریب سی و چہارم سالگرہ

اعلیٰ حضرت آصف جاہ ہفتم تاجدار دکن بہ تتبع ذوق دہلوی

مئے عرفاں سے جب تک روح کا لبریز ساغر ہو — طراز صفحۂ توحید تا اللہ اکبر ہو
یم الہام میں کشتئ قرآں تا شناور ہو — کف ایماں میں جب تک گوہر دین پیمبرؐ ہو
الٰہی سایہ آصف جاہ کا ہم سب کے سر پر ہو
وفا پرور رہوں ہم سب بندے اور وہ بندہ پرور ہو

ہے طرۂ تاج انگلستاں کا تیری شوکت و حشمت — ہے وجہ افتخار ہند تیری دولت و طاقت
معین دین پیغمبرؐ ہے تیری صولت و شوکت — نہیں گردن فرازوں کو تری رفعت سے کچھ نسبت
نہ ہو بے جا اگر جمشید درباں تیرے در پر ہو
سکندر جس کو کہتے ہیں ترا ادنیٰ سا چاکر ہو

کرے طے دوربیں بعد فضا کا مرحلہ جب تک — ہو ذرات جہاں کا خوردبیں سے تجزیہ جب تک
نئے انداز دکھلائے عروس تجربہ جب تک — رہے دنیا میں علم و فن کا باقی مشغلہ جب تک
تری علم و ہنر کی قدر ہر سو فیض گستر ہو
ترا طفل دبستاں رشک افلاطون و ہومر ہو

رہے جب تک تجلی سایہ افگن نوعِ انساں پر | ہو جب تک لمعہ افگن پرتوِ تہذیب دوراں پر
فضا جب تک ہے باغِ ترقی کے خیاباں پر | زمیں کے فخر کا ہو پاؤں تا گردونِ گرداں پر
مبارک بادشاہا تجھ کو یہ اورنگ و افسر ہو
دکن تیرے زماں میں خالِ روئے ہفت کشور ہو

ہے جب تک آسماں پر برقِ خاطف میں درخشانی | ہے جب تک ابر کا زہرہ گرج سے رعد کے پانی
پہاڑوں میں ہے جب تک زلزلہ اور آتش افشانی | ہے جب تک بحر میں طوفان اور دریا میں طغیانی
ترا دشمن نہ ان آفات کے صدمہ سے جانبر ہو
بچے ان سے تو اس کا سر تری تیغِ دو پیکر ہو

گماں ہو نرگسِ شہلا پہ جب تک چشمِ فتاں کا | مشابہ سنبلِ رعنا ہو جب تک زلفِ پیچاں کا
حمائل ہو رُخِ دلدار جب تک ماہِ تاباں کا | قدِ جاناں پہ ہو اطلاق جب تک سروِ بستاں کا
عروسِ طبع روشن تیری رشکِ مہرِ انور ہو
حسینانِ معانی میں نہ اُس کا کوئی ہمسر ہو

رہے جب تک مرتب چرخ پر بزمِ مہ و پرویں | ہوں جب تک غازہ جو رنگِ بہاراں سے گل و نسریں
رُخِ دلدار پر بل کھائے جب تک گیسوئے مشکیں | ہو جب تک دخترِ رز کے لئے نقدِ خرد کابیں
تری محفل ہو آباد اور ترا گلشن ثمرور ہو
ترا ساقی رہے قائم نہ خالی تیرا ساغر ہو

ہوں ارماں دل میں جب تک جوشِ ہو جب تک جوانی میں نعشق میں نیاز اور ناز ہوتا داستانی میں

دل و دیدہ کی وہ حالت ہو تا سوز نہانی میں ہوں جیسے مچھلیاں خشکی میں اور آہو ہوں پانی میں

تمنا ہے تصدق سب سراپا اپنا شہ پہ ہو
فدا ان پر کہیں دل ہو کہیں جان ہو کہیں سر ہو

گل افشاں باغبانِ دہر کا جب تک رہے گلشن رہے گنجینۂ انجم سے پر گردوں کا تا دامن

زمیں میں نقرہ و زر کا رہے موجود تا معدن در و مرجان کا جب تک بحر میں قائم رہے مخزن

ترے فیض و کرم کا شمہ کان لعل و گوہر ہو
ترے جود و سخا کا قطرہ قلزم سا سمندر ہو

سرتاجِ خواتینِ ہند نواب سلطان جہاں بیگم

فرمانروائے بھوپال

(یہ قصیدہ ۱۴۔۱۰ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضور ممدوحہ کے سامنے پڑھا گیا)

جملہ افروزِ جہاں ہے تری دولت کا جمال — اس جمالِ نظر آرا پہ ہو نازاں بھوپال
ہفت اقلیم کا چہرہ ہے اگر کشورِ ہند — تو بلا شبہ ہے اس روئے دلآرام کا خال
کہیے خوبی کو تیری غازۂ روئے مقصود — لکھیے رونق کو تری سرمۂ چشمِ آمال
دیجے اک گلشنِ جاں بخش سے تشبیہ تجھے — آئی ہوگی نظر آفاق میں کم جس کی مثال
سرو و شمشاد ہیں جس باغ کے علم و دانش — جس چمن کے سمن و لالہ ہیں فضل اور کمال
سبزہ و گل کو جہاں جود و کرم کہتے ہیں — لطف و احساں ہیں جہاں بادِ صبا اور شمال
مدرسے ہیں ترے آباد مساجد معمور — دین و دنیا کی ترقی پہ روشن ہے تری دال
یہ تو سب کچھ ہے مگر ہے تجھے اس کی بھی خبر — کس کا شرمندۂ احساں ہے ترا جاہ و جلال
کس کی انگشت کی زینت ہوئی خاتم تیری — کون ہے جس نے جڑا اس میں نگینِ اقبال
کون ہے جس کی بدولت نظر آیا ہم کو — کہ ہوا روکشِ کلکتہ و پیرس بھوپال

وہ فلک قدر ہے اس بزم کی وجہ رونق   جس کے اقبال کے سورج کو نہیں خوفِ زوال
وہ جہاں صدرِ چمن بند ہے اس گلشن کا   نہیں پامالِ خزاں جس کے گلستاں کے نہال
کوکبِ اوجِ جہانبانی و عالی نسبی   صاحبِ تاج و نگیں آمرِ امر ذی بال
عہدِ فرخندۂ سلطان جہاں بیگم میں   ہے سرافراز اگر عیش تو غم ہے پامال
اے ہماری ملکہ سایہ خدا کا تجھ پر   رحمتیں خاص خدا کی ہوں ترے شاملِ حال
ذاتِ اطہر ہے تری مظہرِ شانِ عظمت   نامِ اقدس ہے ترا مصدرِ آنِ اجلال
دانش آموز قضا ہے ترا حکمِ محکم   بینش افروز خرد ہے تری عقلِ فعال
بسکہ خورشید نشاں ہے تری شان و شوکت   نہیں منت کشِ پرکار کشائی خیال
جی سی ایس آئی کو سمجھیں گے بصیرت والے   تیرے القاب کی تفصیل کا ادنیٰ سا جمال
قدردانی ہے تری شہرۂ اطرافِ جہاں   آستانہ ہے ترا کعبۂ اربابِ کمال
میرا پروازِ سخن ناسخِ نطقِ اقدال   تیرا اندازِ کرم ماحیٔ آئینِ سوال!
نکتہ چیں ہوتے ہیں جو ہند کی خاتونوں پہ   نہیں رکھتے وہ مگر پیشِ نظر تیری مثال
ملک اور قوم پہ احسان ہیں بے حد تیرے   ہو زباں تیری ثنا گر نہیں اس کی یہ مجال
پرتوِ عقل و خرد سے تیری محفل روشن   دولتِ فضل و ہنر سے ترا گھر مالا مال
تو نے تعلیم کی ڈالی ہے بنائے محکم   تجھ کو ہے طبقۂ نسواں کی ترقی کا خیال
مائیں تعلیم کے زیور سے اگر عاری ہوں   تربیت پا نہیں سکتے کبھی اچھی اطفال

طعنہ زن ہوگا زمانہ کوئی دن جاتا ہے — ایسی ماؤں کا نہیں دُودھ بھی بچوں کو حلال

مرد لیکن یہ اگر چاہیں کہ نسواں کو پڑھائیں — ایں خیال است و جنوں است محال است و محال

مسئلہ مشکل و پیچیدہ یہ کچھ ایسا ہے — کہ کرے گی اسے حل تیری ہی عقل حلّال

صد و سی سال رہے ملک پہ سایہ تیرا

ہوں ترے تابع فرماں شب و روز و مہ و سال

غازی امان اللہ خان

غمِ امت میں ہے چشمِ پیمبرؐ اشکبار اب بھی
گہر ریزی میں ہے مصروف ابرِ نو بہار اب بھی

ہُوا ہے دامنِ گلچیں ہی کوتہ ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی اُن کی بہار اب بھی

دلِ وحشی سے اِس پھندے میں اُلجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زُلفِ نگار اب بھی

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابرِ رحمتِ پروردگار اب بھی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہِ لُطفِ ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی

گر اپنے خوں سے کر سکتا ہو تو اس کی حنا بندی
عروسِ ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اچھالی جس نے ہر طوفاں میں کشتی اہلِ ایماں کی
مُسلمانوں کا بیڑا کر وہی سکتا ہے پار اب بھی

وہی ہے رشتہ جس نے ترک کا افغان سے جوڑا
وہی ہے اُن کے اعدا کو جو کر سکتا ہے خوار اب بھی

وہی ہے جس کے لطفِ خاص کے دیرینہ صدقے میں
اخوت ہے مُسلمانانِ عالم کا شعار اب بھی

مُسلمانوں کی پھر منظور تھی اس کو سرافرازی
خُدا نے کر دیا پیدا امان اللہ خاں غازی

۱۹۲۳ء

غازی امان اللہ خاں سے خطاب

بہ تقریب عید اضحیٰ ۱۳۴۷ھ

فرخ آں روزے کہ در جمع اسیرانت شوم　　بستۂ فتراک احسان فراوانت شوم
سلطنت دادی و دادی دولت ایماں بدست　　اے امان اللہ بلاگردان ایمانت شوم
شہریارا آنکہ بہر شے کردۂ دل بد مکن　　خود خدا گوید کہ میر ساز و سامانت شوم
اے کہ از پور خلیل آموختی رسم کہن　　عید قربان ست مے خواہم کہ قربانت شوم
خرم آں ساعت کہ کابل را دہی ساز دگر　　تو بہ بزم اندر نشینی من غزل خوانت شوم

کوکبت تابندہ باد و دولتت پائندہ باد
تا بمانی بستۂ تارے ز دامانت شوم

۲۲۔ مئی ۱۹۲۹ء

فتنۂ چکنور

شورِ بازار کی آفت نہ ٹلی تھی سر سے
کہ بپا غلغلۂ فتنۂ چکنور ہوا

آن پہنچے علماء کفر کے فتوے لے کر
دیں سدا پردۂ اوہام میں مستور ہوا

قلمِ رسم گھسا جب نے زباں تا بہ بناں
تیغۂ عدل چمک اُٹھنے پہ مجبور ہوا

یاد آنے لگی پوتے کو روشِ دادا کی
سخت گیری سے جو آفاق میں مشہور ہوا

پڑ گیا گنبدِ افلاک میں فتنہ ہار کا غل
خاور و باختر اس شور سے معمور ہوا

چند ہی دن میں یہ سن لو گے کہ ملّاؤں کے ساتھ
کفرِ کابل کی مضافات سے کافور ہوا

ٹوٹ ہی جائے گا طاغوت کی ٹولی کا طلسم
غلبۂ حق اگر اللہ کو منظور ہوا !

۲۳۔مارچ ۱۹۲۹ء

ہنگامۂ نو

عیدالفطر ۱۳۴۷ھ

اگر جاگا جہان ایشیا خواب گراں سے ہے
چلا اک تیر اگر اس شوخ کی بانکی کماں سے ہے

اگر پھوٹی ہیں خورشید درخشاں سے نئی کرنیں
اگر چھوٹی یہ نور افشاں ہوائے آسماں سے ہے

اگر ٹپکا ہے جوش فصل گل رگ ہائے بستاں سے
اگر آلودہ دامن لالہ کا خونِ خزاں سے ہے

اگر چھیڑا ہے مظلومی کی فریادوں نے گردوں کو
اگر اک آہ نکلی سینۂ ہندوستاں سے ہے

اگر آئی ہے عید اور لائی ہے پیغام آزادی
اگر یہ غلغلہ مشرق میں کلبانگ افغاں سے ہے

اگر قندھار میں بجتا ہے آج احرار کا ڈنکا
اور اس کی گونج ٹکرانے لگی دارالاماں سے ہے

تو یہ ہنگامہ ہے مخلوق فیض خواجۂ یثرب
اور اس ہنگامہ کی رونق امان اللہ خاں سے ہے

حجازی ترانہ افغانی لے میں

امان اللہ خاں اسلام کا پرچم اُڑاتا رہ
محمدؐ زائیوں کے نام کا ڈنکا بجاتا رہ

صلاح الدین ایوبی کو بے خود کر دیا جس نے
اُسی صہبائے کیف آور کے خم کے خم لنڈھاتا رہ

تری محفل کو جس کے زمزمے تڑپائے دیتے ہیں
اُس آزادی کے نغمے سارے مشرق کو سُناتا رہ

بہا لے جا چکی ہے جس کی رو کسریٰ و قیصر کو
نئے ریلے اسی سیلاب میں رہ رہ کے لاتا رہ

تری حکمت کے موتی ہم بھی اک دن رول ہی لیں گے
یہ گوہر ہائے غلطاں دونوں ہاتھوں سے لُٹاتا رہ

کئے جا خونِ استعمارِ مغرب کی تمنا کا!
مسلمانوں سے یوں ہی ہندوؤں کے دل ملاتا رہ

ڈیٹے جاؤ ڈھیل انہیں ٹھہرا رہے ہیں جو تجھے کافر
قیامت تک سر اُن کا شرم کے مارے جُھکاتا رہ

تری تلوار کی تیزی کے ہر میداں میں چرچے ہیں
یہ تیزی سرکشوں کی گردنوں پر آزماتا رہ

ہمارا خُون جن محلوں کی گُل کاری میں کام آئے
اُن اونچے کنگرے والوں کی بُنیادوں کو ڈھاتا رہ

جواں ہے تیری ہمّت اور جواں ہے بخت بھی تیرا
دُعائیں ہند کی لے لے کے عُمر اپنی بڑھاتا رہ

خطاب بہ مسافر اروپا

ترا چوں خلق گوید صاحب تاج و نگین استی
ہمیں یک حرف بر خوانم امیر المسلمین استی

امان اللہ اسمے بود و تو او را مسمّا ئے
ہمانا دولت اِنّا عَرَضنا را امین استی

سرشت گوہرم بکام اندر ترا نوش است و نیشی ہم
سم استی دشمناں را دوستاں را انگبین استی

نہ تنہا کابل از دارائے بر خویش مے بالد
کہ فخر جمع اسلام از سر اقش نابہ جبین استی

مراں از گوشۂ خاطر شتر باناں بطحا را
اگر بر پشت قلزم بستہ زین آہنین استی

لاہور ۔ ۱۲ ۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں

(امان اللہ خاں برائے دادنِ جاں خود در راہِ اسلام ہمیشہ حاضر است)

خدا ہی دے سکے گا اجر امان اللہ خاں تجھ کو
بنایا جس نے ناموس نبیؐ کا پاسباں تجھ کو

رسولؐ اللہ خود آکر تری عزت بڑھا دیں گے
کہ ذلت ملّتِ بیضا کی گزری ہے گراں تجھ کو

دکھا دے چیر کر اسلامیوں کا سینہ یورپ کو
یہ منصب سج رہا ہے کشورِ ہندوستاں تجھ کو

خلافت کی حمایت میں ہمارا نامہ بر ہو جا
بناتے ہیں مسلمانانِ ہند اپنی زباں تجھ کو

نثارِ اسلام پر ہونے کو تو ہر وقت حاضر ہے
مسلماں دین اور دُنیا میں دیکھیں کامراں تجھ کو

افق پر ہلالِ عید دیکھ کر

غازی امان اللہ خاں کی دُعا

اے کہ تیرا لطف ہے وجہِ نمودِ کائنات
اے کہ شامل رحمتیں تیری ہیں خاص و عام کو

اے کہ تیرے نورِ زنگار رنگ نے روشن کیا
قصرِ گیتی کے در و دیوار و سقف و بام کو

اے کہ خلاقی تری نازاں ہے اُس کی ذات پر
جس نے بطحا سے دیا درسِ حیات اقوام کو

بخش پھر ہم ناتوانوں کو توانائی وہی
جس نے دُنیا میں کیا تھا سربلند اقوام کو

رہ چکا ہے نام عالم میں مسلماں کا بلند
اپنی یکتائی کا صدقہ پھر اچھال اس نام کو

جو چلا آتا ہے یثرب میں ابھی تک سربمہر
پھر اسی خمخانہ سے بھر دے ہمارے جام کو

عید کا یہ چاند لایا ہے نویدِ فرخی
ٹال اس کی روشنی میں گردشِ ایام کو

کشورِ ہندوستاں کے سر پہ رکھ عزت کا تاج
تاکہ آزادی ملے مصر و عراق و شام کو

ایشیا کو نغمۂ توحید سے معمور کر
تاکہ ہم پہنچائیں یورپ تک ترے پیغام کو

۲۲۔ مارچ ۱۹۲۸ء

تاجدارِ افغانستان امان اللہ خان غازی سے خطاب

اعلیٰ حضرت کے عزمِ یورپ کی تقریب پر

اے سایۂ جلال خداوند کائنات
ہیں جمع تیری ذات میں اسلام کی صفات

مغرب کے حلقہ حلقہ میں رخشاں ترا فروغ
مشرق کے ذرہ ذرہ میں تیری تجلیات

ہیں زندہ تجھ سے غزنویوں کی روایتیں
اب تک ہے جن سے لرزہ براندام سومنات

کابل میں تیرے طنطنۂ خسروانہ سے
حل ہو رہی ہیں ملّت بیضا کی مشکلات

ہندوستان کو بھی تری ہمت بلند
دیتی ہے درس نکتۂ آزادیٔ حیات

یورپ کی سیر کے لئے جا اور خوشی سے جا
اور جاتے جاتے سُن لے ہماری بھی ایک بات

وقت سحر قریب ہے پھٹنے لگی ہے پو
اور ختم ہونے کو ہے سیہ بختیوں کی رات

کر جا کے تُرْھِبُوْنَ بِہٖ کا علم بلند
دیں کا جو ہو حلیف ملا اُس کو اپنے سات

اُس چشم جادوانہ کی افسوں گری سے بچ
اب تک نہ جس سے بابلیوں کو ملی نجات

اسلام رکھ کے ہار دے باقی ہر ایک نرد
پھر تیری جیت ہے زقبیل مسلمات

"شاہا دو رخ بدہ دل آرام را مدہ
فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات"

نغمۂ نوروز

خدا کی شان اک سقّے کا بچّہ — مقابل ہے محمد زائیوں کے
نہیں دیکھے پٹے کے ہاتھ اُس نے — امان اللہ کے شیدائیوں کے
اُسے اسلامیوں سے کیا سروکار — جو ٹکڑوں پر پلے عیسائیوں کے
سُنے جاتے ہیں کابل میں ترانے — ابھی سے غزنوی شہنائیوں کے
نکل جائیں گے تنکے کی طرح بل — کسی دن کابلی بلوائیوں کے
حریفا اس عہد میں پیرو ملّا — ہوئے اللہ کی یکتائیوں کے
ہوا میں ایک دن اُڑتے پھریں گے — پہاڑ ان ننھی ننھی رائیوں کے
جگر میں جس قدر چرکے لگے ہیں — کچوکے ہیں خود اپنے بھائیوں کے
الٰہی ناپنے والے کدھر ہیں — ہمارے زخم کی گہرائیوں کے
ہے ٹکر جن کی اک دنیا سے دن رات — وہ سر ہیں کچھ ہمیں سودائیوں کے

"مدینہ"[1] کی طرح ہم بھی ہیں حقدار
حکومت کی کرم فرمائیوں کے

۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء

---

[1] :- مولوی نورالرحمٰن بی اے مدیر مدینہ اس الزام میں گرفتار کئے گئے کہ انہوں نے ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء کے مدینہ میں افغانستان کے متعلق ایک قابلِ اعتراض شذرہ تحریر کیا تھا۔

کابل کے گدھے

ہوا کرتے ہیں پیدا رات دن سقّوں کے گھر بچے
مگر ہر روز امان اللہ خاں پیدا نہیں ہوتے

بہت سے تاجدار اب بھی نظر آتے ہیں دنیا میں
مگر اس شان کے صاحب قِراں پیدا نہیں ہوتے

رقیبِ روسیہ جس سے سر اپنا رات دن پھوڑے
بآسانی وہ سنگِ آستاں پیدا نہیں ہوتے

وہ جب موجود ہے تم میں تو کس منہ سے یہ کہتے ہو
کہ ناموسِ نبیؐ کے پاسباں پیدا نہیں ہوتے

نشاں اپنا مٹایا آپ اور اس پر یہ شکوہ ہے
مسلمانوں کی عزت کے نشاں پیدا نہیں ہوتے

گدھوں کی آج کل کابل میں ہے ایسی فراوانی
گماں ہونے لگا انساں یہاں پیدا نہیں ہوتے

۱۸۔ جنوری ۱۹۲۹ء

قندھار

یک بیک اسلام کی تقدیر پلٹا کھا گئی
رنگ لے آئی نرالا گردشِ لیل و نہار

ایک سقّہ مسندِ کابل کی زینت بن گیا
دیدنی ہے روزگار سفلہ پرور کا مدار

پھر تعصّب اور جہالت کا ہوا بازار گرم
پنجۂ باطل سے ہے حق کا گریباں تار تار

ملّتِ بیضا کی رسوائی کے ساماں ہو گئے
بڑھ گیا پھر حلقۂ مشرق میں پیروں کا وقار

دنیوی باتوں میں ہونے لگ گئے مُلّا دخیل
اور سپرد اُن کے ہوا سب سلطنت کا کاروبار

ہر طرف رجعت پسندی کی گھٹائیں چھا گئیں
ہو گیا قائم مشائخ کا پُرانا اقتدار

اِن کے ہاتھوں مغربی پھندوں میں پھنس کر رہ گئی
تھی جبیں آزادی کی ہر جانب سے مشرق میں نگار

ٹل ہی جائیں گی یہ گوناگوں بلائیں ایک دن
آ ہی جائے گا وہ دن جس کا ہمیں ہے انتظار

وقت آتا ہے کہ پھر ہوگا امان اللہ خاں
کامیاب و کام بخش و کامران و کامگار

پل رہی ہیں غیب کے آغوش میں وہ طاقتیں
جن کی عالمگیریوں کا نغمہ داں ہے قندھار

۲۱ جنوری ۱۹۲۹ء

طوفانِ مغرب

بہا کر لے گئی جو موج زنگار رنگ کابل کو
خبر بھی ہے تمہیں اُٹھی وہ کس سیلِ بلا سے ہے

یہ ہے وہ مغربی طوفان جس کی سہمگیں ٹکر
ہماری ناؤ کے تختوں کی دشمن ابتدا سے ہے

وہ چنگاری جو شعلہ بن گئی یاروں کے خرمن میں
فروغ اس کا مسیحیت کے دامن کی ہوا سے ہے

شریعت کے نگہباں پیکرِ جہلِ مرکب ہیں
معیت ملتِ بیضا کی اُن کے اقتدا سے ہے

دیا ہے جن پہ فتویٰ کفر کا ان روسیاہوں نے
غلامی کی اسے نسبت محمد مصطفےٰ سے ہے

امان اللہ خاں نے زندہ کر دی سطوت کبریٰ
بغاوت اس کی دولت سے بغاوت خود خدا سے ہے

وہ قوت جو ودیعت کی گئی ہے اس کے بازو میں
علیِ مرتضےٰ کے پنجہ زور آزما سے ہے

نہیں اس رمز کو جانا تو اب جانیں حریف اُس کے
کہ اُس سے قصدِ آویزش لپٹ جانا قضا سے ہے

نہیں ہندوستاں میں کوئی بھی جو یہ نہ کہتا ہو
کہ آزادی کی امید اُس کی دولت کی بقا سے ہے

یہ چرچے ہو رہے ہیں قدسیوں میں عرشِ اعظم پر
کہ فتحِ اسلام کی پلٹی ہوئی اُس کے لوا سے ہے

۲۹ جنوری ۱۹۲۹ء

ربِّ کعبہ سے ایک عاجزانہ اِلتجا

کوڑی کے تین تین بکیں گے یہ مولوی
اُٹھ اُٹھ کے لے رہے ہیں جو تثلیث کے قدم

کس کو اس ابتلا کی خبر تھی کہ ایک دن
ہم پر ہمارے ہی علما ڈھائیں گے ستم

جس کو انھوں نے کافر اکفر دیا قرار
جاتے ہی اُس کے کھُل گیا اِسلام کا بھرم

دارالاماں کے سر پہ قیامت گذر گئی
قہرِ خدا کے پھٹنے لگے آسماں سے بم

وہ گردنیں جو غیر کے آگے جھُکیں نہ تھیں
آج اُس کے آستاں پہ نظر آ رہی ہیں خم

اے ربِّ کعبہ ہم سے کہاں تک یہ بے رخی
کیوں ہو گئی تمھاری نگہِ التفات کم

آخر ترے رسولؐ کے دامن گرفتہ ہیں
جس کے غلام ہوتے ہیں اسکندر اور جم

کب تک رہیں گے دست و گریباں فرنگ سے
کب تک لڑا کریں گے یہ کُشتی قضا سے ہم

قندھار کو وہ زور عطا کر کہ عنقریب
پل بھر میں پھر بلند ہو توحید کا علَم

---

۹ فروری ۱۹۲۹ء

بچہ سقا کی مسند نشینی

چپ ہوئے پاپا چل دیئے پطرس گم ہوئے مرتس مٹ گئے لوقا
جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

پرچم حق لہرائی جب اٹھی ملت بیضا خاکِ حرم سے
چشم جہاں بیں کو نظر آیا جلوہ عرب کا صحن عجم سے

چین سے لے کر تا بمراقش ہونے لگے اسلام کے چرچے
تھا کبھی جن میں کفر کا غوغا شرک کا شور اصنام کے چرچے

باج جو کل تک لیتی رہی تھی سارے جہاں کے تاجوروں سے
آہ نکالی جانے لگی ہے آج وہ ملت اپنے گھروں سے

فتنۂ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنہ یہ حقا
مسند کابل پہ متمکن ہونے لگا ہے بچہ سقا

تم یہ کہو گے خاکِ وطن کو سقوں کی یلغار نے روندا
میں یہ کہوں گا دینِ نبیؐ کو لشکر استعمار نے روندا

چشمِ بصیرت دیکھ رہی ہے آج وہی نظارہ منقر میں
حشر کے دن طاغوت کی اُمت دیکھنے والی ہے جو سقر میں

کفر کے فتوے ہاتھ میں لے کر آئے ہیں پیر و صوفی و ملّا
دینِ مبیں کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہے غائب غلّا

اے میرے مولا دُور نہیں ہے اُن سے تری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دے اُن کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

شورِ بازاری شریعت کے پرستاروں کا سلام

ایک ڈاکو کو دیا مردِ مجاہد کا خطاب
شور بازاری رذالو کیا یہی اسلام ہے

جھوٹی قسمیں کھانے والے کو بنایا بادشاہ
شرع پر مر مٹنے والو کیا یہی اسلام ہے

اپنے محسن کو ڈسا جس افعیِ خوش رنگ نے
آستیں میں اُس کو پالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے روندا پاؤں میں ارشادِ اَوفوا بالعقود
اُس کو آنکھوں پہ بٹھالو کیا یہی اسلام ہے

دس برس تک جو تمہاری آنکھ کا تارا رہا
آج آنکھ اُس سے چُرالو کیا یہی اسلام ہے

جس کے ایماں کی قسم جبریل کھاتا ہے اُسے
کفر کے سانچے میں ڈھالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے افغانوں کی عزت میں لگائے چار چاند
اُس کو یُوں گھر سے نکالو کیا یہی اسلام ہے

پھیر لیں آنکھیں امان اللہ خاں غازی سے کیوں
گوری رنگت والے کالو کیا یہی اسلام ہے

بچہ سقا کی گرفتاری

درانیوں کی فوج جو میداں میں ڈٹ گئی
سقے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللہی علم
چوروں کے سرگروہ کی تقدیر الٹ گئی

خود کوہ دامنی ہی گرے اس پہ ٹوٹ کر
اچھا ہوا کہ جوتیوں میں دال بٹ گئی

ہر وہ بلا جو عرش سے اتری تھی فرش پر
دارالامان کے راہ زنوں سے لپٹ گئی

سقے کا ہاتھ گرچہ بڑا ہاتھ تلا ہوا
قسمت مگر خراب تھی تلوار اچٹ گئی

مانجھا نہ تیز تھا تو لڑایا تھا کیوں پتنگ
پڑتے ہی ایک پیچ کے جھٹ ڈور کٹ گئی

اسلامیوں کا مرتبہ دنیا میں بڑھ گیا
نصرانیوں کی دہر میں توقیر گھٹ گئی

خوشیوں کی ساعت آ گئی ایام غم گئے
نور سحر طلوع ہوا رات کٹ گئی

---

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء

زخمۂ چنگِ رودکی

دیدہ وراں متفق ہستند کہ ہیچکس از سخن سرایانِ عجم بہ پایۂ رودکی نہ رسیدہ چنگِ نصر بن احمد را اگر آبِ جیحوں تا بمیاں آورد۔ ہماں اثرِ ترانہ اش بود۔ کہ تاج الشعراء امیرِ معزی ہم از نظیرش عاجز گشت۔ من ہندی نژاد کج لج زبان کہ باشم۔ کہ جوابِ رودکی نویسم۔ ایں چند ابیات کہ از کلکِ من فرو چکید۔ پاسخ آں را۔ بدتر از ریز نباشد۔ اما نعرہ ایست مستانہ کہ علیٰ سبیل اضطرار از دل دردمند برجست۔

ساقیا برخیز مے در جام کن — فصلِ گل در بوستاں آید ہمی
بادِ نوروزی وزیدا اندر چمن — نغمہ اش عنبر فشاں آید ہمی
مسلم از خوابِ گراں بیدار شد — انقلاب اندر جہاں آید ہمی
زود بینی وفدِ ما از لوندرہ — شاد کام و کامراں آید ہمی
باش تا برقے درخشد از حجاز — غیرتِ حق درمیاں آید ہمی
باش تا موصل برآرد شعلۂ — تابش اندر استخواں آید ہمی
باش تا از پردۂ مشرق بدر — حجتِ اسلامیاں آید ہمی
کفر را غوغا برآید از نہاد — مہدیِ آخر زماں آید ہمی
باش تا از نالۂ ہندوستاں — محشرستانے عیاں آید ہمی!

نعرۂ اللہ اکبر مے زنم — ناتوانا را تواں آید ہمی
آنکہ ہجرت کرد بہر مقدمش — خواجۂ کون و مکاں آید ہمی
ناخدا باشد امان اللہ خاں — کشتیِ ما بر کراں آید ہمی
جانبِ کابل قطار اندر قطار — کاروانِ ہندیاں آید ہمی
رودکی چنگ است و کلکم زخمہ اش — یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

مسلم آہنگِ بخارا کردہ است
بوے جوے مولیاں آید ہمی

---

https://archive.org/details/@awais_sultan

جلال آباد

جو کڑک کر گر چکی ہے بارہا بغداد پر
آج ٹوٹی ہے وہی بجلی جلال آباد پر

پا بگل کابل ہیں حق ہے اور ہے باطل سربلند
استوار ارکان دیں ہیں جہل کی بنیاد پر

میرے بچوں کو نہ یوں اے ظالمو کافر بناؤ
دیکھئے اُٹھتا ہے کون اسلام کی فریاد پر

برملا بے دیں کہا جس نے امان اللہ کو
آفریں تہذیب اسلامی کے اس استاد پر

اُن کی آنکھوں میں کبھی کھٹکا نصاریٰ کا بھی کفر
ہے نظر جن کی امان اللہ کے الحاد پر

میں ہوں آزاد اس لئے کافر بھی ہوں ملحد بھی ہوں
حکمتیں صدہا نثار اُس کے اِک اس ارشاد پر

غیب سے تائید ہے اُس کی مسلمانوں کی طرح
تُل رہے ہیں سارے ہندو بھی اگر امداد پر

لاکھ مومن ہو مگر ترجیح پا سکتا نہیں
شور بازاری غلام اک فاسق آزاد پر

حاملانِ عرشِ اعظم کی بلاغت ہے نثار
میری طبع نکتہ رس کی یثربی افتاد پر

۹۔ مارچ ۱۹۲۹ء

غازی امان اللہ خاں کے مشکوے معلی میں

مولود مسعود کا تولد

ایسے مولود ہوا کرتے ہیں کمتر پیدا
جن کی تعظیم کو ہو فتنۂ محشر پیدا

گرچہ معمورۂ قندھار امر کوٹ نہیں
گھر ہمایوں کے ہوا ہے مگر اکبر پیدا

باپ ہے مہر منیر اور ثریّا ماں ہے
کیوں نہ مولود بھی ہو ماہ منوّر پیدا

اس کے اقبال کا نقارہ بجے عالم میں
اُس کی دولت سے ہوں دارا و سکندر پیدا

اُس پہ اللہ کا اور اُس کے نبیؐ کا سایہ
اُس کی تائید کو ہوں غیب سے لشکر پیدا

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء

الوداع

از نہادِ مشرق آہے جستہ مانندِ شرار
برقِ غیرت شد امان اللہ خاں نامیدش

تا بہ دہلی از بنارس تاخت بر دلہائے خلق
تاجدارِ کشورِ ہندوستاں نامیدش

آمد اندر دل بہ آئینے کہ محشر خواندمش
رفت از پہلو بہ تمکینے کہ جاں نامیدش

از جبینش آشکارا شانِ تسلیم و رضا
کارواں سالارِ ابراہیمیاں نامیدش

باش تا بینی کہ تیغش بار دیگر دو بے نیام
منکراں را حجتِ آخر زماں نامیدش

۲۸- مئی ۱۹۲۹ء

ڈوبے ہوئے بیڑے کے اُچھلنے کی تمنّا

امان اللہ خاں بد دل نہ ہو وہ دن بھی آتا ہے — کہ پھر چل کر تری دولت ترے گھر سر کے بل آئے
ترا صبر آسماں سے کھینچ لائے حق کی رحمت کو — اور اس رحمت کا چشمہ تیرے قدموں میں اُبل آئے
پھریرا تیرا پھر لہرائے قندھار اور غزنی پر — ترے قبضہ میں کابل آئے اور ساتھ اُس کے ٹل آئے
بکھیرے اپنے جلوے پھر ترا اقبال مشرق میں — یہ سُورج حسبِ عادت پردۂ شب سے نکل آئے
مقدر کو گوارا ہو نہیں سکتا ترا جانا — نظامِ ایشیا میں جس کے جاتے ہی خلل آئے
بھنور میں ناؤ تیری گھر گئی ہے یک بیک لیکن — "عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اُچھل آئے

کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گرداں یُوں بھی دیکھے ہیں"

۱۰-جون ۱۹۲۹ء

ترانۂ تہنیت فتح کابل

عرش پر پھر فرش پر یہ غل ہُوا — فاتح ٹل فاتح کابل ہُوا
فتح نادر خاں کو دی اللہ نے — بچۂ سقا کا آخر قتل ہوا
شمع روشن ہے امان اللہ کی — دشمنوں کا جو دیا تھا گل ہوا
تھا نہ کل تک جس کو کچھ بھی اقتدار — آج پھر مختار جزو و کل ہوا

آ گئی اجڑے گلستاں میں بہار
نغمہ پیرا شاخ پر بلبل ہُوا

۱۹- اکتوبر ۱۹۲۹ء

عیدی

یہ عیدی آبِ زر سے آج لکھی ہے ملائک نے
جسے سُن کر ہر اک افغان کا بچہ شادماں ہوگا

کہ گلشن میں بہار آنے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
وہ سامانِ گل بداماں جس سے مشرق کا جہاں ہوگا

صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پھولوں میں گزرے گی
طیورِ صبح خواں کا قافلہ آتش بجاں ہوگا

شرابِ زندگی خُم خانۂ یثرب سے اُبلے گی
ملے گی جن کو یہ صہبا نصیب اُن کا جواں ہوگا

نئے جلوے بکھیرے گا ہلالِ عید گردوں پر
اور اُس کے نور میں ڈوبا ہوا دارالاماں ہوگا

ملے گا پھر محمد زائیوں کو تاجِ آبائی
بہت جلد اپنے بندوں پر خدا پھر مہرباں ہوگا

پھر آجائیں گے اقبال اور دولت اپنے مرکز پر
سریر آرائے کابل پھر امان اللہ خاں ہوگا

وطن کو جس کی دارائی نے بخشی تھی توانائی
عَلم دار اُس کی سطوت کا وہی صاحب قِراں ہوگا

جنہوں نے بیوفائی کی ہے شاہنشاہ غازی سے
اب اُن سب کی دُعا کا از سرِ نو امتحاں ہوگا

۲- مارچ ۱۹۳۰ء

نویدِ غیب

اُڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے غیب سے
دارالامان میں ایک نئے انقلاب کی

کابل کی خاک لا نہیں سکتی زیادہ تاب
موجودہ دور کے ستم بے حساب کی

یا رب ہو قطع سلسلہ ظالم کے جبر کا
شام و سحر دُعا ہے ہر اک شیخ و شاب کی

پیاسے جو تھے وہ تا بہ سرِ آب آ گئے
اور جاننے لگے ہیں حقیقت سراب کی

یاد آ رہی ہے پھر دلِ احساں شناس کو
آج اپنے تاجدارِ ثریّا جناب کی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللّٰہی علَم
دیتی ہے جس کو بوسہ کرن آفتاب کی

الپ ارسلانِ وقت

بھری محفل میں پھر اپنی دلِ آزاد استاں کہیے
پھر اپنے بخت کو اور اپنی دولت کو جواں کہیے

کہاں تک شکوۂ بے مہریِ دورِ فلک لکھیے
کہاں تک قصۂ بیدادِ ابنائے زماں کہیے

سپردِ خامہ کیجے ملتِ بیضا کی شوکت کو
اور اس کے زندہ پیکر کو امان اللہ خاں کہیے

جسے لکھتے کبھی اورنگ زیب اس دورِ فرخ کا
جسے اپنے زمانہ کا کبھی الپ ارسلاں کہیے

مسلمانانِ مشرق کی امنگیں اس سے قائم ہیں
اسے ہندوستاں کے بے زبانوں کی زباں کہیے

لگائے چار چاند اسلام کو اس کی عزیمت نے
اسے شرعِ نبیؐ کی آبرو کا پاسباں کہیے

سپہرِ علم و حکمت ہے اگر معمورۂ کابل
تو اس کو ماہ کہیے مہر کہیے خاوراں کہیے

مسلماں آج بھی ہیں زندہ جس کا نام لے لے کر
اسے اس سطوتِ کبریٰ کی رفعت کا نشاں کہیے

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسے دینِ حجازی کی وہی سیلِ رواں کہیے

کبھی غرناطہ و غزنی کو جس بجلی نے تڑپایا
وہ چشمک زن ہے خیبر کے سوا اور اب کہاں کہیے

لاہور۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۲۷ء

سلام کا مہرِ خشاں غازی امان اللہ خاں

امان اللہ خاں فخرِ سلاطینِ زماں تو ہے
کہ ناموسِ رسولِ ہاشمی کا پاسباں تو ہے

تری دہلیز کو آکر فرشتے چوم لیتے ہیں
کہ خاکِ آستانِ سرورِ کون و مکاں تو ہے

مسلمانوں کی بیتابی اگر ہے نوح کا طوفاں
تو طوفاں میں برنگِ موج گوناگوں رواں تو ہے

ہمارے دردِ دل کی شرح تیرے نطق نے کر دی
ہمیں کیا ڈر ہو جب ہم بے زبانوں کی زباں تو ہے

ترا نور ایشیا کو مطلعِ انوار کر دے گا
چراغِ ایزد افروزِ امان اللہ خاں تو ہے

حدی خواں چارہ گر ہے آپ محمل کی گرانی کا
نہیں کچھ کارواں کو غم کہ میرِ کارواں تو ہے

نہیں برطانیہ کو خوف کچھ بھی امن کا جب تک
رفیقِ تاجدارِ کشورِ ہندوستاں تو ہے

امان اللہ خان غازی ربِّ کعبہ کے آستانہ پر

اے کہ از خطۂ روما بحجاز آمدۂ
جاں فدائے تو کہ اسلام نواز آمدۂ

بر درِ کعبہ خروش است کہ صد قافلہ جاں
ہمہ تن ہست کہ از بہر نماز آمدۂ

میرِ سامانِ تو شد ورزشِ ایمان بالغیب
بچہ سامان بچہ برگ و بچہ ساز آمدۂ

سایۂ رحمتِ سالارِ دو عالم بہ سرت
اے کہ بر درگہش از راہ دراز آمدۂ

وقت آنست کہ نازت بکشد خاکِ وطن
کہ جبیں سودہ بدہلیزِ نیاز آمدۂ

۲۵-اپریل ۱۹۳۱ء

نسیمِ حجاز کی شمیم

پھر لا رہا ہوں وجد میں دیوار و در کو میں
پھر کر رہا ہوں یاد میں ابنِ سعود کو

پھر تاکتی ہے گردن آہوئے دشت نجد
تارِ کمندِ رحمتِ ربِّ ودود کو

پھر وہ شرار مجمرِ جاں سے ہوا بلند
جس نے کیا ہے نعل در آتش خرود کو

گر ہے جزیرۃ العرب اسلام کا محیط
موج اس کی جان لیجئے اس کے وجود کو

ابرو کے اِک اشارہ سے اس نے دیا بکھیر
باطل کی کارگاہ کے تار اور پود کو

مِلّت کے اعتدال کو سانچے میں ڈھال کر
آزادیوں کے ساتھ ملایا قیود کو

جس تاجور سے باج نہ لے شرعِ مصطفےٰ
بے بود جانتا ہے وہ اس کی نمود کو

سر پر عقالِ سلطنت اور دوش پہ گلیم
بھولا نہیں وہ عہدِ سلف کے عہود کو

شامل ہو اس کے حال کو اللہ کا کرم
ایفا کیا ہے جس نے نبیؐ کے عقود کو

---

۲۴ - دسمبر ۱۹۲۷ء

شہسوار نجد

جا کے صبا پیام دے نجد کے شہسوار کو
ہم بھی ہیں تیرے منتظر موڑ ادھر مہار کو

چھائی ہوئی ہے خامشی عالمِ حال و قال میں
حشر بپا ہو ہر طرف زخمہ لگاؤ تار کو

قافلۂ بنی تمیم یثربیوں سے آ ملا
آتے نہیں لگی ہے دیر باغ میں نوبہار کو

ابنِ سعود کو ملا مرتبہ یداللّٰہی
تازہ بہانہ مل گیا رحمتِ کردگار کو

آذریوں کی بزم میں مہلتِ رقص بھی نہ دی
مصطفوی چراغ نے بولہبی شرار کو

ساقیٔ دلنواز نے خمکدۂ حجاز سے
دی ہے شرابِ خانہ ساز ہند کے بادہ خوار کو

کج نگہوں کی گمرہی سے تو گلہ فضول ہے
دیدہ وروں کو کیا ہوا کہیں نور جو سمجھے نار کو

موت کی جستجو نہیں مجھ کو تلاشِ زندگی
دیتا ہوں قبر کے عوض بوسہ میں ذوالفقار کو

۵۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء

امیر المومنین ابنِ سعود

جب اُٹھاتا ہے حجابِ آستیں ابنِ سعود　　آنکھ سے لاتا ہے نذرِ گوہریں ابنِ سعود
اپنے مولا سے کرا لیتا ہے نذر اپنی قبول!　　کعبہ کی دہلیز پر رکھ کر جبیں ابنِ سعود
جس کو دُنیا میں لُٹایا تھا رسول اللہؐ نے　　ہے اسی گنجِ سعادت کا امیں ابنِ سعود
وقت جب آیا کہ فتنوں سے ہو پاک ارضِ حجاز　　بن گیا تقدیرِ ربّ العالمیں ابنِ سعود
اِک نہ اِک دن ہو گی تطہیرِ عراق و شام بھی　　حل یہ مشکل بھی کرے گا بالیقیں ابنِ سعود
اُس کے قدموں پہ چلے گی ساری دُنیا ایک روز　　ہے محمدؐ کا غلامِ کمتریں ابنِ سعود
دولت اُس کی ہے کنیز اقبال ہے اُس کا غلام　　سلطنت انگشتری ہے وہ نگیں ابنِ سعود
ایک صف میں سب کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے نماز　　گر نہ ہوتا صاحبِ ذوقِ یقیں ابنِ سعود
تاکتی ہے خرمنِ تاتار کو برقِ فرنگ　　لیکن اس کی زد میں آسکتا نہیں ابنِ سعود
لرزہ براندام ہے باطل کہ گونجا نجد میں　　بیشۂ اسلام سے شیرِ عریں ابنِ سعود
نجد کی لیلےٰ پہ مرجانے لگے مجنوں نئے　　ہند کا محمل ہے اور محمل نشیں ابنِ سعود

ہے لباسِ کعبہ کا پیوند زریں اُس کی جیب — جیب میں لایا ہے لولوئے ثمیں ابنِ سعود

ہے دلِ ملت پہ نقشِ اُس کی ارادت ہر طرف — حکمراں ہے از مراقش تا بہ چیں ابنِ سعود

لکھیئے اُس کو حارسِ شرعِ مبیں عبدالعزیز — کہیئے اُس کو حامئ دینِ مبیں ابنِ سعود

ہم زباں پھر قدسیوں کا ہو کے کہیئے برملا

ہے لقب اُس کا امیر المومنیں ابنِ سعود

مکہ مکرمہ ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء

منصب خلافت

اگر اسلامیوں کا سیزدہ صد سالہ نظام
اب بھی قائم ہے علیٰ رغمِ نصاریٰ و یہود

اگر انگورہ کے اعلان کے باوصف اب تک
آپ کی رائے میں لازم ہے خلافت کا وجود

ناگزیر اب بھی اگر ہے کوئی مرکز ایسا
جس میں جاری ہوں محمدؐ کی شریعت کی حدود

کہہ سکیں رابطۂ ملتِ بیضا جس کو
جس میں ہو جلوہ نما سطوتِ کبریٰ کی نمود

تو یہ فرمایئے بطحا کے سوا اور کہاں
پائی جاتی ہیں یہ اسلام کی دیرینہ قیود

جب کہ جاروب کشِ صحنِ حرم بھی ہے وہی
کیوں خلیفہ نہ پھر اسلام کا ہو ابنِ سعود

شعلۂ نافسردہ

اب بھی ہے سلامیوں کے سر میں سودائے جہاد
اس انگیٹھی میں دہکتے ہیں کچھ انگارے ابھی

کہہ دو فیصل سے کہ گرمایا اگر ابنِ سعود
بَل نکل جائیں گے تنکے کی طرح سارے ابھی

سبز جھنڈا ہاتھ میں لے کر رسول اللہ کا
ہونے والے ہیں مسلماں عرش کے تارے ابھی

کربلا کو اِک نئے ہنگامہ کا ہے انتظار
اور بھی چھوٹیں گے اس میں خوں کے فوارے ابھی

اے تفرج تیری خوشیاں ساری قبل از وقت ہیں
زندہ ہیں توحید اور سنت کے گہوارے ابھی

۱۳۔ مارچ ۱۹۲۶ء

عہدِ سلف کی رونقیں

جگر اور دل ہی نہیں رہے کہ سموؤں ان کے گداز میں
نہ رہیں وہ پہلی سی لذّتیں مری داستانِ دراز میں
نہیں شکوہ مجھ کو نصیب سے گلہ ہے اگر تو نصیب سے
جو چھپا رہا ہے حبیب سے مگر اس کی شرح ہے راز میں
کئی سو برس جو دبا رہا نگہِ عرب سے چھپا رہا
پھر ابھر رہا ہے تتار سے وہی فتنہ رنگ مجاز میں
کوئی ہے جو ترک کو جا کے دے یہ پیام مسلم ہند کا
کہ وہ لذّتیں جو ہیں سوز میں کبھی آ سکیں نہیں ساز میں
نہ بچا فریبِ فرنگ سے کوئی تاجور کوئی باجور
مگر اک حرم کا وہ پاسباں جو ہے سر بسجدہ نماز میں
نہیں فیض ابنِ سعود کا یہ ہے لطف ربِّ ودود کا
کہ سلف کے عہد کی رونقیں نظر آ رہی ہیں حجاز میں

۱۴- اپریل ۱۹۲۸ء

مستقبل حجاز

ممکن ہے مہر و مہ نہ رہیں آسمان پر
ممکن نہیں کہ حق نہ ہو جاری زبان پر

وہ فوج جبرئیل تھے جس کی کمان پر
پہلا پڑاؤ اس کا پڑا تھا معان پر

پنہاں تھی جس میں دیدۂ ہرقل کی تیرگی
وہ تیغ تھی چڑھی ہوئی یثرب کی سان پر

واحسرتا بلند ہے طاغوت کا علم
اس عہد میں نبی کے قدم کے نشان پر

کس وقت جانے دیکھیے کھنچتا ہے خطِ نسخ
تثلیث کے عروج کی اس داستان پر

کس کو نہیں یہ علم کہ مستقبل حجاز
موقوف ہے حجاز کے امن و امان پر

توفیق اس کی دی گئی ابنِ سعود کو
روشن ہے یہ حقیقت کبریٰ جہان پر

محمل کو کر رہا تھا سبکسار یہ سرود
میں جا رہا تھا جدّہ کو جب خیزران[1] پر

اور آخری یہ شعر رقم کر رہا ہوں میں
بیٹھا ہوا شریف عسلی کے مکان پر

---

[1] اونٹ کا نام جس پر میں مہر کے ساتھ سوار تھا۔

جدہ یکم جنوری ۱۹۲۶ء

ہر مردے و ہر کارے

شتر بانوں کو بخشی جا رہی ہے پھر جہانبانی
عرب کی ریت کے ذرّے بنے گردوں کے سیّارے

حجاز اور اس کی تطہیر آئی حصّے نجد والوں کے
کہا سچ کہنے والے نے کہ ہر مردے و ہر کارے

خدا کی رحمتیں ابنِ سعود اور اس کی دولت پر
جسے ڈھب یاد ہیں اقبال کی تسخیر کے سارے

الٹ جاتی ہے جب تقدیر کام آتی نہیں طاقت
نہ چل سکتی ہیں بندوقیں نہ اڑ سکتے ہیں طیّارے

علی اور اس کے اعوان ایک بھی میداں نہیں جیتے
سعود اور اس کے اخواں ایک بھی بازی نہیں ہارے

بداوت کو حضارت سے پڑا پالا تو دیکھو گے
دھرے رہ جائیں گے قانونِ افرنجی کے پشتارے

سکھا سکتے ہیں تہذیب آج بھی صحرا نشیں ان کو
جو ہیں اس دور کی شائستگی کے عرش کے تارے

حرم کی طرح جدّہ پر بھی اہلِ نجد قابض ہیں
مخاطب کس سے جا کر ہوں اب اہلِ جدہ بچارے

سلامت گنبدِ خضرا کو جا کر جب وہ دیکھیں گے
عجب کیا ہے جھکا لیں اپنی گردن شرم کے مارے

ابلنے لگ گیا پھر چشمۂ نور ان اماکن سے
جو تھے ایامِ سابق میں سیہ مستی کے گہوارے

حجاز اب ملتِ بیضا کی رعنائی کا گھر ہوگا
بجیں گے اب یہاں اسلام کی شوکت کے نقارے

۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۵ء

خادم حرمین الشریفین

اے کہ ہے تو زینتِ تاج و نگیں | تجھ سے ہے آرائش دنیا و دیں
تو اس امانت کا ہے گنجینہ دار | چھوڑ گئے جس کو رسولِ امیں
غیب کی تائید ہے حصہ ترا | اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْن
فتح کی تیرے لئے آئی نوید | اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْن

اَیَّدَكَ اللّٰہُ بِنَصْرٍ عَزِیْز
وَفَّقَكَ اللّٰہُ بِفَتْحٍ مُّبِیْن

تطہیر یثرب

داخل ہُوا مدینہ میں ابنِ سعود آج ۔۔۔ پھر جوش پر ہے رحمتِ ربِّ ودود آج
توحید کا عرب میں علَم سربلند ہے ۔۔۔ قائم ہوئی ہیں شرعِ نبیؐ کی حدود آج
ہیں غازیانِ نجد پیمبرؐ کے پاسباں ۔۔۔ یثرب میں خیمہ زن ہیں خدا کے جنود آج
آتے ہی مسجدِ نبویؐ میں پڑھی نماز ۔۔۔ کیا لطف دے گیا ہے رکوع و سجود آج
منکر بتائے جاتے تھے جس نام پاک کے ۔۔۔ اُس پر یہ لوگ بھیج رہے ہیں درود آج
اِس جھوٹ کا کہ گنبدِ خضرا ہُوا شہید ۔۔۔ سُلطان نے بکھیر دیا تار و پود آج
ہم کو ہے پاسِ عہد کہ ابن سعود کو ۔۔۔ کِس کو ہیں یادِ ازل کے عہود و عقود آج
کل جس کے نام سے بھی نہ عالم تھا آشنا ۔۔۔ ہم اُس کے پاس لے کے چلے ہیں وفود آج
رگ رگ میں موجِ خونِ سلف دوڑنے لگی ۔۔۔ مٹنے لگا ہے تفرقۂ ہست و بود آج
قبرص میں ہے حسین تو فیصل عراق میں ۔۔۔ نابود ہے حجاز میں ان کا وجود آج
اک رہ گیا علی سو اسے دیکھ دیکھ کر ۔۔۔ یاد آ رہی ہے مجھ کو حدیثِ ثمود آج

جدہ سے رہگر اے فلسطین ہی تو ہو
جو بن رہا ہے جائے پناہِ یہود آج

انگورہ

مُصطفےٰ قائم نہ کرتا گر نظام انگورہ کا
کام کرزن نے کیا ہی تھا تمام انگورہ کا

جا کے یورپ میں اُڑا آیا ملوکیت کی خاک
اپنی ٹاپوں سے سمندِ تیز گام انگورہ کا

اپنے جمہوری اصولوں پر جو نازاں ہیں انہیں
محوِ حیرت کر رہا ہے انتظام انگورہ کا

اُٹھ کھڑے ہوں اپنے اپنے پاؤں پر سب حق پرست
ساری دُنیا کو یہ پہنچا ہے پیام انگورہ کا

ایشیا کا افتخار اس کو کیا اللہ نے
اس سے بھی اونچا ابھی ہوگا مقام انگورہ کا

حشر کے دن تک نہیں ہے جس کو خوف انفصام
ہے اسی حبل المتیں سے اعتصام انگورہ کا

لرزہ ہو جاتا ہے طاری کفر کے اندام پر
اس کے حلقوں میں جب آ جاتا ہے نام انگورہ کا

اُن سے بس چلتا نہیں پھر کیوں نہ کابل ہی سے لیں
دشمنانِ دینِ برحق انتقام انگورہ کا

ہے امان اللہ خاں بھی لیکن اُس صہبا سے مست
جس کی فغّاری نے چھلکایا ہے جام انگورہ کا

آنے والی ہے وہ ساعت جب کریں گے اتباع
کابل و ہند و عراق و مصر و شام انگورہ کا

دیکھ لیں گے اپنی ان آنکھوں سے ہم خود ایک دن
دشمنانِ نوعِ انساں کو غلام انگورہ کا

غازی محمد عبدالکریم قائد مجاہدین ریف

اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہے تو — آج کل سب سے بڑا غازیٔ اسلام ہے تو
اپنے اوپر تجھے ہسپانیہ کرتا ہے قیاس — یعنی کہتا ہے کہ خورشید لب بام ہے تو
تیری ہیبت سے ہُوا لرزہ بر اندام فرانس — اس کی سطوت کے لئے موت کا پیغام ہے تو
مصطفےٰ مشرق ادنیٰ میں ہے جس پہ نازاں — کر رہا مغرب اقصیٰ میں وہی کام ہے تو
خالد و طارق و محمود تھے جس سے سرشار — اسی صہبا کا چھلکتا ہُوا اک جام ہے تو

پھر زمانہ کو دکھا شوکت اسلاف کا رنگ
اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہے تو

---

۹ مئی ۱۹۲۶ء

زمیندار

زمیندار اسٹیم پریس

خود اپنے ہی مطبع میں زمیندار چھپا آج
ہوتا ہے غلامی سے یہ اخبار رہا آج

مطبع کے نہ ہونے سے جو تھے روح کو سوہاں
یہ پرچہ اُن افکار سے آزاد ہُوا آج

اپنی ہی کلیں اپنے ہی انجن سے چلی ہیں
دل اور زباں کیوں نہ کرے شکر خدا آج

جس درد کی مدت سے تھی خود ہم کو شکایت
اُس درد کی پیدا ہوئی صد شکر دوا آج

آتے ہیں وہ ن اب اس کے پینپنے کے عزیزو
بیمار کو دی شافی مطلق نے شفا آج

پابندیٔ اوقات کی صورت نکل آئی
تاخیر کا احباب کو شکوہ نہ رہا آج

اغیار کے ناز اس نے اٹھائے ہیں مہینوں
ہے مایۂ نازش اسے خود اپنی ادا آج

صد جلوۂ پنہاں کے تجمل کی ہے تمہید
ہوتا ہے جس انداز سے یہ چہرہ نما آج

آرائش ہم چشم سے مشاطہ ہے فارغ
نازاں نہ ہو پھر شانہ پہ کیوں زلفِ رسا آج

احباب نے اس وقت تک امداد جو کی ہے
کچھ اس سے اعانت کی ضرورت ہے سوا آج

۲۲۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء

زمیندار کی ضبطیِ ضمانت

ہے کھٹکتا نگہ برق میں خرمن میرا
خواب یہ ہے مگر اب دیکھیے اس کی تعبیر

حوصلے قیس کی دیوانہ سری کے نکلے
نغمہ گوش ہے لیلیٰ کو صدائے زنجیر

آج ہے ناز مجھے اپنی گنہگاری پر
میں کہاں ورنہ کہاں اُن کا خیالِ تعزیر

میں جو وابستہ فتراک ہوا خوب ہوا
اے خوشا بخت جو کہلاؤں تمہارا نخچیر

کر دیئے قلب کے ٹکڑے یہ کرم تھا اُن کا
اشک خوں تھم نہ سکا تھی یہ ہماری تقصیر

فائدہ اس سے اگر ضبط ضمانت کر لی
کاش بتلاتے مجھے ضبطِ فغاں کی تدبیر

---

۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء

کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ

احیاءِ زمیندار

خوش ہو اے مسلم ہوئی آخر دعا تیری قبول
عرش سے فرمانِ احیاءِ زمیندار آ گیا

قدسیوں کو بھی ہوئی فکرِ پیامِ تہنیت
نور کے تڑکے مبارکباد کا تار آ گیا

ملّتِ بیضا کی رونق کا نکلتا ہے جلوس
سطوتِ کبریٰ کی شوکت کا علم دار آ گیا

جس کو سچّی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدانِ صحافت میں وہ اخبار آ گیا

اوّل اوّل غلغلہ حق کا کیا جس نے بلند
وہ مساوات اور حریت کا سردار آ گیا

بادۂ یثرب کے خم کے خم دیئے جس نے لنڈھا
آج پھر محفل میں وہ رندِ قدح خوار آ گیا

پھر بہار آئی رسول اللہ کے گلزار میں
فصلِ گل کے ساتھ ہی ساتھ ابرِ آذار آ گیا

باغباں سے گل کو تھے جتنے گلے جاتے رہے
نالۂ بلبل قفس میں تا بہ منقار آ گیا

کوئی ذلت سے یہ کہہ دے جس سے حضرت تھے خفا
آپ کے نفظوں میں وہ باغی وہ غدار آ گیا

لیکن اس کو کیجئے گا کیا کہ کہتی ہے یہ خلق قوم کا خادم حکومت کا وفادار آگیا
دیکھ لی ملّت نے اس کے خواب کی تعبیر آج رشتۂ تسبیح بن کر کام زُنّار آگیا
ہندو و مُسلم کی ہم کیشی کی ساعت آگئی
کیونکہ خاکِ کعبۂ دل کا پرستار آگیا

۲۱-اپریل ۱۹۲۰ء

ضبطی

زمیندار مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کے تمام پرچوں کی ضبطی پر جس میں نجیہ اقبر پر مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا تھا۔

دل ضبط زباں ضبط فغاں ضبط قلم ضبط
دنیا میں ہوئے ہوں گے یہ ساماں کہیں کم ضبط

آنسو مری آنکھوں کے گئے پہلے ہی سے سوکھ
تھے ورنہ وہ اس فکر میں ان کا بھی ہو نم ضبط

پنجاب میں یوں ضبط ہوا آج "زمیندار"
بنگال میں جس طرح ہوا کرتے ہیں بم ضبط

آزادیٔ اسلام کی ضبطی پہ ہے کوشش تو
ہو جائے کہیں یوں ہی نہ تیرا بھی دھرم ضبط

برطانیہ کا شیوہ رہا گر یہی کچھ روز
سن لو گے عزیزو کہ ہوئے دیر و حرم ضبط

۱۹۔ نومبر ۱۹۲۷ء

"زمیندار" کے
شہید نمبر، اسلام نمبر اور کشمیر نمبر
کی ضبطی

دل ضبط جگر ضبط زباں ضبط فغاں ضبط
سب ساز عیاں ضبط ہے سب سوز نہاں ضبط

مظلوم کو فریاد بھی کرنے نہیں دیتے
ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب امن و اماں ضبط

اٹھتی ہے جو سینے سے تو ہو جاتی ہے ضبط آہ
آئے جو دہن پر وہیں ہوتا ہے گماں ضبط

روکیں گے وہ کیوں کر مرے مضموں کی روانی
نکلے ہے بھی ہوتا ہے کہیں سیل رواں ضبط

وہ ضبط کریں میری دوات اور قلم کو
ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط

تم ضبط "زمیندار" کے نمبر نہیں کرتے
کرتے ہو حقیقت میں تم اک نشاں ضبط

۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

"زمیندار" کا نیا دور

اللہ کی قدرت کا تماشا ہے "زمیندار"
مومن کے لئے ہے یہ تماشا نظر افروز

باطل سے دبا تھا نہ دبا ہے نہ دبے گا
تائید خداوند سے حق پر شرف اندوز

کل ایک کی املاک تھا اور آج ہے سب کی
دیروز سے بہتر ہے "زمیندار" کا امروز

سر غیر کے آگے نہ جھکایا کبھی اس نے
ملت کے لئے ہے روش اس کی سبق آموز

سورج نکل آیا ہے سراپردۂ شب سے
پھر خیرہ ہوا دیدۂ خفاش سیہ روز

اے خرمنِ بیداد کہاں تک نہ جلے گا
ہے آہ "زمیندار" کی ایک ایک جہاں سوز

۱۷-جون ۱۹۳۲ء

سیاسیاتِ ہند

مسلمانانِ ہند کا سیاسی زاویہ نگاہ ۱۹۱۲ء میں

تجھ سے اے ترکی ہمارا برقرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضرِ دستگیر
ہم اگر شکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے

گونجتی تھی محفلِ عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی سازِ بلند آہنگ کی آواز ہے

سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش
جس کی رحمت اُمّتِ مرحوم کی دمساز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرورِ کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

آئی ہے اٹلی کی شامت موت ہے سر پر سوار
اِس لئے کھولے ہوئے اپنا دہانِ آز ہے

عشق لندن دل میں سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

ناٹال اور ہندوستان

(راقم نے جس جلسہ میں بمقام لندن یہ نظم پڑھی تھی اس میں گاندھی جی جو جنوبی افریقہ سے آگئے تھے۔ اپنی بی بی سمیت موجود تھے)

(۱)

سُنا ہے دردِ دل رکھتا ہے اے ہندوستاں تو بھی
جگر کے خوں کو دے سکتا ہے پلکوں کا نشاں تو بھی

جہاں سر پر اُٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے
دکھا اندازِ محشر ہو کے سرگرم فغاں تو بھی

ستم ناٹال میں جو جو نشر ے بچّوں پہ ٹوٹے ہیں
بہت کچھ سن چکا ہے اُن کی خونیں داستاں تو بھی

مچا رکھا ہے اودھم کیپ کالونی میں گوروں نے
کرا اپنی قوتِ بازو کا کچھ تو امتحاں تو بھی

دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو
بنا مغرب کو مشرق اور زمیں کو آسماں تو بھی

جھلس دے سوزِ دل سے ٹیمز کی موجوں کے داماں کو
کہانی اپنی دھرا کر کہ ہے آتش بجاں تو بھی

غلط انداز ہیں صید افگنوں کے بے اماں ناوک
نکال اِک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی

سُنی ہے ہم نے ٹن ٹن پال کے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور دے مساجد میں اذاں تو بھی

لگا ہے کون سا سُرخاب کا پر کیپ والوں میں
قبائے سلطنت وہ ہیں تو ہے تاج جہاں تو بھی

اگر شرمندۂ معنی ذرا بھی ہے شہنشاہی
تو ہے برطانیہ پر ہند کی لازم ہوا خواہی

(۲)

یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے ہیں
گرفتارِ بلا ہیں اور خطا یہ ہے کہ کالے ہیں

غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑ پھڑا لینا
مگر صیاد نے افسوس وہ بھی نوچ ڈالے ہیں

بنی ناٹاں میں یہ گت ہے ہمہ خانہ بدوشوں کی
نہ چولہا ہے نہ ہنڈیا ہے نہ لڑکے ہیں نہ بالے ہیں

پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں
ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

نچائیں گے اسے اک روز بوئر ناچ ننگی کا
یہ انگلستان نے اپنی آستیں میں سانپ پالے ہیں

وزیر ہند ہی سنتے ہیں اونچا کم نصیبی سے
پہنچ سکتے زحل تک ورنہ ہم لوگوں کے نالے ہیں

یہ نو بر تو تغافل اور یہ پیہم سختیاں کب تک
"یہ ظلم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کب تک

لندن۔ فروری ۱۹۱۴ء

ہندوستان

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجھ کو اگر ہے عشق تو ہندوستاں سے ہے

تہذیبِ ہند کا نہیں چشمہ اگر ازل
یہ موجِ رنگ رنگ پھر آئی کہاں سے ہے

ذرّے میں گر تڑپ ہے تو اِس خاکِ پاک سے
سورج میں روشنی ہے تو اِس آسماں سے ہے

ہے اِس کے دم سے گرمیِ ہنگامۂ جہاں
مغرب کی ساری رونق اِسی اک دکاں سے ہے

انگریز کا غلام مسلماں نہ ہے نہ تھا
یہ نسبت اس کو سرورِ کون و مکاں سے ہے

٨- دسمبر ١٩١٦ء

ہندوستان کے مسلمان کا گناہ

اُن کی جبیں میں چین ہے اور ابرو میں ہے شکن — چہرہ ہے خشمناک تو آنکھیں ہیں قہر پاش
دیتے خطاب ہیں کبھی مجھ کو شریر کا — مجھ کو پکارتے ہیں کبھی کہہ کے بدمعاش
میں خود ہی اپنے جرم کا ہوتا ہوں معترف — ناحق وہ کر رہے ہیں مرے جرم کی تلاش
بیشک میں بدمعاش بھی ہوں اور شریر بھی — آنکھوں پہ اور سر پہ یہ القاب جاں خراش
میری خطا یہ ہے کہ نہ کیوں میں نے کر دیا — سنگِ وفا سے شیشۂ ایماں کو پاش پاش
میرا قصور یہ ہے کہ اُن کی گلی میں کیوں — گاڑی نہ میں نے دینِ رسولِ خدا کی لاش

میرا گناہ یہ ہے کہ کیوں میں نے کر دیا
رازِ غلامیٔ صد و پنجاہ سالہ فاش

کنیا

وہ جو خود غلام بن کر دیئے جاتے ہیں دوہائی
کہ سکھائی جا رہی ہے انہیں بندگی پرائی

جنہیں بندش زباں کا ہے خطر قدم قدم پہ
بقصور حرف گیری بخطائے لب کشائی

یہ ہے جن کی آج عزت کہ خود اپنے گھر کے اندر
کوئی جلسہ کر جو بیٹھے تو پولیس کی دوڑ آئی

جنہیں اپنی کونسلوں میں ہے یہ اختیار حاصل
کہ خود اپنے قیدیوں کو نہ دلا سکے رہائی

جنہیں اپنی ہی زمیں پر جنہیں اپنے ہی وطن میں
نہیں مل سکے ہیں اب تک یہ حقوق ابتدائی

کوئی مدعا بھی جن کا نہیں ہو سکا ہے پورا
کوئی آرزو بھی جن کی نہیں آج تک بر آئی

ہے خدا کی شان یہ بھی کہ وہ بت اکڑ اکڑ کر
چلے جا رہے ہیں کنیا کہ وہیں کریں خدائی

بحوالۂ عراقی کوئی جا کے اُن سے پوچھے
"تو درونِ درچہ کردی کہ برونِ خانہ آئی"

سیلوائے ہوٹل مسوری میں طلبہ پر چھاپہ

نہرو اور مہرو

(ایک پُر لطف ڈراما)

سی آئی ڈی کی پہلی رُوح

جواہر لال نہرو لکھنؤ سے چل کے آیا ہے
امان اللہ خاں کے نام کچھ پیغام لایا ہے
پٹھانوں اور انگریزوں میں ڈلوانے کو کھنڈت ہے
دبوچا چاہیے اُس کو بڑے ڈھب بپنڈت سے
کسی ڈھب سے اُسے سیلوائے ہوٹل سے نکلوا دو
نہ نکلے گر تو ٹوپی اس کی ٹبلر سے اچھلوا دو

دوسری رُوح

مگر یہ بھی سمجھ لو اس پہ سب افغان بگڑیں گے
ہمارے ویرے کے کابلی مہمان بگڑیں گے

کہیں گے حضرتِ طرزی یہ اچھی میزبانی ہے
کہ چچہ بدتمیزی ہے تو کانٹا بدگمانی ہے

تیسری روح:۔

سنو دہلی سے ٹیلیفون کی آواز آتی ہے
ہمارے ساتھ یہ بھی شاید اپنا سُر ملاتی ہے

چوتھی روح:۔

نہیں یہ تو صدا ہے حضرتِ خواجہ نظامی کی
جنہوں نے ہجو لکھی ہے نصاریٰ کی غلامی کی

خواجہ حسن نظامی اپنے حجرۂ بن بسیرا سے ٹیلیفون میں:۔

اے ہم نفسو! تم کو مبارک ہو مسوری
گر رزم سے اکتائے ہو دل بزم سے بہلاؤ
رقاصیٔ بسمل کا تماشہ جو نہ خوش آئے
محفل میں کسی شوخ پری زاد کو نچواؤ
ملتی نہیں گر کوئی طرح دار پہاڑن
رنڈی کوئی اچھی سی بنارس ہی سے بلواؤ

پہلی روح:۔

نہ تھا معلوم خواجہ کو ہم اُنکی بات سن لیں گے
چمن میں چوری چوری جائیں گے اور پھول چن لیں گے
اسی حکمت سے ہم عہدہ برا ہوں گے پٹھانوں سے
لبھانا چاہیئے ان کو بنارس کے ترانوں سے
اِدھر ہوٹل کے کمروں سے نکالو جا کے نہرو کو
اِدھر لے آؤ پچھواڑے سے اک نوخیز مہرو کو

محفلِ رقص و سرود

نغمۂ مبارک باد

مسوری میں طرزی کا آنا مبارک — حضوری میں بندی کا گانا مبارک
ترازو ہوا تیرا امان اللّٰھی کا — دلِ ہند کو یہ نشانہ مبارک
مسلمان ہندو گلے مل رہے ہیں — وطن کو یہ اچھا زمانہ مبارک
پٹاری اناروں کی کابل سے آئی — جو بیمار ہیں اُن کو کھانا مبارک
جو ہنستا ہے مغرب تو روتا ہے مشرق — ہنسانے سے بڑھ کر رُلانا مبارک
سلامت رہے جارج پنجم کی دولت — اور اُس کا دل آرا فسانہ مبارک
دُعا ہے کہ ہوں ایک دہلی و کابل — محبت کی پینگیں بڑھانا مبارک

سب وہیں ملکر منہ بسورتی ہیں:-

ایک آفت سے تو مر مر کے ہُوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

۲۶- مئی ۱۹۲۰ء

نئی نئی ضرورتیں

مجھ کو ہے تعاون نہ تعامل کی ضرورت
میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پُل کی ضرورت

اے سایۂ برطانیہ! اُٹھ جا مرے سر سے
اس سر کو ہے اکلیل توکّل کی ضرورت

ژولیدگیٔ گیسوئے مُشکیں کو نہیں ہے
تکلیف گرہ گیریٔ سنبل کی ضرورت

جب اس چمنستاں کی فضا ہی نہیں باقی
مینا کی ضرورت ہے، نہ ہے مُل کی ضرورت

کرتی ہے عمل خود تو تشدّد پہ حکومت
اور ہم کو جتاتی ہے تحمّل کی ضرورت

کیا خوب! مرے قتل پہ حیرت بھی ہے اُن کو
عارف کو بھی پیش آئی تجاہل کی ضرورت

میں سوختہ ساماں ہوں مجھے برق سے کیا خوف
بجلی ہی کو پیش آئی تامّل کی ضرورت

کیا وہ بھی نہتا ہے جو ہو صلح میں تاخیر
دہلی سے مقدم ہوئی کابل کی ضرورت

اس میں نہیں کچھ شک کہ عمل خوب ہے لیکن
ہم کو ہے ابھی اور بھی کچھ غُل کی ضرورت

خطاب بہ برطانیہ

نہ سوویٹ سے نہ ایران کے کج کلاہ سے ڈر
مگر ستم زدہ ہندوستاں کی آہ سے ڈر

نہ ڈر فرانس کے نیزوں کی خونفشانی سے
مگر ہماری دُعا ہائے صبح گاہ سے ڈر

نہ ڈر خدا سے اور اُس کے عتاب سے لیکن
نبیؐ کی غُصّہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈر

الگ الگ رہے برسوں ملے ہیں اب آکر
دل اور عقل کی اس تازہ رسم و راہ سے ڈر

جو عقل ہے تو سُن ان مخلصانہ باتوں کو
جو ہوش ہے تو ہمارے اس انتباہ سے ڈر

فریادِ جرس

کل کہہ رہے تھے ایک محبِّ وطن بزرگ — ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لی گئی آزادیٔ ضمیر — لیلیٰ کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنۂ حق کا تیز بھی خونریز بھی، مگر — کچھ دن سے درخورِ رگِ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئی تھی تنگ — زنداں میں اب وہ شورِ سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز — اور امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا
ہم آپ اپنی راہ کے سنگِ گراں بنے — رہرو کو فکرِ دوریٔ منزل نہیں رہا
آزادیٔ حیات کی جس دل میں تھی تڑپ — اب پہلوئے وطن میں وہی دل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کی ہوئی رائیگاں گئی — اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطفِ خدائے پاک — ہندوستاں کے حال کو شامل نہیں رہا

ہندو کی آنکھ کاش زمانہ ہی کھول دے
مسلم تو اپنے فرض سے غافل نہیں رہا

عوارف

میں اپنے دل کے اندر اک جہاں موجود پاتا ہوں
اسی کی سلطنت اچھی اسی پر اختیار اچھا

اگر دیں سے تمسخر کرنے والے ہی مہذب ہیں
تو اِن تہذیب کے پُتلوں سے مجھ جیسا گنوار اچھا

نکل جاتی ہو سچّی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

عراق اچھا اور اس کی آرزو اچھی سہی لیکن
وہ پھر بھی نسیہ ہے جس سے کہیں نقد برار اچھا

جسے یورپ کے چوروں نے بھی دیکھا ہو حقارت سے
قبائے زرفشاں سے اس پھٹی کملی کا تار اچھا

حسینانِ فرنگ اچھے ہیں لیکن آفتِ جاں ہیں
نہ رکھنا ان سے بیر اچھا نہ کرنا ان سے پیار اچھا

مری وزش کی قدر اُس نے میری سرکشی پر بھی
خداوندانِ لندن سے مرا پروردگار اچھا

جستجو

خم خانۂ الست کے خمار ہیں کہاں
عہد سلف کے رند قدح خوار ہیں کہاں

اس بادۂ شبینہ کے سرمست ہیں کدھر
پیمانۂ مدینہ کے سرشار ہیں کہاں

جھکنے لگی ہے غیر کی دہلیز پر جبیں
اے ربّ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

دُنیا کی لذّتوں سے تو ہیں بہرہ ور سبھی
عقبیٰ کی عزّتوں کے خریدار ہیں کہاں

اسلامیوں کا شوقِ شہادت کدھر گیا
جو سر تھے زینتِ رسن و دار ہیں کہاں

وہ کشتگانِ خنجر و تسلیم کیا ہوئے
وہ عاشقانِ احمدِ مختار ہیں کہاں

طوفاں زدوں کو جن کی ضیا تھی دلیلِ راہ
یثرب کی روشنی کے وہ مینار ہیں کہاں

برطانیہ کا کوکبہ ہے دیر سے بلند
ہندوستان کے قافلہ سالار ہیں کہاں

دیکھو جسے اسیرِ طلسمِ فرنگ ہے
توڑیں جو یہ طلسم وہ احرار ہیں کہاں

آپس کی پھوٹ ختم ابھی تک نہیں ہوئی
آزادیٔ وطن کے طلب گار ہیں کہاں

مفقود ہے دلوں سے مدارات و آشتی
جن سے لڑیں گے آپ وہ ہتھیار ہیں کہاں

پاپ کی ناؤ

تجھے کیا سُناؤں میں ہم نشیں مرے غم کا قصّہ طویل ہے
مرے گھر کی لُٹ گئی آبرو ہوُا جب سے غیر دخیل ہے
نئے عہد کی ہیں یہ برکتیں کہ ہے بھائی بھائی میں دُشمنی
وطنِ عزیز اسی لئے تو زمانہ بھر میں ذلیل ہے
ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے نہ دلیل ہے نہ وکیل ہے نہ اپیل ہے
ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھر کی ہیں قرقیاں
نگہِ عتابِ فرنگ کا جسے دیکھئے وہ قتیل ہے
ابھی وہ دباؤ نہیں پڑا جو ڈبوئے پاپ کی ناؤ کو!
انہیں جا کے کہہ دو اسی لئے تمہیں اتنی دی گئی ڈھیل ہے

حزب العمال

اُڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے تار پر
سرمایہ دار چل دیئے مزدور آ گئے

جو مطلق العنان تھے جڑ اُن کی کٹ گئی
جو کرتے تھے حمایت دستور آ گئے

ہو مژدہ اعتدال پسندانِ ہند کو
تھے اُن کی دوستی میں جو مشہور آ گئے

اِس انقلاب سے مری آنکھوں کے سامنے
جتنے بھی تھے حقائق مستور آ گئے

قیصر پرانی وضع کے گر مٹ گئے تو کیا
اُن کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

یہ فرقہ جدید بھی انگریز ہی تو ہے
خونِ رگ بریدہ چنگیز ہی تو ہے

اسیرانِ فرنگ

سرجان میفی کے کُشتگانِ ناز

پیستے ہیں جیل میں چکی اسیرانِ فرنگ
آپسائے گردشِ دوراں ہے زندانِ فرنگ

جو نہ دے ان کو ضمانت قید کاٹے تین سال
کیوں نہ ہو تثلیث ہی ٹھہرا جو ایمانِ فرنگ

پاؤں میں بیڑی گلے میں تختی اور ہاتھوں میں داغ
اُمّتِ مرحوم پہ کیا کیا ہیں اِحسانِ فرنگ

آسیا کا دستہ حجّت حلقۂ جولاں دلیل
اپنی منطق پر ہیں نازاں نکتہ سنجانِ فرنگ

صبح کو گوبھی کے ڈنٹھل شام کو ابلی مسور
ہم رہے اس شان سے برسوں ہی مہمانِ فرنگ

ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا ہو کر سیاہ
کیوں کہ ہے روغن کی زردی حصۂ خوانِ فرنگ

نرخِ گندم نے ہمیں اولادِ آدمؑ کر دیا
ورنہ کھاتے تھے چنے ہم مثلِ گاوانِ فرنگ

چھ چھٹانک آٹے میں مٹھی بھر نہ ہو شملہ کی دھول
ورنہ کیا یاد آئے گا اندازۂ نانِ فرنگ

ایک دن سر جان میفی سے یہ مسلم نے کہا
اے کہ اس کشور میں ہے تو مظہرِ شانِ فرنگ

کچھ خبر اس کی بھی ہے تجھ کو کہ تیرے دور میں
خلق کو ہے شکوۂ جورِ فراوانِ فرنگ

صوبۂ سرحد کے اندر اک قیامت ہے بپا
غرق اٹک میں ہو گئے سب عہد و پیمانِ فرنگ

لے کے بنوں سے پشاور تک جدھر ڈالی نظر
سب کے سب تھے خستۂ شمشیر و پیکانِ فرنگ

ان کے اندر ہندو و مسلم ہیں دونوں پائمال
ان کے خوں سے لالہ گوں ہے ستم گیرانِ فرنگ

تیرے مسلک میں ہے سنگِ راہ مغرب کانگرس
تیری نظروں میں خلافت خارِ دامانِ فرنگ

یہ بھی سوچا تو نے ہوگا اس جفا کا حشر کیا
کب تک آخر یہ خروش و جوشِ طوفانِ فرنگ

حضرتِ میفی نے جب باتیں یہ مسلم کی سنیں
اس طرح گرجا یہ فخرِ ضیغمستانِ فرنگ

"ول" تمہارا بات اچھی طرح ہم نے سن لیا
ہم ہیں استاد اور تم طفلِ دبستانِ فرنگ

تم وکالت جن کی کرتا ہے وہ باغی لوگ ہے
ہے وہ سب کا سب حلیفانِ حریفانِ فرنگ

کانگریس کو اور خلافت کو کرے گا ہم تباہ
گر نہ یہ دونوں رہا ہو کر غلامانِ فرنگ

یہ جواب صاف مسلم سن کے شملہ چل دیا
جس کی چوٹی پر ہے اونچی سب سے دکانِ فرنگ

لارڈ ریڈنگ اس دکاں میں بیچنے کو آئے ہیں — ہندیوں کے ہاتھ جنسِ عدل و احسانِ فرنگ
دیکھئے مسلم کو کیا سودا یہاں آتا ہے ہاتھ — وزن قائم کس طرح رکھتی ہے میزانِ فرنگ
لاٹ صاحب نے بھی گر سرجان میفی کی طرح — عدل کے چہرہ پہ ڈالا پردۂ آنِ فرنگ
مسلم شوریدہ کا یہ آخری ہوگا پیام — رب اکبر سے کرو خوف اے خدایانِ فرنگ

یوں ہی گر ہوتا رہا سرحد کی آبادی پہ ظلم
سب دھرا رہ جائے گا یہ سازو سامانِ فرنگ

نغمۂ حریت

جمعیۃ العلمائے ہند کے اجلاس پشاور میں

تازہ انصار کا آئینِ مواخات کرو
زندہ اسلاف کی دیرینہ روایات کرو

سرنگوں ہونے نہ دو ملتِ بیضا کا علم
روشن آفاق میں اللہ کی آیات کرو

مسجد و منبر و محراب کا کھینچو نقشہ
محو نقشِ ہبل و نائلہ و لات کرو

لیں اگر نام پیمبر کا ادب سے ہندو
اُن کی دلجوئی کرو اُن سے مواسات کرو

لیکن اس ذاتِ گرامی سے انہیں ہو پرخاش
تو مری طرح انہیں نذرِ کاہات کرو

صاف کہہ دو نہیں ہم تم سے کسی بات میں کم
، کسی انگریز سے جس وقت ملاقات کرو

تم ہو آزاد غلامی نہیں دیتی تمہیں زیب
پارلیمنٹ سے دب کر نہ موالات کرو

آئے لندن سے کمیشن تو اُسے منہ نہ لگاؤ
جس میں اسلام کی عزت ہو وہی بات کرو

مغرب اور اُس کے تمدن پہ مٹے جاتے ہو
دیکھو اپنے عمل اور فکرِ مکافات کرو

اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ رہے ہو اپنا
دشنۂ غیر کی ناحق نہ شکایات کرو

پاس خیبر بھی ہے اور اس میں علیؓ مسجد بھی
دور کیوں جاتے ہو مرحب سے یہیں بات کرو

دیکھنا چاہتے ہو کفر کو گر سر بسجود
بندگی اپنے خداوند کی دن رات کرو

سائمن کمیشن کی نوازشات کا تجربہ

کمیشن سے تعاون کرنے والے یہ تو فرمائیں
کہ آخر اس خوشامد کا صلہ اُن کو وہ کیا دے گا

نئی عزت ملے گی کون سی ان کاسہ لیسوں کو
وہ کس سرخاب کے پر ان کی ٹوپی میں لگا دے گا

وفا کی ناک رگڑیں گے اگر یہ اُس کی چوکھٹ پر
تو کیا وہ بیڑیاں ان کی غلامی کی بڑھا دے گا

مسلماں گر اقلیت میں ہیں مدراس کے اندر
تو کیا وہ ہندوؤں کی اکثریت کو گھٹا دے گا

تناسب ہندوؤں کا کشورِ پنجاب میں کم ہے
تو کیا اسلام کی خاطر وہ مندر اُن کے ڈھا دے گا

یہ سچ ہے لے مریں گے کچھ نہ کچھ ان سے موالاتی
کسی کو سر کرا دے گا کسی کو جج بنا دے گا

مگر یہ وہ چچوڑی ہڈیاں ہیں خوانِ مغرب کی
جنہیں وہ پھینک کر مشرق کے کتوں کو لڑا دے گا

مسلمانو! ہے ناموسِ وطن اس وقت خطرہ میں
بچا لو گے جو تم اس کو خدا تم کو جزا دے گا

اگر ٹھکرا دیا تم نے کمیشن کو تو سن لینا
تمہارے نام کا ہندوستاں ڈنکا بجا دے گا

تعاون کر کے انگریزوں سے اب تک کیا لیا تو نے
نہ سمجھے ہو تو سمجھو اب تم کو جو دے گا خدا دے گا

فحش اشتہار

سرکار کے بجٹ میں ہے کس بات کی کمی
خرمہرہ بھی ہے سیم بھی ہے اور طلا بھی ہے

ابواب جلب زر کے جہاں اور ہیں وہاں
چٹکلے بھی ہیں شراب بھی ہے اور جوا بھی ہے

سرکار کے خزانہ میں کچھ حصہ ساتھ ساتھ
آزادیٔ ضمیر کے جرمانہ کا بھی ہے

"فحش اشتہار" پہلے بھی چھپتے تھے لیکن آج
ان میں بلا مقاطعہ کا فلسفہ بھی ہے

تخت یا تختہ

نکہتِ گل کے عوض دوشِ صبا پر اب کی بار
بوئے جاں گلشن میں لائی ہے بہارِ انقلاب

جھومتے آتے ہیں محفل میں وہ رندِ لم یزل
جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمارِ انقلاب

وضعِ عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں
جوش میں ہے جذبۂ بے اختیارِ انقلاب

چھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن
اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تارِ انقلاب

خیرہ ہو جانے کو ہے بینائی استبداد کی
سر پہ آ چمکی ہے تیغِ آبدارِ انقلاب

الحذر اے خرمنِ بیدادِ مغرب الحذر
مجمرِ مشرق میں رقصاں ہے شرارِ انقلاب

ہند کے چاکِ گریباں کا ہے کیا اس میں قصور
پنجۂ یورپ ہے خود پروردگارِ انقلاب

سر بکف میداں میں آ پہنچے جوانانِ وطن
جن کی قربانی پہ ہے دار و مدارِ انقلاب

کھیلتے آئے ہیں نل کے وقت سے ہندو جوا
اُن کی یہ فطرت ہے اب رہن خمارِ انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے
نعرۂ تکبیر ہے مضرابِ تارِ انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور
گر یہی ہے گردشِ لیل و نہارِ انقلاب

وقت آ پہنچا کہ یا مرجاؤ یا آزاد ہو!
تخت یا تختہ ہے حکمِ تاجدارِ انقلاب

غلاموں کا مذہب

غیر کے محکوم ہونے سے کہیں اچھی ہے موت
تف ہے ایسی زندگی پر جو غلامی میں کٹے

قدحِ ٹامی شغلِ جلوت ہی سہی لیکن یہ کیا
جتنی خلوت کی ہو مہلت طرحِ ٹامی میں کٹے

تھا بریلی طعنہ زن کل تک تو ہے لاہور آج
دن ہمارے شہرتِ کفرِ دوامی میں کٹے

شوق سے بدنام کرلیں ہم کو یارانِ کہن
یوں ہی شاید اُن کی فرصت نیکنامی میں کٹے

جب تک آزادی نہ ہوگی ہم نہ ہوں گے شادکام
دیکھئے یہ عمر کب تک تلخ کامی میں کٹے

شکوہ

عرض کر حضرتِ اقبال سے جا کر یہ صبا — اے کہ دُنیائے سخن میں تری تمثال نہیں
ماجرا کیا ہے کہ کچھ رونے سے خاموش ہے تو — گرم پرواز ترا فکرِ سبک بال نہیں
بزم کہتی ہے کہ تو جب سے نہیں زمزمہ سنج — کسی آہنگ میں وہ سُر نہیں وہ تال نہیں
باندھنے کے لئے مضموں نہیں ملتے تجھ کو — یا روانی پہ تری طبع ہی فی الحال نہیں
کونسا دن ہے کہ سر پر کوئی بجلی نہ گری — کون سی شب ہے کہ آیا کوئی بھونچال نہیں
کون سا گوشہ ہے ماتم نہیں جس میں برپا — کون سا خطہ ہے جو مضطرب الحال نہیں
شاہزادے سے عقیدت نہیں کس بستی کو — کشورِ ہند کے کس شہر میں ہڑتال نہیں
یہ مباحث ترے نزدیک ہیں فرسودہ اگر — تو خلافت کے مضامین تو پامال نہیں!
ان معارف ہی سے کر آگے جہادِ اکبر — شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں
کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے — آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں

تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو
دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں!

انتخابِ جداگانہ

مذہب کی شرط کیا ہے مسلمان کے لئے
جس کے نہ ماننے سے وہ ہے موردِ عذاب

ایمان غیب پر ہو مگر پختگی کے ساتھ
تھا اس سوال کا یہی قرآن میں جواب

اعلان کر رہے ہیں مگر مفتیانِ ہند
اس باب میں ہے تشنہ خود اللہ کی کتاب

ان محرمانِ سرِّ ازل کے خیال میں
اسلام کی ہے شرط جداگانہ انتخاب

یہ شرط اٹھ گئی تو بس اسلام مٹ گیا
ہندوستاں میں خانۂ ملت ہوا خراب

ہندو سے لیا اگر سلامیوں نے ووٹ
تھامے ہوئے چلیں گے وہ الحاد کی رکاب

کافر ہی کافر آئیں گے اس ملک میں نظر
وہ ہوں گے اور ان کے ستم ہائے بے حساب

فطرت میں جو ہیں شیر وہ بن جائیں یوں شغال
اے ربِّ کعبہ کیا ہے نرالا یہ انقلاب

کیوں ڈرنے لگ گئے ہیں بتوں سے خدا پرست
عصفور سے لرزنے لگا کس لئے عقاب

باطل کی کیا مجال کہ زک حق کو دے سکے
لائی ہے رات بھی کبھی نورِ سحر کی تاب

مخلوط انتخاب کو منظور تو کرو
ہوتے ہی رائج اس کے سب اٹھ جائیں گے حجاب

تم ظلمتوں کے وہم سے ہو پیچ و تاب میں
اور سامنے ہے حق کا درخشندہ آفتاب

١١ - اکتوبر ١٩٢٨ء

شہیدانِ حریت کی یاد میں

بسکہ سیرِ قدس پر پیکِ خیال آمادہ ہے
کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغِ جادہ ہے

میرے مضموں ہیں اچھوتے میرے نغمے ہیں لطیف
گوشِ معنی پردہ ہائے غیب کا دلدادہ ہے

مے سے مستغنی ہوں اور معشوق سے ہوں بے نیاز
طبعِ موزوں سادہ ہے اور فکرِ رنگیں بادہ ہے

خاکِ کاکوری میں ہے خونِ شہادت کا یہ رنگ
ذرّہ ذرّہ لعل ہے یاقوت ہے بیجادہ ہے

پھول پھل لانے کو ہے اُگتے ہی آزادی کا بیج
کل وہی استادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

---

۱۷ جنوری ۱۹۲۸ء

جمعیۃ العلماء کے فتویٰ کی ضبطی

باقی نہ رہا جب کوئی ڈھنگ اور جفا کا
فتویٰ ہی لیا چھین انہوں نے علماء کا

کر دیکھیں دلِ مسلم ناشاد کو بھی ضبط
اس پر بھی وہ ڈالیں اسی انداز سے ڈاکا

فتویٰ تو پھر اک پرزۂ کاغذ ہے کہ اس کو
بازیچہ بنا سکتی ہے سرکار صبا کا

قرآن کی آیات کو کاغذ سے مٹا دو
اور چھاپ لو اس پر سبق اقرار وفا کا

یا اس کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلا دو
پھر کام لو اس سے خطِ پاشاں کی ضیا کا

لیکن دلِ مسلم نہیں کچھ آپ کی جاگیر
یہ گوشہ نشیمن ہے رسولِ دوسرا کا

تھامے ہوئے رہتے ہیں اسے عرش کے حامل
یہ پایہ ہے تختِ شہِ لولاک لما کا

لوحِ دلِ مسلم پہ ہے منقوش ابد تک
قرآں کہ خلاصہ ہے وہ منشور قضا کا

مٹتا ہے مٹائے سے کہیں نامۂ تقدیر
قانون کہیں ضبط ہوا بھی ہے خدا کا

۸ ستمبر ۱۹۲۷ء

سائمن کمیشن کا خیر مقدم

جب آئیں سائمن اس طرح استقبال ہو جائے
کہ پہنچیں جس جگہ نازل وہیں ہڑتال ہو جائے

زوال اسلامیوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا
کہ جو اُن کا تھا وہ انگریز کا اقبال ہو جائے

ہمارا یہ وطن آزاد ہو چٹکی بجانے میں
ہر اک ہندو اگر پنڈت جواہر لال ہو جائے

خدا کی شان ہے جو سورۂ زلزال پڑھتے ہیں
وہ ہوں خاک اور کاشی کا صنم بھونچال ہو جائے

سنبھالیں چونچ برکن ہیڈ اور اُن کے ہمنوا لُر
ذرا گر عندلیبِ اسلام کی چونچال ہو جائے

خلافت، کانگرس اور لیگ کا ایکا یہ کہتا ہے
کہ اُلٹی آسمانِ پیر کی ہر چال ہو جائے

اگر ہندوستاں کو نعمت آزادی کی حاصل ہو
تو مکھن توس کا برطانیہ میں کال ہو جائے

---

۲۳ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

نویدِ امن

لے کر نویدِ امن جب اسلام آگیا
آزادئ حیات کا پیغام آگیا

رندانِ ہند جس کو ترستے تھے دیر سے
گردش میں پھر وہ رُوح فزا جام آگیا

مہرِ جہاں نما مِٹن کو ہمارے بُرج میں
اپنے عروج کا نظرِ انجام آگیا

صیاد پھانسنے ہمیں آیا تھا جال میں
آتے ہی لیکن آپ تہِ دام آگیا

برطانیہ سے ہم نے موالاتِ ترک کی
تھا پاس ایک حربہ وہی کام آگیا

پیدا ہوئی وطن میں فضا اتحاد کی
ہندوستاں بزمرۂ اقوام آگیا

بھُولا جو صبح کا ہو نہ بھُولا کہو اُسے
گر اپنے گھر وہ چل کے سرِ شام آگیا

۱۸- فروری ۱۹۲۸ء

دو سائے

کبھی ہندوستاں بھی صاحبِ تاج و نگیں ہوگا
سُنیں گے لارڈ برکن ہیڈ ہماری بھی کبھی دھمکی

بدل دے گا الٰہ العٰلمین ذلّت کو عزّت سے
ذلیل اس طرح رہ سکتی نہیں اولادِ آدم کی

علَم احرار کا لہرائے گا مینارِ دہلی پر
صفِ استبداد کے حلقوں میں بچھ جائے گی ماتم کی

یکایک خیرہ ہوں گی دیوِ استعمار کی آنکھیں
ہماری تیغ جوہر دار عریاں ہو کے جب چمکی

کہاں تک اس کے آگے بند باندھو گے غلامی کا
روانی رُک نہیں سکتی ہے آزادی کے قلزم کی

خوشامد ہو نہیں سکتی محمدؐ کے غلاموں سے
اُن ابن اللّصیوں کی جو ہیں اُمتِ ابنِ مریم کی

ہمارے سر پہ دو سائے ہیں، ایک اللہ کا سایہ
اور ایک اُس ذاتِ اقدس کا جو رحمت ہے دو عالم کی

۲۵۔ فروری ۱۹۲۸ء

چگونگی آمد و شد سائمن

نوحۂ وفا کیشانِ ازلی

راجہ نرندر ناتھ۔

سائمن آں کہ بدیں شہرِ دیار آمد و رفت
دلبرے بود کہ ما را یکبار آمد و رفت

باز لاہور از آفات خزاں شد پامال
حیف در گلشنِ پنجاب بہار آمد و رفت

مسٹر منوہر لال۔

بشنو از چاکِ گریباں کہ چسپاں در کفِ ما
تارے از زلفِ سمن بوئے نگار آمد و رفت

ترانۂ احرار

صبح امید کہ از زاویۂ غیب دمید
خبر آورد کہ عہد شبِ تار آمد و رفت

اے عزیزانِ وطن! ابر سرِ گنجِ پنجاب
مژدگانے! کہ زبرطانیہ مار آمد و رفت

باش تا بشنوی از حلقۂ رندانِ جہاں
کہ دگر بار زبوں آمد و زار آمد و رفت

۲۸-مارچ ۱۹۲۸ء

مشق ناز

ترا رسد کہ جہانے بہ ترکتازکشی گہے عراق کشی و گہے حجاز کشی
ہوئی تمام رعایا تباہ اور برباد کہاں سے سیکھی ہے محمود نے ایاز کشی
یہ کہہ رہے ہیں ملیبار و جلیاں والہ "کسے نہ ماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی"
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی"

سرجان سائمن کا دوسرا مقاطعہ

سائمن صاحب کے استقبال کا وقت آگیا
جاگ اے لاہور اپنے فرض کو پہچان کر

ان کے رستے میں کئی آنکھیں بچھائی جاچکیں
تو بھی اے خونِ جگر چھڑکاؤ کا سامان کر

چین خود لیں گے نہ ان کو لینے دیں گے ایک دم
گھر سے اے پنجابیو نکلو یہ جی میں ٹھان کر

ریل سے اتریں تو کالی جھنڈیاں ہوں سامنے
جن کے اندر تم کھڑے ہو سینہ اپنا تان کر

تجھ کو اے پنجاب اگر کچھ بھی ہے پاسِ آبرو
اپنی اس عزت پہ اپنی جان کو قربان کر

طالب العلموں کے خونِ گرم کے کھولاؤ سے
جوشِ آزادی کا برپا آتشیں طوفان کر

نوجوانوں کو پلا جامِ شرابِ زندگی
مشکلیں رندانِ دُودآشام کی آسان کر

کٹ کے بیگانوں سے مل جانا یگانوں سے سکھا
لارڈ برکن ہیڈ کو نرگس کی طرح حیران کر

ہر قدم پر ہو کمیشن کا مکمل بائیکاٹ
طول و عرضِ ملک میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر

۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

پرانی شراب نئی بوتل میں

مسٹر رمزے میکڈانلڈ رہنمائے حزب العمال کا دورِ حکومت

پہلا دور

کس مپرسی کے دنوں میں تو ہمارے نئے صدر
کرتے رہتے تھے بہت سعی غمخواریِ ہند

کہتے رہتے تھے کہ عمال کا ہوتے ہی عروج
ختم ہو جائیں گے ایام نگونساریِ ہند

بے سبب ہم سے نہ تھی آپ کی یہ ہمدردی
آپ بے وجہ نہ کرتے تھے طرفداریِ ہند

آپ واقف تھے اُن اسباب سے جن کے باعث
بڑھتی جاتی تھی ہر انگریز سے بیزاریِ ہند

ہم تو کیا چیز ہیں خود آپ کی یہ حالت تھی
کہ نہ خبطی سے بچی آپ کی "بیداریِ ہند"

آپ کو اچھی طرح تھی یہ حقیقت معلوم
کہ گرفتاریِ گاندھی ہے گرفتاریِ ہند

اب جو ہاتھ آپ کے آئی ہے حکومت کی عناں
تو اس انداز سے فرماتے ہیں دلداریِ ہند

کہ نہ چھوڑی روشِ ترکِ موالات اُس نے
تو یہ مشکل ہے کہ آسان ہو دشواریِ ہند

"اچھی ہے سلف گورنمنٹ کی خواہش لیکن — ہونے پائے متزلزل نہ وفاداریٔ ہند"
"کوئی انگریز نہ تہدید سے ہوگا مرعوب — اس سے ہلکی کبھی ہوگی نہ گرانباریٔ ہند"
ہے یہ وہ قوم جو کل تک تھی ہماری دمساز — آج کرتی ہے مگر وعظ غلط کاریٔ ہند
دل نوازی میں یہی لوگ تھے کل تک مشہور — آج کرتے ہیں جو اس طرح دل آزاریٔ ہند
تہنیت کیسے اگر اس پر بھی انہیں جائیں پیام
متقاضی ہے کب اس بات کی خودداریٔ ہند

دُوسرا دَور

اس میں لیبر ہو کہ لبرل ہوں کہ کنسرویٹیو — سب کا مقصود ہے ایک اور وہ ہے خواریٔ ہند
باہمی جنگ کا ہے سلسلہ قائم جب تک — علم انگریز کا ہے اور عملداریٔ ہند
ڈیڑھ سو سال کے ہاتھ اور گریباں ہیں گواہ — آسکا کام نہ زور و نہ زر و زاریٔ ہند
جب تک اپنے ہی مسیحا نہ معالج ہوں گے
نہیں ممکن کہ کبھی دُور ہو بیماریٔ ہند

۶ر جون ۱۹۲۹ء

فریاد

ہر دل میں ہے یہ آرزو ہندوستاں آزاد ہو
یہ گھر جو ہے اُجڑا ہوا اک بار پھر آباد ہو

دنیا میں اس کا مرتبہ ہو ساری قوموں سے بڑا
جو بھی ہو اس کا فیصلہ عالم کا اِس پہ صاد ہو

سرمایہ داری کا علم ہو ایشیا میں سرنگوں
برباد اِستعمار ہو، نابود اِستبداد ہو

یہ نور ابھی پھوٹنے لگے بینش اگر ہو آنکھ میں
یہ قصر ابھی بننے لگے اِسلام اگر بنیاد ہو

کعبے کی ساری آبرو صرفِ کلیسا ہو گئی
جب دل ہی پہلو میں نہیں پھر لب پہ کیوں فریاد ہو

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء

روزنامہ مساوات

بدل جاؤ سنو میری اگر بات — کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات
فلک پر جلوہ افشاں ہے نیا دن — زمیں پر ظلمت آرا ہے نئی رات
ہوئے ہیں بطن گیتی سے ہویدا — اچھوتے اور نرالے انقلابات
علمدارانِ ناموسِ شریعت — سکھاتے ہیں نصاریٰ سے موالات
نگہدارانِ آئینِ طریقت — پڑھاتے ہیں ہمیں درسِ خرافات
شریفوں پر ہوا ہندوستاں تنگ — زمانہ کے ہیں یہ بھی اتفاقات
صحافت آج ان کے ہاتھ میں ہے — بسر ہے گالیوں پر جن کی اوقات
نکل آئے ہیں اپنے بِل سے ٹوڈی — کہ آپہنچا ہے وقت انتخابات
کرو پھر تازہ آئینِ کہن کو — نہیں بھولے اگر اپنی روایات
بھروسہ ہی جو کرنا ہو کسی پر — تو کیا کافی نہیں اللہ کی ذات
غلامی کے سلاسل کاٹ ڈالو — مٹا کر ہندوؤں سے اختلافات
وطن کے واسطے یثرب سے لاؤ — اخوت اور آزادی کی سوغات
یہی پیغامِ عالم دے رہا ہے — یہی انعام لایا ہے "مساوات"

ہیکلِ تفریح کے پرستار

اس درجہ نصاریٰ کی وہ تعظیم کریں گے
خود اپنی شریعت ہی میں ترمیم کریں گے

رکھیں گے روا دین کے ناموس کی توہین
انگریز کے آئین کی تکریم کریں گے

کہہ دیں گے جو اغیار کہ اسلام ہے ناقص
بے چون و چرا اس کو وہ تسلیم کریں گے

دنیا کے کسی مسئلہ پر ہوگی اگر بحث
قرباں یہ وہاں دین کی تعلیم کریں گے

پاپائیوں سے بھی جو ابھی تک نہ ہوا تھا
وہ کام یہ فرزندِ براہیمؑ کریں گے

مل جائے گی اُن کو جو تفریح کی خرافات
جب علم کی میراث کو تقسیم کریں گے

جس قوم کی فطرت ہی سے آگاہ نہیں ہیں
کیا خاک یہ اس قوم کی تنظیم کریں گے

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۲۹ء

جشنِ آزادئ کشمیر

گھر سے نکلے ہو پیمبر کے گھرانے والو
تو سر اللہ کے رستے میں کٹاتے جاؤ

نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑانے والو
پرچمِ آزادی کامل کا اڑاتے جاؤ

دوش پر بارِ امانت کے اٹھانے والو
درجہ آدم سے فرشتوں کا گھٹاتے جاؤ

دونوں دنیاؤں کی رحمت کے خزانے والو
دونوں ہاتھوں سے یہ گنجینہ لٹاتے جاؤ

گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والو
یہی زور آج بھی دنیا کو دکھاتے جاؤ

خانۂ ظلم کی بنیاد کے ڈھانے والو
اینٹ سے اینٹ پھر اس گھر کی بجاتے جاؤ

نغمۂ توحید کا ہر بزم میں گانے والو
ناچ تگنی کا حریفوں کو نچاتے جاؤ

شورِ اِنِ الحکم کا دنیا میں مچانے والو
اپنی ہر شرط کی تعمیل کراتے جاؤ

باندھ کر سر سے کفن جنگ میں جانے والو
ندیاں خونِ شہادت کی بہاتے جاؤ

خیلِ احرار میں نام اپنا لکھانے والو
اپنی گنتی کو ستاروں سے بڑھاتے جاؤ

رسن و دار کو خاطر میں نہ لانے والو
جشنِ آزادئ کشمیر مناتے جاؤ

انقلابِ ہند

بارہا دیکھا ہے تو نے آسماں کا انقلاب
کھول آنکھ اور دیکھ اب ہندوستاں کا انقلاب

مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر و زبر
انقلابِ ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب

کر رہا ہے قصرِ آزادی کی بنیاد استوار
فطرتِ طفل و زن و پیر و جواں کا انقلاب

صبر والے چھا رہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہو گیا فرسودہ شمشیر و سناں کا انقلاب

چٹکلے دو چھوڑ اور چرچل کا قصہ پاک کر
تو نہیں بھولا امان اللہ خاں کا انقلاب

گجرات یکم مئی سنہ ۱۹۳۰ء

فرزندانِ سرحد

ملک الموت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں میں کھانے والے

قبر تک صبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خون شہادت میں نہانے والے

اپنے اقبال کا نقارہ بجانے والے
ناچ طاغوت کو تگنی کا نچانے والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے
شیخ کا جوڑ برہمن سے ملانے والے

ہندوؤں کے لئے گھر بار لٹانے والے
شان ایثار زمانہ کو دکھانے والے

کشور ہند کو آزاد کرانے والے
نام مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گن گاتے ہیں اور گائیں گے گانے والے

فخر ہے صوبہ سرحد کو کہ اس کے ذرے
ہیں خمیر اس کی شجاعت کا اٹھانے والے

دنگ ہیں دیکھ کے اس قوم کے یہ رنگ یہ ڈھنگ
نارمن بولٹن اور اس کے گھرانے والے

سجن فرنگ گجرات پنجاب

پرچم ہند کی اڑان

میری طرح سڑی نہیں لٹھ وہ پولس کے کھائے کیوں
بیٹھ کے ویسرائے کے ساتھ شیخ پیئے نہ چائے کیوں

قید فرنگ و بند زیست فرق سے بے نیاز ہیں
موت سے پہلے آدمی جیل سے باہر آئے کیوں

ضبط فغاں ہے ہم نفس جبر فرنگ کا جواب
دعوئ صبر ہو جسے درد سے تلملائے کیوں

بے گنہوں کے خوں کا داغ پیرہن فرنگ پر
پردہ انقلاب میں رنگ قضا نہ لائے کیوں

ٹوڈیوں کی ہر اک دلیل جب کہ ہے خس سے بھی ذلیل
بیٹھ کے گول میز پر دینے لگے وہ رائے کیوں

علتِ مفلسی میں جب ووٹ بھی ہم نہ دے سکیں
جیل میں بھیج کر یہ ناچ آپ نے پھر نچائے کیوں

مستتر اس حجاب میں شرم ہے ہر گناہ کی
ریش دراز کا حجاب چہرہ سے شیخ اٹھائے کیوں

دودھ پلانے کیلئے بیوی ہے گھر میں حب دودھیل
لالہ جی پھر خرید کر گاؤں سے لائے گائے کیوں

جس کے قدم کی خاک ہو سارے جہاں کی سجدہ گاہ
غیر کے آستانہ پر جا کے وہ سر جھکائے کیوں

برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
نام نئے نئے ستم آئے دن اُن پہ ڈھائے کیوں

ہے رگ جاں کی شرمسار پرچم ہند کی اڑان
جو نہ پلا سکے یہ ڈور وہ یہ پتنگ اُڑائے کیوں

ابر مطیرِ انقلاب سارے جہاں پہ چھا گیا
ہند پہ بھی یہ ابر تر جھوم کے چھا نہ جائے کیوں

گجرات سپیشل جیل

۱۹ دسمبر ۱۹۳۰ء

کانگرس اور حکومت کی صلح

ہندوستاں غلام تھا آزاد ہو گیا
اجڑا ہوا یہ باغ پھر آباد ہو گیا

بلبل قفس سے اڑ گئی پر تولتی ہوئی
قید اس قفس میں آج سے صیاد ہو گیا

اہل وطن رہا ہوئے قید فرنگ سے
جس نے سنا یہ مژدہ وہ دلشاد ہو گیا

برطانیہ کا جبر کیا جس پہ ہنس کے صبر
ہندوستاں کے امن کی بنیاد ہو گیا

دہلی میں خون ہو گئی لندن کی آرزو
دفتر اس اقتدار کا برباد ہو گیا

چرچل نے جب سنا کہ ہوئی کانگرس کی جیت
گرم فغاں و نالہ و فریاد ہو گیا

گاندھی کہ سرکشوں کے سر اس نے جھکا دیئے
اس فن میں اس زمانہ کا استاد ہو گیا

نقش وفا بنا شہدائے وطن کا خون
اس خوں سے صلح نامہ پہ جب صاد ہو گیا

آزادی کا بگل

بدلی ہے زمانے کی ہوا تم بھی بدل جاؤ
ہاتھ آ نہیں سکتا ہے گیا وقت سنبھل جاؤ

حدت مگر اس درجہ ہے خوش ہیں کہ موسم
گر برف کے سانچے میں بھی ڈھالے تو پگھل جاؤ

محنت کے بلاخیز سمندر کے نہنگو
سرمایہ کی مچھلی کو سموچا ہی نگل جاؤ

آزادیٔ کامل کا علم ہاتھ میں لے کر
میداں میں بجاتے ہوئے ایماں کا بگل جاؤ

ہے آٹھ پہر سے نئی تہذیب کی بارش
رستہ میں ہے کیچڑ کہیں اس میں نہ پھسل جاؤ

حیران ہیں مغرب کے کفن چور کہ مردے
چلاتے ہیں قبروں میں کہ مشرق سے نکل جاؤ

برطانیہ کی میز سے کچھ ریزے گریں گے
اے ٹوڈیو چُننے تم انہیں پیٹ کے بل جاؤ

یکم جنوری سنہ ۱۹۳۱ء

شہیدانِ وطن

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے
تو اس کے ذرّہ ذرّہ سے بھگت سنگھ اور دت نکلے

چڑھا ایران میں منصور انا الحق کہہ کے سولی پر
مزا جب ہے کہ تارِ ہند سے ایسی ہی گت نکلے

مسلمانوں نے کتنے نوجواں اب تک کیے پیدا
جو آزادی کے گہوارے میں پا کر تربیت نکلے

خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا
خدا کے شیر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے

حقوقِ مسلمیں کے کچھ محافظ چل دیئے لندن
مگر وہ بھی پرستارانِ کیشِ عافیت نکلے

نثار اس رندِ عالم سوز پر سو جاں سے ہے محفل
کہ جس کوچہ میں جا نکلے حریفِ مصلحت نکلے

رسول اللہ کا ہم گاڑ دیں جھنڈا ہمالہ پر
ہمارے بازوؤں میں گر یداللّٰہی سکت نکلے

۲؍ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء

مُغل پُورہ

مسلمانوں کی قربانی کا ثمرہ مل گیا اُن کو
حکومت جھک گئی پنجاب میں اسلام کے آگے

ہوئیں تسلیم بے چون وچرا چٹکی بجاتے میں
شرائط ہم نے جتنی پیش کیں حکام کے آگے

کیا وہ کام جب ہم نے خدا خوشنود ہو جس سے
ہوئی دنیا کی گردن خم ہمارے نام کے آگے

سپر انگریز نے ہندوستاں میں ڈال دی آخر
بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

لاہور
۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء

فرمانروائے کشمیر کا اعلان عفو عمومی

فرمانے لگے ہنس کے مہاراجہ ہری سنگھ
جنبش مرے خامہ کی ہے اس نکتہ کی تفسیر

تقدیر فرنگ اور ہے تقدیر خدا اور
وہ نقش ہے پانی کا یہ پتھر کی ہے تحریر

تقدیر موحد تو ٹلی ہے نہ ٹلے گی
تقدیر مقدم پہ ہے غالب مری تدبیر

دیں گے وہی کچھ داد مری بانکی کماں کی
جن کے جگر و دل میں ترازو ہے مرا تیر

خوش مجھ سے ہو گر میری مسلمان رعایا
پھر خطرۂ اغیار سے آزاد ہے کشمیر

۵ر اکتوبر ۱۹۳۱ء

خدا کی بے آواز لاٹھی

سدرلینڈ اور اس کا ظلم اگر نابود ہو جائے
تو کشمیری مسلمانوں کا دل خوشنود ہو جائے

مسلماں کو ملا کر خاک میں کیا اس کی خواہش ہے
کہ ذرّہ ذرّہ اِس اقلیم کا بارود ہو جائے

کوئی ان ناخدا ترسوں سے پوچھے کیا قیامت ہے
کہ بچپن تک کا پیراہن بھی خون آلود ہو جائے

بخاری کی زباں سے گر حدیث قادیاں سن لو
عجب کیا ہے تمہاری عاقبت "محمود" ہو جائے

خدا کی شان ہے اک ریزہ چین خوانِ نصاریٰ کا
گدائی کرتے کرتے مہدیٔ موعود ہو جائے

نکالا جائے گر کشمیر سے ہر قادیانی کو
تو باب فتنہ اپنے آپ ہی مسدود ہو جائے

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کے تصدق میں
عجب کیا ہے غلامی کا نشاں مفقود ہو جائے

خداوندا مسلمانوں کے رسوا کرنے والوں میں
کوئی مخذول ہو جائے کوئی مطرود ہو جائے

خدا کے بھولنے والوں کا حشر اس وقت کیا ہوگا
وہ لاٹھی جو ہے بے آواز اگر موجود ہو جائے

لاہور ۲۰ ؍ اکتوبر ۱۹۳۱ء

احرار پنجاب اور نمائندگان کشمیر

ہمارے مشوروں کی قدر کیا کشمیر والوں کو — ہمارا حال ہے جن کی نظر میں عبرت ماضی
وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آپ ہی محتاج درماں ہو — تو کس کام آئے گی کشمیریوں کے اس کی بناغنی
رعایا ہاتھ کیوں پھیلائے اٹھ کر غیر کے آگے — بروئے کار اگر آنے لگے راعی کی فیاضی
خدا کا حکم ہے تم اپنی حالت آپ ہی بدلو — خدا کی جو رضا ہے بندہ اس سے کیوں نہ ہو راضی

ہمارے گھر کا جھگڑا ہے ہم آپ اس کو چکا لیں گے
میاں بی بی ہوں جب راضی تو پھر کیوں دخل دے قاضی

---

۲۹ / اکتوبر ۱۹۳۱ء

قانونِ انتقالِ اراضی

قانونِ انتقالِ اراضی سے آج کل
بے حد خفا ہیں صوبۂ پنجاب کے ہنود
ان کو یہ شکوہ ہے کہ جب اس ملک کے لئے
ہر طرح سے مفید ہمارا ابھی ہے وجود
دن رات اگل رہی ہیں ہماری ہی تھیلیاں
سرکار کے خزانہ میں ہیں جس قدر نقود
پھر کیوں ہمیں خریدنے دیتے نہیں زمیں
کیوں ہو گئے حقوق ہمارے ہی غتربود
آزاد کیوں ہے بیع و شریٰ میں کسان ہی
کل کائنات جس کی ہے افلاس کا نمود
انصاف مقتضی ہے کہ اٹھ جائیں یک قلم
اس سلسلہ میں جتنی ہیں قانون کی قیود

ہر طرح سے بجا ہیں یہ ساری شکائتیں
بے شک زمیں کی ملک کے حقدار ہیں ہنود
لیکن یہ شرط ہے کہ زمیندار کی طرح
خود ہل چلائیں اور غریبوں سے لیں نہ سود

---

۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

اِتّحاد بین الہنود والمسلمین

دُسہرا

کانگرس کی پرارتھنا

ہر ایک پرش ہو بھارت کا دوسرا ٹاگور — ہر استری کا تخلص سروجنی ہو جائے
ہر ایک شہر میں ہو دیّا کا دان اتنا — کہ دیس بھر میں جو کنگال ہے دھنی ہو جائے
کرشن اور یدھشٹر بنے ہر اک بالک — ہر ایک کنّیا سیتا و پدمنی ہو جائے
نہ امتیاز رہے ذات پات کا کچھ بھی
ہر ایک شُدر کی لڑکی برہمنی ہو جائے

۸ر دسمبر ۱۹۱۶ء

مُسلمان کی دُعا

نگاہ لُطف ہے یارب تری اگر ہم پر — تو بخش ہم کو وہ دولت کہ دل غنی ہو جائے
شراب کہنہ سے بھر دے پیالۂ اسلام — ترے کرم سے پیالہ بہ دہ منی ہو جائے
صنم کدوں میں جھلکنے لگے فروغ حرم — ہمارے قلب میں پیدا وہ روشنی ہو جائے
تہمتنی کا وقار اس سے گھٹ نہیں جاتا — اگر شعار ہمارا فروتنی ہو جائے
محمدؐ عربی کے غلام کو کیا ڈر
زمانہ بھر کو اگر اُس سے دُشمنی ہو جائے

۷ر اکتوبر ۱۹۲۲ء

بین الاقوامی الجھنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہے بیچارے کی اُکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی بھتیجے پہ چچا شام کی زد
جس سے اندیشۂ ایذا ہے وہ طاقت ہے فرانس

شیر برطانیہ اِن سب کو کچل سکتا ہے
نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

خیل نمرود کو ڈر ہے تو فقط اِتنا ہے
کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ ڈانس

پھرتے ہیں اہلِ فلسطین بھی باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

گوکل کی بانسری کی گونج

اگر کرشن کی تعلیم عام ہو جائے — تو کام فتنہ گروں کا تمام ہو جائے
بپاسِ خاطرِ ہمسایہ ہندوار کی رُوح — نثارِ حضرتِ خیر الانام ہو جائے
مٹائیں برہمن و شیخ تفرقے اپنے — زمانہ دونوں کے گھر کا غلام ہو جائے
بدیسیوں کی بڑائی کی دھجیاں اُڑ جائیں — جہاں یہ تیغ دو دم بے نیام ہو جائے
ہوں رام کرنے کو دہلی کے سورما موجود — سمندِ لندن اگر بدلگام ہو جائے
وطن کی خاک کے ذرّوں سے چاند پیدا ہوں — بلند اس قدر اس کا مقام ہو جائے
ملیں لنڈھانے کو توحید کی شراب کے خم — تو ساری بزم ابھی آتش بجام ہو جائے
سلیقہ بادہ کشی کا اگر ہو یاروں کو — شکستِ توبہ کا بھی اہتمام ہو جائے

ہے اس ترانہ میں گوکل کی بانسری کی گونج
خدا کرے کہ یہ مقبولِ عام ہو جائے

ہندوؤں کی تہذیب

سری رام چندر سے خطاب

نہ تو ناقوس سے ہے اور نہ اصنام سے ہے
ہند کی گرمیٔ ہنگامہ ترے نام سے ہے

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں
کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت
زندہ دونوں کی حقیقت ترے پیغام سے ہے

نیری تعلیم ہوئی نذرِ خرافاتِ فرنگ
برہمن کو یہ گلہ گردشِ ایام سے ہے

نقشِ تہذیبِ ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر
تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے

سر ملکم ہیلی کے ملفوظات

جناب حضرت ہیلی کو یہ غم کھائے جاتا تھا
نہ کر دے سرنگوں مشرق کہیں مغرب کے پرچم کو

چھڑی آزادیٔ ہندوستاں کی بحث کونسل میں
تو ظاہر یوں کیا حضرت نے اپنے اس چھپے غم کو

ہماری بھی وہی غایت ہے جو مقصد تمہارا ہے
خدا وہ دن کرے گردوں کے تارے بن کے تم چمکو

علمبردار ہیں انگریز اس تہذیب کے جس نے
دیا ہے درس آزادی تمام اقوام عالم کو

حکومت آج تم کو سونپ کر ہو جائیں ہم رخصت
مگر اندیشہ اس میں ہے فقط اس بات کا ہم کو

ہمارے بعد کون اس ہاتھ کی شوخی کو روکے گا
جو بیکل ہے کہ لا کر ڈال دے گنگا میں زمزم کو

مسلماں ہندوؤں کو ایک حملے میں مٹا دیں گے
اڑا لے جائے گا یہ آفتاب آتے ہی شبنم کو

کسی نے کاش یہ تقریر سن کر کہہ دیا ہوتا
کہ دے سکتے نہیں ہو تم اب ان فقروں سے دم ہم کو

مسلماں بھولے بھالے اور ہندو سیدھے سادے ہوں
نہیں احمق مگر ایسے کہ سمجھیں انگبیں سم کو

نپٹتے آئے ہیں آپس میں اور اب بھی نبٹ لیں گے
اگر تم بن کے ثالث بیچ میں ان کے نہ آ دھمکو

دُسہرہ اور محرم

کریں تیاریاں ہندو مسلماں خیر مقدم کی ملیں پھر اب کے تقریبیں دسہرے اور محرم کی
اُدھر ہے موجبِ عیش و مسرت قتلِ راون کا اِدھر ہے ابنِ حیدرؑ کی شہادت وجہ ماتم کی
اُدھر بجتے ہیں ہم ہم شادیانے کامیابی پر اِدھر پہنچی ہے ناکامی سے نوبت حسرت و غم کی
اُدھر جمعیتِ خاطر سے نقشہ بند مٹھی کا اُدھر دل کی پریشانی سے صورت زلفِ برہم کی
کوئی مسرور ہوتا ہے کوئی رنجور رہتا ہے کبھی اک حال میں دیکھی نہیں اولادِ آدم کی
دسہرے اور محرم میں ہے قدرِ مشترک اتنا غذوبت وہ ہے شکر کی تو شیرینی یہ ہے سم کی

خوشی ہے ہندوؤں کو اس لیے یہ فرض ہے اُن کا کہ دنیا کو دکھا دیں شان اک دل سوز ہمدم کی
مسلمانوں سے اِس غم میں کریں اظہار ہمدردی بنیں تصویر اس تقریب پر حسنِ خلق مجسم کی
مسلمانوں کے زخمی قلب کو صدمہ نہ پہنچائیں جو ممکن ہو کریں اس کے لئے تدبیر مرہم کی
مسلمانوں کے غم میں دخل دینے کی ہے کیا حاجت کہیں پیدا نہ جنت میں ہو کیفیت جہنم کی
مسلماں بھی نہ اُن کے عیش و عشرت میں مزاحم ہوں یہی اک کارگر تدبیر ہے اخلاص باہم کی

مسلماں اور ہندو پیشتر تھے متفق دونوں یہ ناچاقی کہاں سے بیچ میں کمبخت آدھمکی

اسی نے امن کا شیرازہ درہم کر دیا یکسر
اسی نے مجلس عیش و طرب یک لخت برہم کی

فسانہ رام چندر جی کا سب کو یاد ہے ازبر
انہوں نے کس طرح بنیاد حق و صدق محکم کی
شدائد اور مصائب میں رہے وہ مبتلا برسوں
کسی تکلیف کی اس راہ میں پروا بہت کم کی
شہید کربلا نے جان دی حق کی حمایت میں
نہیں باطل کے آگے اپنی گردن عجز سے خم کی

رہ حق میں رہیں ثابت قدم ہندو ہوں یا مسلم
یہی تعلیم ہے بس اس دسہرے اور محرّم کی

---

۲۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء

خلافت اور ہنود

قولِ اکبر ہے کہ خونریزی مٹانے کے لئے
حضرت عیسیٰ کو دنیا میں بلانا چاہیئے

امن کے شہزادہ کا لازم ہے گردوں سے نزول
ظالموں پر بس یہی نزلہ گرانا چاہیئے

بندہ کہتا ہے قیامت کی ابھی ساعت ہے دور
ہم کو یہ پہلو ابھی کچھ دن بچانا چاہیئے

ہمتِ مسلم تو ہے چوتھے فلک سے بھی بلند
اس سے بھی اونچا مسلمانوں کو جانا چاہیئے

ضامنِ امن و اماں ہے مصطفےٰ کا نامِ پاک
بس ہمیں اس نام کا ڈنکا بجانا چاہیئے

روضۂ اقدس پہ جا کر ہم کو با صد درد و کرب
حالِ زار اسلام والوں کا سنانا چاہیئے

وہ جو یثرب میں پڑا سوتا ہے میٹھی نیند اسے
مسلمِ بیکس کے نالوں سے جگانا چاہیئے

ایک ڈبکی مارنی لازم ہے گنگا میں ہمیں
ایک غوطہ آبِ زمزم میں لگانا چاہیئے

گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار آنے کو ہے
یہ ترانہ قدسیوں کو مل کے گانا چاہیئے

ہندو و مسلم کے گھر میں ہے چراغاں آج کل
جشن دونوں کو خلافت کا منانا چاہیئے

---

۴ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

مینا اور طوطا

ہوئی کیا وہ بہار اے آریہ ورت
چمن کی زندگی تھے جس کے انفاس

وہ رنگا رنگ پھلواڑی کہاں ہے
دماغوں میں ہے اب تک جس کی بو باس

وہ آزادی کدھر ہے جس سے کٹ کر
نہ آئی کوئی بھی تجھ کو ہوا راس

قفس میں بند ہوتی تھی جو طوطی
تو مینا کو دیا جاتا تھا بن باس

یہ طعنہ بھی سنا تو نے کہ تجھ کو
کبھی بھی تھا نہ آزادی کا احساس

تہذیبِ ہنود

وہ تہذیب اے ہندوؤ ہو گئی کیا
بجا جس کا ڈنکا تھا دُنیا کے اندر

ہُوئی کیا وہ دولت کہ شوکت تھی اُس کی
چمکنے میں بجلی گرجنے میں تندر

کدھر چل دیا ہے تمہارا وہ کس بل
بنایا تھا ارجن کو جس نے سکندر

کہاں ہے وہ مشعل کسی وقت جس سے
پڑے جگمگاتے تھے کاشی کے مندر

کدھر گُم ہوا ساغر اُس وِدّیا کا
بہا جس سے تھا معرفت کا سمندر

تمہارا دھرم بن گیا کھیل اب تو
ہنومان بندر ہے اور تُم قلندر

جو گیتا ہی چشمِ بصیرت سے پڑھ لو
تو نورِ خدا دیکھ لو دل کے اندر

حقیقت شناسی کی گر جستجو ہے
سبق تُم کو دیں گے سری اَمچندر

۳۱؍ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مقتلِ ننکانہ

خونِ امرت سر کی سُرخی رونقِ ننکانہ ہے
کس قدر رنگین ہماری بزم کا افسانہ ہے

جنسِ آزادی کی ارزانی مسلّم ہے مگر
خونِ ابنائے وطن اس جنس کا بیعانہ ہے

سر کے بل چل کر اکالی آئے مقتل کی طرف
دل میں ہے شوقِ شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کے قتلِ عام کا گھر گھر میں ہے ماتم بپا
زندۂ جاوید ان کی ہمتِ مردانہ ہے

بے بصر سمجھے ہیں اک انبارِ خاکستر جسے
اس کے ہر ذرّے میں رقصاں شوکتِ شاہانہ ہے

بُت گری اس عہد میں ہے عقل و دانش کی دلیل
بُت شکن اس دور میں مجنون ہے دیوانہ ہے

گردواروں پہ مہنتوں کا تسلّط ہو گیا
خانۂ نانک نرائن داس کا بُت خانہ ہے

اس کو محفل میں ہے اپنی جلوہ آرائی سے کام
شمع کیا جانے کہ جلتا کس لئے پروانہ ہے

کیا ہوا اگر ہاتھ پر تم نے لیا ریشم لپیٹ اس کے نیچے تو وہی فولاد کا دستانہ ہے
اک نہ اک دن صورتِ حرفِ غلط مٹ جائے گی
جو حکومت مذہبی قانون سے بیگانہ ہے

اس طرف گاندھی کی ہے شوکت علی سے رسم و راہ اُس طرف شیطان سے سرکار کا یارانہ ہے
مرغِ دانا اب نہ اِن گھاتوں سے پھانسا جائے گا
راز دارِ حیلۂ دام و فریبِ دانہ ہے

معرفت کا خم مئے حق سے کبھی خالی نہیں لطفِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے
کیا ہُوا بستی ہماری گر اُجڑ کر رہ گئی
کل وہی آباد ہو گا آج جو ویرانہ ہے

خالصہ کا پیغام

خالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو — گر تری زبان پر ست سری اکال ہو
کرتے دے انہیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اٹھا — خواہ کیسی ہی قوی وجہ اشتعال ہو
اِک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن — اک زمانہ کے لئے صبر کی مثال ہو
برچھیوں کے وار کو روکنا اگر پڑے — کینہ سے دھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو
حق کی جلوہ گاہ میں شانِ کردگار بن — حق کی شاہراہ پر جا کے پائمال ہو
مسلمِ برشتہ جاں دیکھ تو کہ یہ کہیں — تیری ہی روش نہ ہو تیری ہی نہ چال ہو

ہم تو سر کے بل گئے قتل گاہِ عشق میں
تیز ہو چکی چھری تو بھی چل حلال ہو

شہیدی جتھا

کٹے ہیں جس قدر سر گنگ سر کے گرد وارے میں
ہے درج اُن سب کی قربانی جزا کے گوشوارے میں
نہ گھائل کر سکی تھی جن کو ننکانہ میں آنکھ اُن کی!
اُنہیں بھی اُس نے تڑپا کر ہی چھوڑا اِک اشارے میں
بچے جن کی تفنگوں سے نہ ننھّے ننھّے بچے بھی
ہے کیا تہذیبِ مغرب کا اب ارشاد ان کے بارے میں
ابھی دیکھا ہی کیا ہے تُم نے اِس خُونی تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں
جفا کی گرمیٔ بازار مظلومی کی رونق ہے!
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں

پلٹ کر زیرِ دستِ آزار کو اِک دن اُلٹ دے گی!
یہی گردش جو ہے اس وقت سکھوں کے سہارے ہیں
بہائے ہیں جنہوں نے بے کسوں کے خون کے دریا
وہ خود بہ جائیں گے تقدیر کی ندی کے دھارے میں
تمہیں بخشا گیا ہے دیدۂ بینا تو دیکھو گے
ہزاروں راکھ کے ڈھیر ایک نابھ کے شرارے میں

گیانی کا ترانہ

کل شام کے وقت ایک پھٹے حال گیانی — گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دو تارا
ہر زخمہ سے لگتی تھی نئی چوٹ جگر پر — ہر نغمہ سے کرتا تھا دلوں کو وہ دوپارا
ہر گت سے ملاتا تھا خلا میں وہ ملا کو — اور چھیڑتا جاتا تھا یہ آہنگ دل آرا
کچھ تم کو خبر بھی ہے کہ برطانیہ نے کیوں — گدّی سے مہاراجۂ نابھہ کو اُتارا
کیوں خالصہ کی ناؤ پڑی آ کے بھنور میں — کیوں ڈوب گیا پنتھ کی قسمت کا ستارا
اُس کی یہ خطا تھی کہ ہے ملت سے اُسے عشق — اُس کا یہ گنہ تھا کہ ہے مذہب اُسے پیارا
اِس جرم کی تعزیر میں ہم قید تھے کل تک — اور آج گرفتار ہے سردار ہمارا
ہے کوئی حق آگاہ جو باطل سے نہ جھجکے — ہے کوئی جو انگریز سے پوچھے یہ خدارا
کیوں فلسفہ اپنا ہی کیا تم نے فراموش — کیوں اپنے ہی مکتب کا سبق تم نے بسارا
کیوں تم سے ہے مخفی یہ حقیقت کہ ہمیشہ — بہتا نہیں اک سمت میں تقدیر کا دھارا
ڈھلتی ہوئی پھرتی ہوئی اک چھاؤں ہے دولت — تم کون ہو جن سے نہ کرے گی یہ کنارا
دنیا میں نہ یوناں ہے نہ روما ہے نہ ایران — باقی نہ سکندر رہے نہ سیزر ہے نہ دارا

ہم بھی کبھی اس ملک میں تھے صاحبِ دیہیم
مشہور تھے ہم تا بہ سمرقند و بخارا

لیکن کبھی احساں کی روش ہم نے نہ بدلی
جو قول دیا ہم نے وہ مر کر بھی نہ ہارا

اِک ہم تھے کہ ہم نے جسے پکڑا اُسے چھوڑا
اِک تُم ہو کہ تُم نے جسے تاکا اُسے مارا

کب تک یہ تشدّد یہ مظالم یہ جفائیں
کِس دن کے لئے یہ ستم و جور تمہارا

تم کر نہ سکو گے کبھی اُس جذبہ کو پامال
گرتی ہوئی قوموں کو سدا جس نے اُبھارا

وہ خون جو سِکھوں نے بہایا ہے کسی دن
بن جائے گا پنجاب کی تعمیر کا گارا

چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ بٹھا لیں
گدّی پہ ہم راجۂ نابھہ کو دوبارا

پند مول چند

کل مجھ کو راستے میں ملے رائے مول چند
پہلو میں آپ کے ہے دل اور وہ بھی درد مند

کہنے لگے کہ گوشِ نصیحت نیوش سے
سُن لیجیے خاکسار کے بھی آج چند پند

مَیں بھی کسی زمانہ میں تھا آگ سر بسر
اور جذبۂ شباب تھا اس آگ کا سپند

اَب تو مگر ہے سُست بڑھاپے میں جوڑ جوڑ
ڈھیلا ہُوا ہے آ کے ضعیفی میں بند بند

لاؤں کہاں سے ولولہ ہائے شباب کو
ممکن نہیں کہ شیر بنے جو ہے گوسفند

ہو پیرِ شصت سالہ میں کیسے نشاطِ عمر
کس طرح تیس سال کی اُلٹی بھروں زقند

چکھا ہے مَیں نے تلخیٔ دوراں کا ذائقہ
کھایا ہے زہر مَیں نے یہ برسوں سمجھ کے قند

ہے میرے تجربے کا بس اِک نکتہ پر مدار
میری طرح جناب بھی ہوں اس پہ کاربند

دِل کا شکار کیجیے لیکن یہ شرط ہے
فتراک انکسار ہو اخلاق ہو کمند

بلند شہر کا مجسٹریٹ اور مظلوم مہابیر تیاگی

اِک سر پھرے انگریز نے جب سر اجلاس
لگوائے پیادوں سے مہابیر کو چانٹے

اِتنا بھی نہ ظلم کی حکومت سے بن آیا
اس اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹے

جس روز بکھیرے گئے انصاف کے یہ پھول
برطانیہ کے رستے میں بوئے گئے کانٹے

اس ظلم پہ اس جور پہ جو پیکر بیداد
عدل اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹے

اچھا ہے کہیں اس سے تو لندن کا وہ اندھا
پھر پھر کے مٹن چاپ جو اپنوں ہی میں بانٹے

۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

تقدیر کے گھڑیال کی ٹن ٹن

خدا اگر عقل دے ہندو سبھا کے رہنماؤں کو
تو رخ اپنا بدل لیں دیکھ کر چلتی ہواؤں کو

فضا میں دھجیاں اک روز ان کی اڑنے والی ہیں
ہمارے خوں سے کر دیکھیں وہ سرخ اپنی قباؤں کو

سلامت بچ نکلنا تھا اگر جاتی کو طوفاں سے
تو کی تھی ناؤ کیوں اس نے سپرد ان ناخداؤں کو

بجز اس کے کہ پھوٹے ان کی تقدیر اور ہماری بھی
ہوا حاصل نہ کچھ بھی سنگھٹن کے دیوتاؤں کو

ٹپکتا ہے زباں سے شہد رستا زہر ہے دل سے
سمجھتے خوب ہیں ہم مالوی جی کی اداؤں کو

انہیں ٹھکرائے گا سائمن کمیشن آ کے لندن سے
کہ ٹھکرایا انہوں نے کانگریس کی التجاؤں کو

اگر کر لیں مسلمانوں سے مل کر کوئی سمجھوتا
تو اب بھی ٹال سکتا ہے خدا ساری بلاؤں کو

---

۱۰ نومبر ۱۹۲۷ء

نئی زندگی اور نیا پیغام

زندگی بخشے جب اغیار کی بیداد مجھے
لاجپت رائے کی موت آئے نہ کیوں یاد مجھے

میری اک آہ سے جل جائے گا ہر حلقۂ دام
پھانستا اس میں ہے بے فائدہ صیاد مجھے

دل کی بستی کو جو ویراں ہے بس آ کر اس میں
اے خدا ہند میں کرنا ہے جو آباد مجھے

وطن اور اُس کی روایات پہ جس سے حرف آئے
باعثِ ننگ ہے وہ شیوۂ فریاد مجھے

جو کسی سے نہ دبی ہے نہ دبے گی ابداً
ہو مبارک یہ مری فطرتِ آزاد مجھے

خود وہ مٹ جائے گا جو مجھ کو مٹانا چاہے
دے رہی ہے یہ شہادت مری افتاد مجھے

صبر سے جبر کو میدان میں دوں گا میں شکست
جبر سے یوں نہ ڈرائیں ستم ایجاد مجھے

بیڑیاں میری غلامی کی بڑھیں گی کس وقت
خوب معلوم ہے یہ غیب کی میعاد مجھے

اس میں خود جارج ہوں یا ارون و ویجوڈ بن ہوں
دینے والے ہیں مرے عزم کی سب داد مجھے

۱۶ر نومبر ۱۹۲۹ء

کانگریس کے لئے ایک نیا عقدہ

مس میو کی روح

اک نیا نکتہ گورنمنٹ کو اب سوجھا ہے
جس کو حل میں نے کیا ہے بڑی دشواری سے

پہلے دیتی تھی یہ الزام وہ اخباروں کو
کہ دکاں ان کی چمکتی ہے دل آزاری سے

گالیاں دے کے کماتے ہیں یہ روزی اپنی
رشتہ ان کا ہے پرانا کسی بھٹیاری سے

جس قدر فاصلہ برطانیہ کا ہند سے ہے
دور اتنے ہی یہ مفسد ہیں رواداری سے

جب اس الزام سے حاصل نہ ہوئی دل کی مراد
اک نیا حیلہ تراشا بڑی عیاری سے

سامنے آ گئی سرکار کے مس میو کی روح
نکل آیا یہ گزٹ شملہ کی الماری سے

اشتہارات ہیں سب فحش ان اخباروں کے
خطرہ اخلاق کو ہے ان کی خریداری سے

ایسے اخبار ہیں کس طرح نمائندہ ملک
جو نہیں بڑھ کے کسی شاہد بازاری سے

ست بچنئے کہیں رونا یہ کمیشن میں نہیں
ہے توقع تو یہی ان کی وفاداری سے

کیجے اس اٹھتے ہوئے فتنہ کا جلدی سے علاج
باادب عرض یہ ہے ڈاکٹر انصاری سے

اصلی جرم

وہ اعلان آج میں نے بھی پڑھا جس میں حکومت نے
گنایا ہے رضا کارانِ ملّت کے گناہوں کو

خدایانِ فرنگ اس میں یہ فرماتے ہیں جھلّا کر
کہ ہم دم لیں گے سیدھا کر کے ان گم کردہ راہوں کو

انہوں نے جب سے ٹوپی سر پہ گاندھی کی جمالی ہے
اسی دن سے نہیں خاطر میں لاتے کج کلاہوں کو

برس پڑتے ہیں جلسوں میں ہمارے جاں نثاروں پر
سُنا دیتے ہیں صلواتیں ہمارے خیر خواہوں کو

کبھی میخانے میں پیرِ مغاں کو تنگ کرتے ہیں
ستاتے ہیں کبھی بازار کے جادو نگاہوں کو

ہُوا ہڑتال کا وہ زور ان کی کوچہ گردی سے
گزرنا ہو گیا شہروں میں مشکل بادشاہوں کو

اگر دو چار ہنٹر محتسب ان کو لگاتا ہے
تو پہنچاتے ہیں چوتھے آسماں پر اپنی آہوں کو
کہا اس پر یہ میں نے ہے گنہ اک اور بھی ان کا
سیاہی جس کی شرماتی ہے ان سارے گناہوں کو
یہ اُن کا جرم اصلی ہے کہ ان کی چیرہ دستی سے
چھٹی کا دودھ یاد آیا ہے لندن کے جلاہوں کو

فانوسِ ہند کا شعلہ

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوسِ ہند
گرمیاں جس کی فروغِ منقلِ جاں ہو گئیں

بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں
تو نے صور اپنا جو پھونکا محشرستاں ہو گئیں

جن بلاؤں سے گھرے رہتے تھے صبح و شام ہم
تیرے آتے ہی وہ انگریزوں کی درباں ہو گئیں

جتنی بوندیں تھیں شہیدانِ وطن کے خون کی
قصرِ آزادی کی آرائش کا ساماں ہو گئیں

مرحبا اے نو گرفتارانِ بیدادِ فرنگ
جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہو گئیں

زندگی اُن کی ہے دین اُن کا ہے دنیا اُن کی ہے
جن کی جانیں قوم کی عزت پہ قرباں ہو گئیں

جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی

مرد عورت پر اٹھاتا تھا نہ ہاتھ اس دیس میں
آج ان آنکھوں نے دیکھا یہ ستم یہ جور بھی

حجرۂ زنداں کی آرائش ہوں خاتونانِ ہند
آ گیا ہندوستاں میں اس جفا کا دور بھی

لاٹھیاں برسیں نہتوں پر تو آ کر جوش میں
چوٹ کی لذت پکار اٹھی کہاں! کچھ اور بھی

جبر دبنے کے لئے ہے صبر ابھرنے کے لئے
اس حقیقت پر کبھی تم نے کیا ہے غور بھی

امن کی تلقیں ہیں اور خود تشدد پر عمل
کیا عجب گر سیکھ جائیں تم سے ہم یہ طور بھی

گرم تھا پنجاب کا خوں کیوں نہ آخر کھولتا
جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی

سیواجی اور شوکت علی

دل جلے دل کی جلن کا ماجرا کہنے لگے
تھیں جو اَن کہنی وہ باتیں برملا کہنے لگے

جس پہ کٹتی تھی زباں منہ پر وہ بات آج آگئی
اے خدا اب تجھ کو ہم اپنا خدا کہنے لگے

مصلحت بیں بیٹھ پڑتے ہیں جن کی جان کو
رند عالم سوز انہیں منہ پر برا کہنے لگے

جی حضوری ہو گئے یا ست بچنے بن گئے
آپ کیا کہہ کر گئے تھے اور کیا کہنے لگے

کانگریس پر جب سے غالب آگئی ہندو سبھا
مالوی جی کو وہ اپنا دیوتا کہنے لگے

اس پریرو کو جو لندن زاہے کوئی کیا کہے
دیوتا زادوں کو جو "احمق گدھا" کہنے لگے

جب سے سیواجی کو اپنانے لگے شوکت علی
ڈاکٹر منجی انہیں اپنا چچا کہنے لگے

---

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

پٹیل کا پیغام

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل
منزلِ آزادئ کامل کی ہے اس عہد میں جیل

آئے دن اپنوں میں ہوتی جو نہ دانتا کل کل
ہونے پاتے نہ وہ اس طرح پرایوں کے دبیل

جان بل برہمن و شیخ سے ہے برسرِ جنگ
اب نہ ہوگا تو پھر ان دونوں میں ہوگا کب میل

سر ہتھیلی پہ لئے جب نکل آیا پنجاب
تو یہ سمجھو کہ منڈھے چڑھ گئی اس دیس کی بیل

پھیلتی جاتی ہے گاندھی کی لگائی ہوئی آگ
کوئی ان سے یہ کہہ دو کہ نہ اس آگ سے کھیل

ڈیڑھ سو سال تک انگریز شتربان رہا
اب ہم اس اونٹ کی خود ہاتھ میں تھامیں گے نکیل

مہاتما گاندھی کا ترانہ

کبھی اپنی آتما سے نہ میں دشمنی کروں گا
نہ بسوں گا جاکے بن میں نہ میں خودکشی کروں گا

مجھے ایسی کیا پڑی ہے کہ ہمالیہ کو جاؤں
یہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے میں ہری ہری کروں گا

یہ فرنگیوں سے کہہ دو کہ میں ہوں دھرم کی مورت
جو کریں گے وہ عداوت تو میں آشتی کروں گا

ہے مرا دھرم اہنسا ہے اسی میں سب کی مکتی
مرے پاس ہے جو ہنڈی اسے درشنی کروں گا

مرے من کی کھلبلی میں نئی جھوت کی جھلک ہے
نہ ٹھہر سکیں گی آنکھیں میں وہ روشنی کروں گا

کوئی دن میں سبز ہوگا وہ چمن جو جل رہا ہے
میں ان اپنے آنسوؤں سے وہ فسوں گری کروں گا

پیامِ آزادی

کھول آنکھ اور دیکھ مقدر کا بندوبست
ہیں آج زیرِ دست جو کل تھے دراز دست

حق سرفگندہ تھا مگر اب سربلند ہے
باطل جو تھا بلند نظر آرہا ہے پست

سرجان سائمن کے پجاری ہوئے ذلیل
کھائی اسمبلی میں گورنمنٹ نے شکست

خُم خانۂ فرنگ کے رسیا کدھر گئے
محفل پہ چھائے جاتے ہیں مشرق کے مے پرست

جو ہوشیار ہیں انہیں مستی کی دے نوید
اے جرعہ نوش بادۂ خم خانۂ الست

ہندوستاں غلام ہے آزاد کر اسے
تلقین کررہا ہے یہی ہر وطن پرست

ہیں مالوی بھی میرے شریک اس پیام میں
"از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است"

---

۲۲ فروری ۱۹۲۸ء

مغربی بگولا

اُڑانے آئی ہے مغرب کی آندھی
بگولا بَن کے مشرق کے چمن کو

ہے پیغام ایک اُس کی شوخیوں کا
ہجوم لالہ و جمع سمن کو

کمیشن تازہ کرنا چاہتا ہے
پھر استبداد کی رسم کہن کو

نہیں لاتے ہیں خاطر میں یہ ٹوڈی
مری تنظیم تیرے سنگٹھن کو

مگر ہو جائے سمجھوتا ہمارا
تو بدلیں آج ہی اپنے چلن کو

اب اِس میں ہاں لوی یا مولوی ہو
نبٹنا ان سے آخر ہے مدن کو

خُدارا اَب تو چھوڑو خانہ جنگی
بچانا ہے جو ناموسِ وطن کو

لاہور ۲۱ر نومبر ۱۹۲۷ء

مالوی جی کی سیوا میں نوید

حکومت التجاؤں سے کبھی حاصل نہیں ہوتی
کوئی اللہ کا بندہ یہ کہہ دے مالوی جی سے

کبھی بھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا ہے نہ نکلے گا
یہ چپڑنا چاہتے ہیں اپنے پھلکے آپ جس گھی سے

رزولیوشن کہاں تک پاس کرتے ہم چلے جائیں
یہ چکی کانگرس بیٹھی ہوئی کس وقت تک پیسے

نہیں ملتی ہے جلسوں اور تقریروں سے آزادی
جو ملتی ہے تو ملتی ہے چپتی اور لٹھبتی سے

جبھی تو بول بالا ہے جواہر لال نہرو کا
اور اُن سے آملا ہے دیس سارا کٹ کے گاندھی سے

وہ گوکل کا گوالا جو ہے بیٹھی بانسری والا
یہ کہتا ہے کہ بھینس اُس کی جو ہانکے اُس کو لاٹھی سے

۹ر نومبر ۱۹۲۸ء

لاجپت رائے کی یاد میں

مٹا کرتی ہیں جس عزت پہ قومیں ہے اُس عزت کا ساماں لاجپت رائے
وطن پر جان دو تم بھی اسی طرح ہوا جس طرح قرباں لاجپت رائے
بڑی مشکل سے ملتا ہے یہ رتبہ نہیں ہونا ہے آساں لاجپت رائے
وہ محفل رو رہی ہے اُس کو جس میں رہا برسوں غزلخواں لاجپت رائے
ہمیں رہ رہ کے یاد آیا کرے گا ترا ایک ایک احساں لاجپت رائے

ہمارا نامہ ہے آزادیٔ ہند
اور اس نامہ کا عنواں لاجپت رائے

۴ دسمبر ۱۹۲۸ء

شرابِ خانہ ساز

آزادیٔ وطن کا پھریرا اُڑائے جا
ہندوستاں کے نام کا ڈنکا بجائے جا

ہندو جو شیر ہوں تو مسلمان ہوں شکر
دونوں میں اتفاق کا رشتہ بڑھائے جا

خاشاکِ ذلّتِ صد و پنجاہ سالہ کو
دریائے اتحاد کی رَو میں بہائے جا

رُسوائیوں کے داغ سے آلودہ ہے جبیں
عزّت کے چار چاند بھی اس میں لگائے جا

گردش میں لا پیالۂ مئے خانہ ساز کا
اور قسمتِ فرنگ کو چکر میں لائے جا

کابل کے تاجدار کو اللہ کی امان
اس بادشہ کی راہ میں آنکھیں بچھائے جا

۹ر فروری ۱۹۲۹ء

اِنسانیتِ کبریٰ کا مقام

اپنے آبائی شرف کا گر تجھے احساس ہو — شانِ ابراہیمؑ پیدا کر امام الناس ہو

تو مسلماں زادہ ہے پہچان اپنا مرتبہ — خضر کو رستہ دکھا تاجِ سرِ الیاس ہو

دیکھ لے دُنیا تجھے باندھے ہوئے تیغ و کفن — کچھ بھی گر تجھ کو روایاتِ کہن کا پاس ہو

تیرے خنجر کے لئے خونِ دو عالم ہے مباح — گر یہ تیرا قصد ہو اور اُس کو اتنی پیاس ہو

بن نہیں سکتا صلاح الدین ایوبی اگر
ہند کی حرمت پہ مرہٹا ور خفتہ داس ہو

---

۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء

شیخ و برہمن

اکثریت اگر اسلام کی پنجاب میں ہو — تو وہ کہتے ہیں کہ خطرے میں ہے تہذیبِ ہنود
اُن کے نزدیک ہے پنجاب فلسطیں گویا — آ گھسے جس میں مسلمان ہیں مانندِ یہود
جن کو لازم ہے کہ بن کر رہیں وہ ان کے غلام — یا کہیں بھی نظر آئیں نہ تہِ چرخِ کبود
جو لہو اُن کے پسینے کی جگہ ٹپکائیں — کیا قیامت ہے کہ اُن کو وہ سمجھتے ہیں حسود
وطنیت یہی ان کی ہے تو ہم سمجھیں گے — کہ وہ ہیں عبد اور انگریز ہے ان کا معبود
جن کو توحید سے ہے سیزدہ صد سالہ عناد — جس کے حق میں ہے خطرناک مسلماں کا وجود

اے خدا برہمن و شیخ کے جھگڑے کو چکا
اور اٹھا ہند کی دیرینہ غلامی کی قیود

---

۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء

گاندھی

بردولی سے پہلے

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا
باطل سے حق کو دست و گریباں کر دیا

سر رکھ دیا رضائے خدا کی حریم پر
خنجر کو پھر حوالہ شیطان کر دیا

ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر
آزادیٔ حیات کا سامان کر دیا

دشمن میں اور دوست میں ہونے لگی تمیز
کتنا بڑا یہ ملک پہ احسان کر دیا

دے کر وطن کو ترک موالات کا سبق
ملّت کی مشکلات کو آسان کر دیا

شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد
گویا انہیں دو قالب و یک جان کر دیا

اوراق جبر و جور و جفا کو بکھیر کر
شیرازہ سلطنت کا پریشان کر دیا

ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے
قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کر دیا

تن من کیا نثار خلافت کے نام پر
سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کہ وہ ہے منزلت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

گاندھی

بردولی کے بعد

گاندھی کے اس بسائے ہوئے گھر کو آہ! آہ — دست فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
خود اس فدائے قوم کو چھ سال کے لئے — سرکار ذی وقار کا مہمان کر دیا
قسمت نے ڈال کر اسے قید فرنگ میں — ہندوستاں کے جسم کو بے جان کر دیا
جاتے ہی اُس کے ملک کی صورت بدل گئی — انساں نے اپنے آپ کو حیوان کر دیا
فتنہ کہیں کیا جو ملیبار کا بپا — پیدا کہیں قضیۂ ملتان کر دیا

جاں سنگھٹن سے ہو گئی خطرہ میں مبتلا
شدھی نے بڑھ کے رخنہ در ایمان کر دیا

ایماں نے آ کے شعلۂ غیرت کو دی ہوا — روشن چراغ دودہ عثمان کر دیا
عثمانیوں کے خنجر خارا شگاف نے — یورپ کے کافروں کو مسلمان کر دیا

دینِ مبیں کے مجد و شرف کے لزوم کو
تمہید عہد نامۂ لوزان کر دیا

مشرق کو زندہ کر نہیں سکتا خدا بھی آج
مغرب کے اس عقیدہ کا بطلان کر دیا

اس فتح نے زمانہ میں جس کی نہیں نظیر
سارے جہاں کی عقل کو حیران کر دیا

پھر ماجرا یہ کیا ہے کہ اپنی ہی فتح نے
اہلِ وطن کو سر بہ گریبان کر دیا

کس سمت سے ہوا یہ چلی جس نے یک بیک
دانشورانِ ہند کو نادان کر دیا

کیا سوچ کر انہوں نے جو تھے مصلحت پسند
ہر مصلحت کو گائے پر قربان کر دیا

اپنے کئے پر آپ پشیمان ہو گئے
اپنے چمن کو آپ بیابان کر دیا

واحسرتا کہ ہند کی آپس کی پھوٹ نے
خالی حریف کے لئے میدان کر دیا

منیم جی

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
ادھر الف واؤ میم بھی ہے ادھر الف لام میم بھی ہے

بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالہ سے سر ہے اونچا
میں ہوں مسلمان وضع میری جدید بھی ہے قدیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے جزا پشیمانیوں کی دے گا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا مگر غفور الرحیم بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جو بھی کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

اگر ہم آزاد ہیں تو جنت غلام اغیار ہیں تو دوزخ
یہ جاں سے پیارا وطن ہمارا بہشت بھی ہے جحیم بھی ہے

چمن میں فصل گل آ رہی ہے خزاں کے ایام جا رہے ہیں
کرشمہ گستر ہیں لالہ و گل تو نکہت افشاں نسیم بھی ہے

وہ پیسہ پیسہ کا چند دن میں فرنگیوں سے حساب لے گا
لنگوٹی والا ہمارا گاندھی مہاتما بھی منیم بھی ہے

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء

سجن فرنگ گجرات

نوید امن

دہلی سے نوید امن کی لائی ہے صبا آج
ہوتا ہے وطن قید مصیبت سے رہا آج

مضبوط ہوا عدل و مساوات کا رشتہ
اور قطع ہوا سلسلۂ جور و جفا آج

ہے ناؤ حکومت کے مظالم کی بھنور میں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا آج

چرچل کی خرافات کے بکھرے ہوئے پرزے
اک پل میں اڑا لے گئی دہلی کی ہوا آج

بیدار ہوئی ہند کی سوئی ہوئی تقدیر
کیوں مرتبہ مشرق کا نہ ہو کل سے سوا آج

مظلوم کی فریاد کو بخشی گئی تاثیر
اور عرش سے لے آئی اجابت کو دعا آج

برسائے گی پھر دولت و اقبال کے موتی
اٹھی ہے پھر اللہ کی رحمت کی گھٹا آج

رندوں کے لئے بادہ سے لبریز ہے ساغر
ہر جرعہ ہے اس بادہ کا اندوہ ربا آج

ہر شہر کے ہر کوچہ میں ہے آج چراغاں
ہر قریہ کے ہر گھر میں جلا گھی کا دیا آج

گاڑا تھا جسے قوم نے راوی کے کنارے
گردوں سے بھی اونچا وہ علم اٹھ کے ہوا آج

آزاد کرو ساری خدائی کو اب اُٹھ کر
اس عہد کی تجدید کریں ماد شما آج

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

ہنوز دہلی دور است

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کان پور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے شورِ نشور ہے

ہے تار تار پیرہنِ امن و عافیت
زخموں سے جسمِ بیگنہی چور چور ہے

زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلکِ قدیم جو خیر الامور ہے

ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کے عقل کے اندر فتور ہے

لٹکی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے "ست بچن" کہیں تو کہیں "جی حضور" ہے

آپس کی پھوٹ کر کے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ! کب ہمیں اتنا شعور ہے

لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دور ہے

اس وقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ ترا ہی قصور ہے

۲۹ ر اگست ۱۹۳۱ء

نوشتۂ تقدیر

بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھ دیو کے حوالۂ رسن و دار ہونے پر

توانائی کے بس میں ہے سراپائے حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا

دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینے میں
کسی بیکس کو ساری عمر آنسو خوں کے رلوانا

ہے جن کے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
وطن کے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا

بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش اٹک کے پار خاک و خوں میں تڑپانا

ملوکیت پرستوں کے لئے یہ سب کچھ آساں ہے
مگر دشوار ہے قانونِ فطرت کا بدل جانا

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا نہ ٹالے سے
خود اپنی ہی رعایا سے پڑا ہے جس کو ٹکرانا

مکافاتِ عمل سے گر وہ غافل ہیں تو بیشک ہوں
ہمارا کام تھا نیک اور بد کا ان کو سمجھانا!

۲۵ مارچ ۱۹۳۲ء

پریم کا چاؤ

اِک سر بریدہ لاش کے مُنہ سے بوقتِ ذبح
پیغام خالصہ کو یہ پہنچا گرنتھ کا
تجھ کو اگر ہے دعوئے الفت تو سر بکف
ننکانہ چل کے آ کہ یہ رستہ ہے پنتھ کا

خاتم جم

بہ تقریب آل پارٹیز کانفرنس الہ آباد

جس نے سو سال کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا
یہ وہ طاقت ہے جو پریاگ سے ہم لے کے چلے

مالوی ہو کہ ہو آزاد اسے چلنا ہے اگر
مادرِ ہند کی عزّت کی قسم لے کے چلے

مل گیا دولتِ گم گشتہ کا سنگم میں سراغ
ہم گدایانِ حرم خاتمِ جم لے کے چلے

ناچ تگنی کا جو چرچل کو نچانے لگ جائے
وہی سُر اور وہی تال اور وہی سم لے کے چلے

خالصہ جی کو یہ شکوہ نہ رہے ساقی سے
کہ ہم اس بزم سے اِک بُوند بھی کم لے کے چلے

ساتھ دینا ہے اس احقر کا اگر مُنجے کو
تو پھر آزادیٔ کامل کا علم لے کے چلے

۱۷ر نومبر ۱۹۳۲ء

دعوتِ عمل

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ
تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ

حکومت کو تم نے لیا آزما
اب اپنے مقدّر کو بھی آزماؤ

ہو تم جس کے ذرّے وہ ہے خاکِ ہند
چھپے ہیں جو اِس میں وہ جوہر دکھاؤ

فلک پہ مہ و مہر پڑ جائیں ماند
زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

ہمالہ بھی آجائے گر راہ میں
تو ٹھکرا کے آگے سے اُس کو ہٹاؤ

کرے تم سے گنگا بھی گر بے رُخی
پلٹ کر الٹ دو تم اُس کا بہاؤ

زمانہ میں روشن کرو نامِ ہند
ہر اقلیم میں اس کا سِکّہ چلاؤ

ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل
ہر اک قوم سے اپنی عزّت کراؤ

پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں
وہاں تم مُسلمان کا خوں بہاؤ

زمیں ہو جب اس خون سے لالہ زار
تو اس پر بساطِ اخوّت بچھاؤ

بھریں گے یہ برسوں میں جا کر کہیں
مُسلماں کے پہلو کے گہرے ہیں گھاؤ

پُرانا ہوا دفتری اقتدار
سمجھ لو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ

کِسی روز خُود غرق ہو جائے گی
بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

سالِ نو کا ہنگامہ

سنہ ۱۹۳۲ء

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآن کی آیتوں کے فسونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و امان جس کی ہے متاع
غارتگروں کی ٹھن گئی اس کارواں سے جنگ

برق اور خارِ ہیچ کیوں نہ ہو ایماں خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیر دستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
موران نیم جاں کی ہے پیلِ دماں سے جنگ

دھاوا سپاہ جبر کا ہے خیل صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ

ہم ناتواں سہی ہے خدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کرتے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ

ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگ آفتاب سے
خفاش کی عبث ہے شہِ خاوراں سے جنگ

شدھی اور سنگھٹن

شدھی سنگھٹن کے چار رتن (۴)

پوجیہ مالوی جی

سنگھاسن پہ بھارت کے بیٹھا اگر میں — تو گوکل میں گاڑوں گا جھنڈا دھرم کا
گھمائے گا اسلام کے سر پہ موگری — جہاں سے کٹوا کے ڈنڈا دھرم کا
بنارس کے ڈربے میں شدھی کی مرغی — دیئے جائے گی روز انڈا دھرم کا
حفاظت کرے گا درن آشرم کی — اچھوتوں کے منتر سے گنڈا دھرم کا
ہمالہ سے لنکا تک اک آگ روشن — کروں گا جلا کر میں ہنڈا دھرم کا
مسلماں جہاں ہوں کچل ڈالے جائیں — یہی ہو گا اس وقت اجنڈا دھرم کا

مری راج دھانی میں تم دیکھ لوگے
نہ ہو گا کبھی جوش ٹھنڈا دھرم کا

مانیہ بپن چندر پال جی

کبھی وقت اگر ساری جاتی نے مل کر — کیا مجھ کو تسلیم بھارت کا راجا

تو سُن لے گی دُنیا کہ مسجد کے آگے — بجے گا دھڑلے سے دن رات باجا

دیونا سروپ بھائی پرمانند جی

مرے تاج کا سنتری بیل ہو گا — مرے راج کی منتری گائے ہو گی
چلیں گی جب اک ساتھ کوٹھوں سے اینٹیں — تو ہمراہ اُن کے مری رائے ہو گی
اذاں کی صدا کی جگہ مسجدوں میں
کہیں ہائے ہو گی کہیں وائے ہو گی

بھارت بھوشن شری سوامی شردھانند جی

بنا چکرورتی مہاراج اگر میں — تو پہلے کروں گا یگانوں کی شدھی
اچھوت اور مُسلمان سے ہو کے فارغ — مرا فرض ہو گا پٹھانوں کی شدھی
بڑھاپا مرا ایک دن دیکھ لے گا — عجم کے سجیلے جوانوں کی شدھی
مرے عہد کی آخری یاد ہو گی — حرم کے نئے پاسبانوں کی شدھی
نہ پھر بھی مرا میں تو یورپ میں جا کر
کروں گا مسیحی گھرانوں کی شدھی

کھری کھری باتیں

محو ہوئے معاش میں بھول گئے معاد کو
پیش نظر نہ رکھ سکے حشر ثمود و عاد کو

رازِ حیات قوم تھا مستتر اجتماع میں
قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

محو دلوں سے ہو گئی آیۂ لَا تَفَرَّقُوا
چھوڑ دیا ہے ہاتھ سے رشتۂ اعتضاد کو

حکمت نص وَلْتَكُنْ پر نہ کیا جنہوں نے غور
بیٹھ کے رو رہے ہیں آج فتنۂ ارتداد کو

کفر ہے دیں کی تاک میں اب تو مٹاؤ تفرقے
حیف ہے اب بھی راہ دو دل میں اگر عناد کو

حکم ہے راجپوت کو سامریانِ ہند کا
گائے کے آگے سر جھکا چھوڑ خدا کی یاد کو

مشعل دیں کی سمت میں چل نہ سکی ہزار سال
آج ہے کیوں یہ حوصلہ کفر کی تُند باد کو

ہاتھ میں لے کے سنگ و خشت بت شکن اور بت پرست
توڑ رہے ہیں ہند کے شیشۂ اتحاد کو

قوم جو ہو چلی تھی ایک کائی کی طرح پھٹ گئی
آج پہنچ گئے عدو اپنی دلی مراد کو

جلد اگر نہ اُس نے کی فتنہ گروں سے باز پرس
کھو کے رہے گی کانگرس مُلک کے اعتماد کو

فتنۂ ارتداد اور علمائے کرام

شکر ہے حجروں سے نکلے ہیں ہمارے پیشوا
تاکہ دُنیا میں بلند اسلام کا جھنڈا کریں

دھوئیں صدہا سال کے چپکے ہوئے داغِ جمود
ملتِ بیضا کا میلا پیرہن اُجلا کریں

کھینچ لایا تھا جسے ذوقِ عمل اجمیر تک
اپنے اندر وہ مقدّس جذبہ پھر پیدا کریں

زورِ حق سے قوتِ باطل کو پہنچا کر شکست
دیں کی رکھ لیں آبرو اور کفر کو رُسوا کریں

دعوت اور ارشاد سے توڑیں طلسمِ ارتداد
فتنۂ شُدھی کا جو اُٹھا ہے اُسے چلتا کریں

سینہ میں قرآں ہو اور ہو آنکھ کے تل میں جہاں
کوزہ کو دریا میں بھر دیں ذرّہ کو صحرا کریں

مَا طَغٰی کا لائیں کاجل چشمِ بینا کے لیے
وَالضُّحٰی سے دیدۂ بدبیں کو نابینا کریں

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ کے اک افسوں سے بدلیں رنگِ ہند
منظر ایسا ہو کہ بیٹھے مدعی دیکھا کریں

ہیں مبارک علمائے دیں کی یہ سرگرمیاں
جن سے ہے ملّت کی ذلّت لیکن اس کو کیا کریں

پڑ گئی ہے ہادیوں کے بیچ میں آ کر یہ بحث
پہلے ہم رہبر کو یا گمراہ کو سیدھا کریں

مسئلہ یہ ہے کہ پہلے اپنے گھر کی لیں خبر
سب کے سب یا مل کے شردھانند پر دھاوا کریں

مشرکوں کو جا کے سکھلائیں الوہیت کے بھید
یا شریکِ[1] خواجۂ یثرب کے راز افشا کریں

ہے مناسب اوّل اوّل نشرو توزیع فروغ
یا اصولِ اولیں کا اول استقصا کریں

ہو بریلی قاید اس تحریک کا یا دیوبند
اُس کو مانیں مقتدا یا اتباع اس کا کریں

عالمانِ دیں ہی جب ہنگامہ آرا ہوں بہم
اے مسلمانو! یہ بتلاؤ کہ اب ہم کیا کریں

---

[1] مثنیٰ غلام احمد آں جہانی متنبی قادیاں

ہیموں بقال کی فوج

سنگھٹن کے صدر دفتر میں بجا جس وقت سنکھ
گھس گئے چاروں طرف سے آ کے پانی پت میں جاٹ

جس کو دیکھا تھا وہ اِک موٹا سا لٹھ باندھے ہوئے
ہم تو یہ سمجھے تھے رکھ کر آئیں گے سر پر وہ کھاٹ

ڈٹ گئے آنکھیں بدل کر تعزیوں کے سامنے
گرچہ اُن کی منزلِ مقصود تھی جمنا کا گھاٹ

چاہتے یہ تھے کہ دھاوا بول دیں اسلام پر
کر دیا لیکن پولس نے سب کے سب کا ٹین باٹ

شہر کے بنیوں کو بھی خود اپنی اپنی پڑ گئی
ان کے کام اس ترنت کے وقت اینٹ ہی آئی نہ باٹ

ریت کے تودے سے بڑھ کر کچھ بھی ثابت نہ ہوئی
مالوی جی جس کو تھے سمجھے ہوئے لوہے کی لاٹ

---

۲۴ اگست ۱۹۲۵ء

گاندھی اور مالوی

اُدھر گاندھی ہمیں تلقین کرتے ہیں اہنسا کی
کہ مضمر ہے نجات اس مسئلہ میں ساری دُنیا کی

وہ اٹنا کی طرح گر شعلہ افشاں ہوں تو ہونے دو
مگر تم پیروی چھوڑو نہ خاموشی میں گنگا کی

تشدّد ہو تو دو اُن کو تحمّل سے جواب اس کا
کہ ہیبت یُوں ہی ٹل ہو سکے گی مارشل لاء کی

اسی حربے سے اُلٹا تھا مسیحیت نے رُوما کو
چلن سیزر کا چھوڑو عادتیں سیکھو مسیحا کی

اِدھر سنگھم سے اُٹھ کر مالوی اُپدیش دیتے ہیں
کہ مِٹ جائے گی جاتی گر نہ عامل ہو گی گیتا کی

ابھی تک نسل بابر حکمراں اِس دیس پر ہوتی
یہ اہنسا ہی کے بل پر زندگی کٹتی جو سانگا کی

تم اِک چانٹے کے بدلے چار چانٹوں کا کرو ساماں
یہی تہذیب ہے، در اصل کاشی اور متھرا کی

کمر میں گو بیاں پستول گھر سے باندھ کر نکلیں
تو اِندر لوک میں خوش آتما ہو گی کنہیّا کی

اگر ہتھیار بے لیسنس مل سکتے نہ ہوں تم کو
تو کر سکتے ہو اینٹوں سے مدارات اپنے اعدا کی

ہر اک چھوٹا بڑا اُس سُن کے یہ باتیں ہے دبدھا میں
عجب اس وقت حالت ہو رہی ہے پیر و برنا کی

مقلد مالوی جی کے ہوں یا پیرو ہوں گاندھی کے
سراسر آتشی بن جائیں یا ہوں سر بسر خاکی

شرارت کی جڑ

سب تیری سمٹی ہوئی دولت ہوئی غارت
بنتے ہی بگڑ کیوں گئی قسمت تیری بھارت

گاندھی کی بسائی ہوئی بستی ہوئی برباد
دو سال کی محنت ہوئی پل بھر میں اکارت

ہم ڈھونڈنے نکلے ہیں کھنڈر اس کے ثرای ہیں
تھی بامِ ثریا سے بھی اونچی جو عمارت

گرما گئے تھے جس سے ٹھٹھرتے ہوئے اعضا
باقی نہ رہی جسم کے اندر وہ حرارت

اُس خون کا اک قطرہ بھی دل میں نہیں موجود
جس سے دمِ شمشیر کی ہوتی تھی طہارت

رہ رو تو بہت ہیں مگر ایسا کوئی رہبر
ملتا نہیں رکھتا ہو جو آنکھوں میں بصارت

دہلیزِ حکومت پہ سرِ عجز جھکا کر
لینا بہت آساں ہے قلمدانِ وزارت

گرتے ہوؤں کو بھی کوئی تھامے یہ ہے دشوار
پیدا نہیں کرتا کوئی اِس فن میں مہارت

کیوں ہند کی تقدیر نے کھایا ہے یہ پلٹا
بوجھی گئی اب تک نہ کسی سے یہ بجھارت

مُسلم کی خطا ہے نہ یہودی ہی کی تقصیر
یہ سب ہے فقط ایک برہمن کی شرارت

مالوی جی کی یاد میں

دیکھ کے حال ملک کا آگئے یاد مالوی　　روحِ عنا د مالوی جانِ فساد مالوی

جن کو لقب دیا گیا پوجیہ پاد مالوی

تفرقہ کی زمین میں بغض کا بیج ڈال کر　　فتنہ کے کھیت کے لئے بن گئے کھاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

لاد کے اپنی پیٹھ پر حربہ سنگ و خشت کو　　مسلم خستہ سے چلے کرنے جہاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

کی ہے کھڑی مہا سبھا تاکہ ہو کانگرس تباہ　۔　مانگ رہے ہیں قوم سے کام کی داد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

دوست سے دوست ہے الگ بھائی سے بھائی ہے جدا　　ملک میں پھوٹ ڈال کر کیوں نہ ہوں شاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

نہرو دیدہ ور نے گر بات کوئی کھری کہی　　اس پہ وہیں برس پڑے کور سواد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

گائے کی دم ہلائیے ماش کی دال کھائیے　　ہم بھی کہیں پھر آپ کو پوجیہ پاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء

مالوی جی کا بھٹہ

حویلی بن چکی جب سنگٹھن کی
تو پہنچا مالوی جی کو بلاوا

کہ آکر ہندوؤں کی ٹھونکئے پیٹھ
اور اُن کو دیجئے بڑھ کر بڑھاوا

اب اس گھوڑے کی چھل بل دیکھ لیجے
دیا کرتے تھے جس کو آپ کاوا

کوئی تقریر گرما گرم کیجے
پہنچیے لے کے مندر میں چڑھاوا

کھڑی ہے وہ گھڑی سر پر کہ اک ساتھ
مسلمانوں پہ بولا جائے دھاوا

ہوئے ڈنٹر پیل کر تیار ہندو
بھری گنگا ہے کسرت کے علاوا

کہا یہ مالوی جی نے کہ پہلے
بناؤ ایک اینٹوں کا پژاوا

بہت ہی سخت اس کی کھوپری ہے
ہے اینٹ اسلام کے سر کا مداوا

بہت سی جمع کر لو گھر میں اینٹیں
چڑھا رکھا ہے میں نے بھی اک آوا

شدّھی کی برات

صنم خانہ میں صدیوں سے پڑا تھا قفلِ غزنی کا
پکار اُٹھا بنارس شدھی اس تالے کی ہے کُنجی

کرم کے نام پر دھوتی سنبھالی مالوی جی نے
دھرم کے نام پر لپٹے کے دَوڑے ڈاکٹر مُنجی

برات آئی ہے شُدھی کی مگر یہ کیا تماشا ہے
کہ نکٹا ہے سُسر لنگڑا ہے دولہا اور دُلہن لُنجی

مالوی جی اور ان کے سمدھی

مالوی جی گرچہ شدھی کے علم بردار ہیں
پاسیوں کے اور چماروں کے بڑے غم خوار ہیں

بھنگیوں کے ساتھ بھوجن چکھنے سے جن کو ہو عار
آپ ہو جاتے وہیں اس کے گلے کا ہار ہیں

دے چکے ہیں آپ کو درشن کنھیا اور کپل
آپ کی نظروں میں پرمیشر کے سب اوتار ہیں

آپ کو ان دیوتاؤں نے دیا ہے یہ پیام
خوش ہیں ہم ان سب سے جو کرتے دلت اُدّھار ہیں

الغرض اٹھے ہیں لے کر آپ جھنڈا "اوم" کا
منتظر جن کے حرم کے بھی در و دیوار ہیں

لیکن اپنے کنبہ والوں سے ہے الٹا ہی سلوک
اپنے سمدھی تک سے آپ آتے نظر بیزار ہیں

گوت سے باہر کیا داماد کیوں اُس نے پسند
اس خطا پر اُس کو دکھلانے لگے پیزار ہیں

مرتے دم سمدھن کی صورت تک نہ دیکھی آپ نے
آپ کی آنکھوں میں "کھٹول" اس کے ابھی تک خار ہیں

اُس کی ارتھی لے کے جو شمشان بھومی تک گیا
برہمن بھی تھا تو اس سے جنگ کو تیار ہیں

کیا یہی وہ سنگٹھن ہے جس کا چپو تھام کر
مالوی کرنے چلے جاتی کا بیڑا پار ہیں

اس دھرم سے کیا ڈریں گی رحمتیں اسلام کی
جس کے گھر میں لعنتوں کے اس قدر انبار ہیں

لٹھ اور طمنچہ

وہ چھاؤنی چھائی تھی جو اسلام نے ٹل پر
پھلنے کو ہے اک روز مہاجروں کے دل پر

اس خطرے سے ہیں لرزہ براندام وہ بچھڑے
جو کودتے ہیں مالوی کے کھونٹے کے بل پہ

کہتے ہیں کہ اسلامیوں کو بیس کے رکھ دو
ہو آج ہی یہ کام نہ چھوڑو اسے کل پہ

جو بوئیں گے کاٹیں گے نظر کاش وہ ڈالیں
اس گنبد گردوں میں مکافات عمل پہ

کہہ دو انہیں اللہ کے گھر والوں کو کیا خوف
اس قوم سے شیدا ہو جو لات اور ہبل پر

لٹھ باندھ کے موبخے نکل آئے ہیں تو ہم بھی
آتے ہیں طمنچہ کو چڑھائے ہوئے کل پر

خطابِ چہارگانہ

۱. ملکانوں سے

ترک کر تقلیدِ آبا ابنِ خلیلؑ اور بت کو توڑ
ماسوا کو چھوڑ رب العالمیں سے رشتہ جوڑ

یاد کر بھولا ہوا والرجز فاھجر کا سبق
شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

اُس نبیؐ کا تھام لے دامن جو ہے ختمِ رُسل
جس کی رحمت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ

چشمۂ دینِ محمد خشک ہو سکتا نہیں
اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

(۲) مذبذبین سے

جا رہا ہے خود حرم کو ناقۂ منزل شناس
سارباں پڑ کر تذبذب میں مہار اُس کی نہ موڑ

(۳) پرستارانِ موالات سے

ووٹ لے کونسل میں جا کرسی پہ ڈٹ تقریر کر
اور وہی برسوں کی دُہرائی ہوئی ہڈی چچوڑ

(۴) سوامی جی سے

یہ چٹان اسلام کی ہے اس سے ٹکراتا ہے کیوں
اپنے سر پر رحم کر پتھر سے اپنا سر نہ پھوڑ

ہند میں توحید کا جھنڈا نہ ہوگا سرنگوں
خواہ تیرا ساتھ دیں بھارت کے بت ستر کروڑ

لالہ کی مہک

"پرتاپ" کی اِس تُک بندی کے جواب میں کہ

پنجاب کی ہوا ہی سراسر گئی بدل — کچلو نئے نئے ہیں ظفر خاں نئے نئے

بھارت میں کھل گئے ہیں دبستاں نئے نئے — جن سے نکل رہے ہیں زباں داں نئے نئے
شدھی و سنگٹھن ہیں مضامیں کی سُرخیاں — آرائشِ کلام ہیں عنواں نئے نئے
دہلی میں "تیج" ہے تو ہے لاہور میں "ملاپ" — پیدا ہوئے ہیں دشمنِ ایماں نئے نئے
"پرتاپ" کا دماغ ہے اور ناز کا قلم — پھر کیوں تراشے جائیں نہ بہتاں نئے نئے
ہندوستاں کے باغ کے مالی ہیں مالوی — ویرانیٔ چمن کے ہیں ساماں نئے نئے
ہیں لاجپت کہیں تو کہیں لالہ ہردیال — ہیں قصدِ اتحاد کے درباں نئے نئے
"ہندو" ہے اس طرف تو اُدھر "بندے ماترم" — ہیں آندھیاں نئی نئی طوفاں نئے نئے
اسلام اپنے کاسۂ سر کی منائے خیر — باندھے ہیں خشت و سنگ نے پیماں نئے نئے
صبحِ وطن میں شامِ غریباں کی ہے نمود — لائی ہے رنگ گردشِ دوراں نئے نئے

تُک سے بھی تُک ملانے کا جن کو نہیں شعور
شاعر نئے نئے ہیں غزل خواں نئے نئے

ہاتھی کے دانت

سوامی شردہانند کے قتل نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو خوفناک کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ اُسے دُور کرنے کا دعوےٰ کرتے ہُوئے پنڈت مدن موہن مالوی اور لالہ لاجپت رائے نے ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو اہلِ ہند کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا۔

> ہم ہندوستان بھر کے اخبارات بالخصوص لاہور اور دہلی کے ہندو اخبار نویسوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ سوامی شردہانند جی کے قتل کے متعلق رائے زنی کرنے میں نہایت ضبط اور بردباری سے کام لیں اور چند دن تک اس واقعہ کی سرکاری تفتیش کی نسبت کامل خاموشی اختیار کریں۔

اس ہدایت کی تعمیل "ملاپ" نے اپنی ۸ جنوری کی اشاعت میں یُوں کی :-

> آؤ اے ہندو بھائیو! جہاں ہم نے شری سوامی شردہانند جی کا ماتم منایا ہے وہاں ہم اس امر کی کوشش کریں۔ کہ جس سے اُن دشمنوں کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں۔ جنہوں نے شری سوامی شردہانند جی کو شہید کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ اُنہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے سرگردہ رہنما کو مار لیا ہے۔ مخالفوں نے ریوالوروں اور پستولوں کے رُوپ میں صاف اور واضح چیلنج دے دیا ہے۔ اب ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم اس چیلنج کو بے پروائی سے ٹھکراتے ہُوئے مستانہ وار

آگے بڑھتے جائیں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اپنے جملہ گمراہ بھائیوں کو شدھی کا امرت اور آبِ حیات نہ پلا لیں۔

لالہ لاجپت رائے کے اخبار "بندے ماترم" میں ۲۱ جنوری والی ہدایت پر یوں عمل کیا گیا۔

کون کہتا ہے سوامی مر گئے ہرگز نہیں!
موت کے پردہ میں مرنا اک بہانہ ہو گیا

ورنہ کرنے کے لئے شدھی گئے افلاک پر
اہلِ جنّت کی بھی شدھی کا بہانہ ہو گیا

جنّت الفردوس میں شدھی کی لہریں دیکھیو
کھل گیا رستہ ادھر کا آنا جانا ہو گیا

چرخِ ہفتم پر بھی آخر گڑ گئے شدھی کے کیمپ
واں بھی استادہ ہمارا شامیانہ ہو گیا

نت نئی ہو کر مرتب جائے گی شدھی کی فوج
قافلہ سالار پہلے ہی روانہ ہو گیا

عاصی جنّت والے بھی ہندو بنائے جائیں گے
سوامی شردھانند کا واں بھی گھرانہ ہو گیا

اس دل آزار اور جگر خراش خرافات سے متاثر ہو کر اشعار ذیل سپردِ قلم کئے گئے۔

کوئی مالوی جی سے جا کر یہ کہہ دے
ستائے ہوؤں کو اگر تم نے چھیڑا

تو نکلے گا بے اختیار اُن کے منہ سے
کرو غرق گنگا میں شدھی کا بیڑا

انہیں پائیں گے بورکے آپ لڈو
جنہیں آپ سمجھے ہیں متھرا کا پیڑا

سلاؤ گے جاتی کی چولی کو کس سے
اگر ہم نے ایک ایک ٹانکا ادھیڑا

کدال ایک لائیں گے اچھی سی ہم بھی
گڑا کوئی مردہ جو تم نے اکھیڑا

جہانگیرئی دینِ برحق کی زد سے
بچے گا نہ بھارت کا کوئی بھی کھیڑا

ہیں ہم تم سے خوش اور ہمارا خدا خوش
اگر چھوڑ دو سنگٹھن کا بکھیڑا

۸ ؍ جنوری ۱۹۲۷ء

جانِ بُل کا حشر

لگا جب سنکھ بجنے سنگٹھن کا
پھٹے جب کان اس کے شور و غل سے

تو ایوانِ حکومت میں پہنچ کر
کہا بدھو میاں نے جان بل سے

مری اک عرض سن لو بندہ پرور
اگر فرصت ہو تم کو جام مل سے

جسے تم بھیڑیں سمجھے ہے دیپک
نہ تم کو بھی کہیں تا ان اس کی جھلسے

کریں گے مالوی جی تم کو محروم
کسی دن اختیار جزو کل سے

پکڑ کر کان شردھا نند جی پھر
گزاریں گے تمہیں شدھی کے پل سے

لہکتا دیکھ لو گے لالہ کا باغ
جو پھولے گا تمہاری فصل گل سے

ہمیں تو کچھ نہ کچھ پھر بھی ہے امید
نزولِ رحمتِ ختمِ رسل سے

مگر تم ان مہابیروں کے ہاتھوں
بچو گے کس طرح اور کس سبل سے

لاہور میں مہاراناصر اللہ خاں مبلغ اسلام کا ورود مسعود

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا

کاٹھیاواڑی نسیم آئی گل و نسریں بدوش
رات کو پنجاب کے صحن چمن کے سامنے

سجدہ میں سر ہے مسلمانوں کا اس احسان پر
درگہ پروردگار ذوالمنن کے سامنے

بج رہے ہیں شادیانے جآءَ نصرُ اللہ کے
صبح سے اسلامیوں کی انجمن کے سامنے

ہاتھ سے جاتا رہا بلوان ناہر سنگھ سا
جائے کیا منہ لے کے شدھی سنگٹھن کے سامنے

سارنگ جاتی" آ کے نصر اللہ خاں کو دیکھ لے
آفتاب آیا ہے پروین و پرن کے سامنے

پانچ لاکھ اسلام کے شیدائیوں کی گردنیں
جھک گئیں اسلاف کی رسم کہن کے سامنے

آج کے دن راجپوتوں نے کیا ہے سرخرو
ملت بیضا کو ہر کالی چرن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ کٹ کر خوف قید و بند سے
جا ہیں مینڈ وال کے پرستار اہرمن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہوں تکبیر کے نعرے بلند
بت کدوں کی راہ پر دار و رسن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہر دل میں ہو رعب اسلام کا
خس بدنداں کفر ہو دین حسن کے سامنے

دیکھنا اس روز جاتی کی پریشانی کا حال
بال جب کھولے گی شدھی سنگٹھن کے سامنے

کیا تماشا ہے کہ نکلے گو کلی با شتیبے
پیشر بی دنگل کے گرو بیلدن کے سامنے

چیز ہی کیا ہیں تبانِ ہردوار و سومنات
غازیوں کے بازوِ خیبر شکن کے سامنے

دیدۂ خفاش باطل کا ٹھہرنا ہے محال
آفتابِ حق کی چمکیلی کرن کے سامنے

اینٹھتے تھے مالوی جی ہاش کے آٹے کی طرح
سب اکڑ فوں گم ہوئی پہنچے جو رن کے سامنے

گائے کی دُم تھام کر تالاب پار اترے تو کیا
لطف جب ہے ہفت قلزم ہوں ملن کے سامنے

"اوم" کا جھنڈا حرم پر گاڑنا آساں نہیں
شہسوارِ نجد جیسے تیغ زن کے سامنے

لالہ لہکا تھا مگر جمتا کہاں تک اُس کا رنگ
سُرخیِ خونِ شہادت کی پھبن کے سامنے

برہمن کی ہوشیاری کی لنگوٹی کھل گئی
شیخ کے بے تہہ دیوانہ پن کے سامنے

آ ملے ہم سے اگر دو چار ناہر سنگھ اور
زمزم اُبلے گا اسی گنگ و جمن کے سامنے

---

۱۰ اپریل ۱۹۲۷ء

حُدی را تیز تر برخواں چو محمل را گراں بینی

ناداں ہیں جو کرتے ہیں بھروسا رفتار پر
تکیہ وہی اچھا ہے جو ہو اپنے خدا پر

راضی ہو ہر اک حال میں مولا کی رضا سے
رکھ اپنی نظر شیوۂ شاہِ دوسرا پر

محمل جو گراں ہو تو بڑھا شورِ حُدی کا
ہو نغمہ جو کم ذوق تو دے زورِ نوا پر

مروہ پہ نہیں آنکھ میں رہتی ہے مروّت
باطن ہی نہ ہو صاف تو کیوں جائیں صفا پر

کچھ تو نے سنا بھی ہے کہ کیا ہند میں گزری
اندور کی بستی کے اسیرانِ بلا پر

کل بانگِ اذاں دب گئی ناقوس کی لے میں
اُڑتی سی یہ آئی ہے خبر دوشِ صبا پر

وہ سر جو جھکا تھا کبھی اللہ کے آگے
رکھا ہوا ہے کفر کے نقشِ کفِ پا پر

ناموسِ شریعت کے لہو کی ہیں یہ بوندیں
چو تکمہ نہیں لعل کا شدھی کی قبا پر

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
چلتا نہیں کچھ زورِ تدبیر بہ قضا پر

مل سکتی تھی جس سے خبرِ منزلِ مقصود
ہے کوئی دھرے کان جو اس بانگِ درا پر

ہے کوئی کلیجے کو جو تھامے ہوئے نکلے
اِسلام کے آفت زدہ بچوں کی صدا پر

رحمت کی گھٹا جھوم کے پھر کوئی اِدھر آئے
رہ رہ کے نگہ اُٹھتی ہے یثرب کی فضا پر

۱۷/اپریل ۱۹۲۷ء

اِسلام کا بے باک بیڑا

کُنبھ کی گنگا جمنی گاگر رنگا رنگی ساگر ہے
ہر نر ناری کے ننگے بدن پر جس کے ٹڑ پڑے پڑتے ہیں

جانی کے نازک ہاتھ کے صدقے! جس کی حنائی شوخی سے
شیخ کے مُنہ پر دل کے لبھانے والے تھپیڑے پڑتے ہیں

مولویوں کو نان جویں بھی کعبہ میں ہو کر مل نہ سکی
مالویوں کے حصّہ میں ہر کی پوڑی کے پیڑے پڑتے ہیں

سنگھٹن اور شُدھی کا جھمیلا یہ نہ سمجھیے ختم ہُوا
اور ابھی اس میں دیکھتے رہیے کتنے بکھیڑے پڑتے ہیں

رات ہے کالی دُور ہے منزل ساتھ ہی یاروں کو ہے یہ خوف
رستہ میں ڈاکے ڈالنے والے بیسیوں کھیڑے پڑتے ہیں

مُطّلبی ہمت ہو کھویّا ہاشمی غیرت لنگر ہو
یثربیوں کے یوں ہی نہیں منجدھار میں بیڑے پڑتے ہیں

۲۹ر اپریل ۱۹۲۷ء

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

سُنا بھی تم نے اے اسلام والو
کہ حال اس وقت ہے اسلام کا کیا
دباتا جا رہا ہے حق کو باطل
بدلتا آسماں ہے رنگ کیا کیا

جہاں دیکھو وہاں بس بو رہے ہیں
پجاری کیا اور ان کے دیوتا کیا

خدا کا ڈر ہی دل سے اٹھ گیا جب
نہیں کہہ دو کہ پھر باقی رہا کیا
حکومت ہے نہ حکمت ہے نہ دولت
پھر ایسی زندگانی کا مزا کیا
ہم اپنے آپ دشمن ہو رہے ہیں
ہے اس میں مالوی جی کی خطا کیا

جہاں ہوں ہر طرف رہزن ہی رہزن
وہ منزل کیا اور اس کا قافلہ کیا

بہت ہیں ہندوؤں کے ووٹ بڑھ جائیں
سوا اس کے ہے شدھی میں دھرا کیا
مسلماں ہو گئے دس بیس مرتد
تو اے حق کے پرستارو ہوا کیا
یہ شدھی کیا اور اس کی کیا حقیقت
یہ پدی کیا اور اس کا شوربا کیا

جنہیں جگنو پہ سورج کا گماں ہو　　اُن اوندھی عقل والوں سے گلہ کیا
ادھر سے ہم چلے ڈھیلے ادھر سے　　تمہارے سنگٹھن کا پوچھنا کیا

بڑوں کی جان کو رویا اگر میں
تو بتلاؤ برا میں نے کیا کیا

ہماری راکھ اب بھی ہے شرر خیز　　کرے دے گی اسے ہندو سبھا کیا
بجھا دیں جس کو کافر مار کر پھونک　　حرم کے طاقچہ کا وہ دیا کیا

ہجومِ کفر سے کیا خوف ہم کو
نہیں آقا ہمارے مصطفےٰ کیا؟

---

۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء

اِسلام کی بجلی اور شدھی کا خرمن

چریں گے کن علف زاروں میں اب اسلام کے گلّے
کہ بھریں کفر کے ڈھوروں نے بھارت کی چراگاہیں

اجازت مل گئی ہے آریوں کو مالوی جی سے
کہ حلقہ ڈال دیں شدھی کا جس کے کان میں چاہیں

کسی عورت کو بہکایا کسی بچّے کو پھسلایا
دھرم ارتھ اُن کو ملتی ہے اسی مطلب کی تنخواہیں

کہیں فقر اور ناداری کہیں جہل اور ہوسناکی
حرم کے روزنوں نے بت کدے کی کھولیں راہیں

ہر اک مسجد پہ جھنڈا اوم کا لہرانے والا ہے
ہر اک مندر میں ہیں گرم ان لوں ایسی ہی افواہیں

گریں گی بجلیاں اِن سارے منصوبوں کے خرمن پر
اگر اُبھریں یکایک سینہ سے اسلام کی آہیں

لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۲۷ء

شدھی کی آنکھ اور سنگھٹن کا ہاتھ

ایں شوخیٔ چشمش ببیں واں دستِ بے باکش نگر

صدا کل شب یہ اٹھی مالوی جی کی حویلی سے
تمہاری آبرو کا بھاؤ پانی سے بھی سستا ہے

دبائی جائے گی دکھتی ہوئی رگ حق پرستوں کی
بغل میں سنگھٹن دابے ہوئے شدھی کا بستا ہے

ستائش کر رہیں سیواجی کے بابائے خلافت بھی
جسے سمجھے ہیں راہِ کعبہ وہ پوجا کا رستہ ہے

گروکل مبتدا ہے اور خبر لاہور ہے اس کی
ادھر بجلی چمکتی ہے ادھر بادل برستا ہے

پڑا ہے سنگھٹن سے اور شدھی سے ہمیں پالا
ادھر اس بھڑ نے کاٹا ہے ادھر وہ ناگ ڈستا ہے

ہماری آبرو کا خون ہے کاشی کی گردن پر
اور اس کے قتل پر پٹنہ کمر رہ رہ کے کستا ہے

۱۳ر مئی سنہ ۱۹۲۶ء

شُدّھی کی قاتلانہ دھمکیاں

اسلام کا جواب

ہو جائے کہیں بھی کوئی مظلوم اگر قتل
سمجھو کہ ہوئی ساتھ ہی سب نوعِ بشر قتل

شدھی کے مہابیر یہ لائے ہیں سندیسہ
اک دن وہ کرے گی مجھے آکر مرے گھر قتل

اے کفر کے خنجر نکل آ اپنی کمیں سے
ہر وقت میں حاضر ہوں مجھے شوق سے کر قتل

میری بھی پیمبرؐ کی طرح ہے یہ تمنا
ہوتا رہوں رہ رہ کے اُدھر زندہ اِدھر قتل

دنیا میں مسلمان کی یہی تو ہے نشانی
اللہ کے رستے میں ہو بے خوف و خطر قتل

کٹواتے ہو کیوں سر کو زمین و زر و زن پر
ہونا ہے تو ہو نام خداوندی پر قتل

پیغام دیا ہے یہ حسینؑ ابن علیؓ نے
اتنا ہے بس زندگی اسلام میں ہے قتل

بھارت کی فضا گونجے گی "اسلام کی جے" سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

سلسبیل کی چند بوندیں

۴ جون ۱۹۲۷ء کی صبح کو میں ڈلہوزی جانے والا تھا۔ رات کے بارہ بجے تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔ ملک لال دین قیصر بھی آئے۔ اور چند اشعار کی فرمایش کی جو چند منٹ میں لکھوا دیئے گئے۔ وہ اشعار یہ ہیں :-

مٹی کی جون میں تحویل ہوئی جاتی ہے
جسم کیا روح بھی تحلیل ہوئی جاتی ہے

میر عثمان علی خاں نے بجائی تھی جو کھیر
دیکھتے دیکھتے انبیل ہوئی جاتی ہے

بہ زر و زور بہ زاری و بہ زن شدھی بھی
عمر عیار کی زنبیل ہوئی جاتی ہے

منجی و مالوی نے گانٹھے تھے جو منصوبے
اُن کی لاہور میں تکمیل ہوئی جاتی ہے

لاجپت رائے کو ہم نے بہ حقارت دیکھا
آج شہباز وہی چیل ہوئی جاتی ہے

راجپال آج عدالت سے ہوا صاف بری
شرع اسلام کی تذلیل ہوئی جاتی ہے

ابرہہ لکھنؤ والے ہوئے جاتے ہیں اگر
دولت نجد ابابیل ہوئی جاتی ہے

کبھی گوکل میں بجی تھی جو دل آرا مُرلی
وہی اب صورِ سرافیل ہوئی جاتی ہے

بھائی سے بھائی جدا دست سے ہے دست الگ
فطرت اسلام کی تبدیل ہوئی جاتی ہے

ہونے والا ہے پھر اسلام کا خورشید طلوع
سنگٹھن گل تری قندیل ہوئی جاتی ہے

مجھ سے قیصر نے کہا تھا کہ کہو کچھ اشعار
اُن کے ارشاد کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

۳ جون ۱۹۲۷ء

لے با اصلاح دکن جوار کا دلیا

حریفوں سے دو(۲) دو(۲) باتیں

جن سے مقابلہ ہے وہ ہیں نام کے حریف
میداں میں اب تک آ نہ سکے کام کے حریف

"پرتاپ" اور ملاپ کو ہم کیا جواب دیں
ہم ہیں حریف بذلہ وہ دشنام کے حریف

دشمن ہیں وہ خدا کے اور اس کے رسول کے
اور ہم ہیں ہردوار کے اصنام کے حریف

کوٹھوں پہ چڑھ کے پھینک لیں اینٹیں تو کیا ہوا
جب ہے مزا کہ رن میں ہوں صمصام کے حریف

وہ اور کوئی ہوں گے جنہیں "بندے ماترم"
تبلا رہا ہے لالہ منی رام کے حریف

تھا بھاؤ ایک ساغر مل کا خراج ہند
اگلے سے اب کہاں وہ مے و جام کے حریف

ہم کو بھی شکوہ ہے کہ مسلمان کیوں ہوئے
شدھی کے آفتاب لبِ بام کے حریف

تاروں کو رکھ کے دیکھ لیں سورج کے سامنے
ہیں برتر از شمار اگر اسلام کے حریف

---

۲ جون سنہ ۱۹۲۷ء

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

نظر آتے ہیں اب تک بھی مسلمانوں کی محفل میں
کہیں شاعر کہیں بھڑوے کہیں بھانڈ اور کہیں رنڈی

حریف گرم رو گوکل سے چڑھ دوڑا مدینے پر
مگر ان کے لئے ہے بانوبی یا سرک ٹھنڈی

خدا ان کی آنکھیں مولوی احمد علی کھولیں
دکھا دیں سنگھٹن کی اُن کو لہراتی ہوئی جھنڈی

پھر اُن کو لے چلیں شدھی کے بنبو کی دکانوں پر
چلن جن کا ہے سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

خبیثین اور خبیثات آج کل ہیں خوب زوروں پر
اگر ہے سنگھٹن سنڈا تو شدھی بھی ہے مشٹنڈی

جنہیں لینی ہو گالی لے لیں "پرتاپ" ایک آنے میں
کہ سستا کر چکی ہے بھاؤ اپنا کفر کی منڈی

خدا محفوظ رکھے اِن دیانندی حریفوں سے
قیامت کی ہے چال ان کی ملا کے ہیں یہ پاکھنڈی

ہر اک بھومی کی مٹی میں جدا تاثیر ہوتی ہے
ملا ہندو کو کاشی اور ملی سکھوں کو تلونڈی!

---

۱۰ / جون سنہ ۱۹۲۷ء

ناموسِ نبیؐ

عزت کا تاج کفر کے سر سے اتار کر
ناموسِ خواجۂ دوسرا پر نثار کر

کب تک فضائے غیب کی صرصر کا انتظار
اس کفر کے دیئے کو بجھا پھونک مار کر

جب تک نہیں ہے قوتِ بازو پر اعتماد
بھولے سے بھی نہ غاوی پہ اعتبار کر

کشتی کو تاکتا ہے بھنور دھردوار کا
خود بن کے ناخدا اسے گنگا کے پار کر

عشقِ رسولؐ خوفِ جہاں سے ہے بے نیاز
خاطر میں لا رسن کو نہ پروائے دار کر

قرآں جو سینہ میں تھا سفینہ میں رہ گیا
خود تو نے اپنا کام بگاڑا سنوار کر

کسریٰ کا تخت جس نے پلوں میں الٹ دیا
اٹھ اپنے دل میں پھر وہی جذبہ ابھار کر

اجڑے ہوئے چمن سے خزاں کو نکال دے
سامانِ خیر مقدمِ فصلِ بہار کر

باطل سے تجھ کو لاگ ہو اور حق سے ہو لگاؤ
وضعِ محمدِ عربی اختیار کر

آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں
تھوڑا سا اور صبر دلِ بے قرار کر

تو نے زمین والوں کے احکام سن لئے
اب آسمان کے فیصلہ کا انتظار کر

بخشا گیا کسی کو متن اور کسی کو بیعت
دینے ہیں ڈال [illegible] بہار کر

اسلام کفر سے نہ دبا ہے نہ دب سکے
کہہ دو یہ سنگٹھن کی سبھا میں پکار کر

۔ اگست ۱۹۲۶ء

سودائے خام

ہوا ہے جذبہ پیدا سنگھٹنیوں میں حکومت کا
مگر سمجھے نہیں اب تک وہ اس جذبہ کی خامی کو

اڑا سکتے نہیں جو ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی
نکالیں گے وہ بت کس طرح توپوں والے ٹامی کو

جھکائی جس نے گردن اپنی غیر اللہ کے آگے
مسلط کر دیا اللہ نے اس پر غلامی کو

فقط اتنا ہی آزادی پہ حق ہندو سبھا کا ہے
کہ رو رو کر کرا دے قید دہلی کے نظامی کو

تمام اس ملک میں ہو کر رہے گا نور حق اک دن
مگر تو لائے گا حجت میں اپنی ناتمامی کو

مسلمانوں سے پوچھو ہندوؤں سے پوچھتے کیا ہو
مری شیوا بیانی کو مری شیریں کلامی کو

---

۲۷ اگست ۱۹۲۶ء

تاجدارِ دکن کو سنگھٹن کی دھمکی

اٹھا ہے سنگھٹن کی فضا سے یہ غل نیا
شدھی سے دشمنی ہے حضور نظام کو

حد سے گذر رہا ہے تعصب حضور کا
بٹہ لگا رہے ہیں حکومت کے نام کو

باقی بچا جو ہاتھ سے اورنگ زیب کے
گن گن کے لے رہے ہیں وہ اس انتقام کو

مانا کہ مجتنب ہیں "وہ عجل جنید" سے
خوانِ خلیل میں ہے شرف جس طعام کو

اور حلقۂ ہنود میں کچھ دیر کے لئے
تسکین ہو گئی جذبات عوام کو

لیکن یہ کیا کہ گوشِ دکن تک ہمارے لوگ
پہنچا سکیں نہ اپنے دھرم کے پیام کو

انصاف کیا یہی ہے کہ خود توشۂ دکن
رغبت دلائیں دین کی ہر خاص و عام کو

دے کرے طہور کی ہر شخص کو صلا
کرتے ہوں پیش روضۂ دارالسلام کو

اور ہم کریں کسی کی بھی شدھی اگر تو آپ
بھیجیں یہ حکم اپنے مدارالمہام کو

قارورہ گائے کا نہ پئے کوئی حق پرست
اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے رام کو

ہونے نہ پائے کوئی مسلمان آریہ
چھوٹے جو دین تیغ بھی چھوڑے نیام کو

ان سب خرابیوں کا یہی توڑ ہے کہ ہم
پہلے کریں درست خود اپنے قوام کو

ہو جائے سنگھٹن جو ہمارا تو اس طرح — آقا کبھی نہ گھور سکے گا غلام کو
تھا خامشی جواب اس الزام کا مگر — کب مانتا ہے خامہ مری روک تھام کو
کیوں باغباں کرے نہ حفاظت طیور کی — صیاد لے کے باغ اگر جائے دام کو
جو ہیں خدا پرست ہوں کیوں سامری پرست — کیوں چھوڑ دیں شریعت خیر الانام کو
گوبر ملے دہی کو مسلمان کھائیں کیوں — کیوں کر حلال ہیں وہ ملادیں حرام کو
کیا حق ہے آریوں کو کہ قارورہ کر کے پیش — اِسلامیوں سے چھین لیں کوثر کے جام کو
کیا حق ہے کفر کا کہ خلیع العذار ہو — روکے نہ کوئی اس فرسِ بدلگام کو
یہ ہرزہ خواں گروہ عجب بدتمیز ہے — پہچانتا نہیں ہے ادب کے مقام کو
یہ لوگ آج بادشہوں پر ہیں حرف گیر — کل تک نہ پوچھتے تھے جنہیں ہم چدام کو
بے سود ہیں یہ سنگھٹنی بھبکیاں تمام — اس سے کوئی ڈرا نہیں سکتا نظام کو

ہرگز کبھی پہنچ نہیں سکتا کوئی گزند!
غوغائے سگ سے جلوۂ ماہِ تمام کو

موتمر شملہ کی گفت و شنید کا انجام

سنگٹھنیے فیصلہ کر ہی کے اٹھے جنگ کا
چل گیا شملہ میں جادو ڈاکٹر نارنگ کا

گائے اور باجے پہ ہے موقوف اس کی صلح و جنگ
پوچھنا کیا ہند کی تقدیر رنگا رنگ کا

بھر دیئے جاتی کے گھر میں ڈاکٹر منجی نے لٹھ
مالوی جی نے لگایا ڈھیر خشت و سنگ کا

اس کے غل اور شور میں دب جائے گلبانگ اذاں
ہے یہ مقصد کفر کے ساز بلند آہنگ کا

بانبیوں سے جھٹ نکل آئے سبھی سرت کوڑیے
بین کی جھنکار سے گونجا جو ساحل گنگ کا

پرش سارے ہوں بجبیت اور اُن کی استریاں لٹھیت
دیس ہوگا جب کہیں ہندو سبھا کے ڈھنگ کا

آریوں کی طرح اپنوں سے بھی رکھنی ہو جو ضد
ہم نشیں تو بھی چڑھا جا اک پیالہ بھنگ کا

ناچتے ہیں جو مسلماں ہندوؤں کے تال پر
دل خراش و جاں ستاں ہے نغمہ ان کے چنگ کا

لالہ جی یورپ گئے اور لیتے آئے ارمغاں
افترا ہائے صریح اور عذر ہائے لنگ کا

نخوت گلچھر اگر لندن کو ارزانی ہوئی
یاد ہے کاشی کو بھی ڈھب لائڈ اور نگ کا

ہم بھی دے سکتے تھے لٹھی اور ملونی گالیاں
پاس اگر ہم کو نہ ہوتا اپنے نام و ننگ کا

صفحہ صفحہ میں ہیں مالی کی نگار آرائیاں
نقطہ نقطہ میرے خامہ کا ہے نقش ارژنگ کا

۴ نومبر ۱۹۳۲ء

اِسلام کا کوکبۂ خسروی

آنکھوں کے سامنے ہیں غلامی کی لعنتیں
ہیں آج لومڑی وہ جو کل تک تھے شیر مرد

لیکن خزاں کے بعد عمل ہے بہار کا
پھر سبز ہو رہے ہیں درختوں کے برگ زرد

اٹھا ہے پھر حرارت اسلام کا اُبال
اُس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر سے جو سرد

بندھنے کو روزگار میں ہے سامیوں کی دھاک
اڑنے کو ہر دوار میں ہے آریوں کی گرد

گر ہے سفر وسیلہ ظفر کا تو ھم نشیں
گرم سفر ہیں جادۂ یثرب کے رہ نورد

اختلاف

پردہ داران پردہ در

دین کی شوکت گھٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
کفر کی عزّت بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیتے ہیں ترجیح ہم قرآں پہ ژندا وست کو
اپنی ہستی کو مٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

آنریبل[1] ہو کر اور سرکار سے لے کر خطاب
منہ شریعت کا چڑانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

مغربی لے میں نوا آموزی ابلیس سے
مشرقی بیڑے کا گانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تار و پود اسلام کا ہم نے بکھیرا آپ ہی
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

۷ر جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

[1] مرزا عباس علی بیگ ممبر انڈیا کونسل

آئیں بائیں شائیں

پیسہ اخبار مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے جواب میں

بلقانیوں کا شور ہے کووں کی کائیں کائیں
خبریں ہیں اُن کی فتح کی سب آئیں بائیں شائیں

ہوتا ہے کوئی دم میں جلالِ حق آشکار
یہ کشتگانِ غمزۂ ابلیس رہ تو جائیں

ڈالا زمیں میں ظلم سے یورپ نے زلزلہ
مسلم دعا سے پایۂ عرشِ بریں ہلائیں

ریوٹر نے اہلِ یاس کا ایماں لیا خرید
ہم کس لئے نہ سکۂ لَا تَقْنَطُوْا چلائیں

ہیں بند سب کے سب قفسِ احتساب میں
خبریں کہاں سے نامہ نگارانِ جنگ لائیں

اس پر بھی تُک سے تُک وہ ملاتے رہے اگر
ہم آرہ انتقاد کا اُن پر نہ کیوں چلائیں

نہلائے گا غنیم کی فوجوں کو خون میں
بلغاریہ نے ترک کی دیکھی نہیں ادائیں

اِک ہم قلم کو غصہ ہے اس بات پر بہت
سوجھیں نہ جو انہیں ہمیں باتیں وہ سوجھ جائیں

اصرار ہے انہیں کہ ہو دے "ڈیلی ٹیلی گراف"
وہ گالیاں ضرور ہی ہم ان کی طرح کھائیں

ریوٹر بھی فتحِ ترک کی دے گر کوئی خبر
ہم اس خبر کی شان کو اُن کی طرح گھٹائیں

قاصر ہیں گر اس سے تو ڈر ہے اُنہیں کہ ہم
تیورا کے بامِ قصرِ ثقاہت سے گر نہ جائیں

زمیندار ۱۸ نومبر ۱۹۱۲ء

امامِ بے تیغ

وہ صبح صبح نہیں ہے وہ شام شام نہیں
بلائے تازہ کا جولا رہی پیام نہیں

کھنچی ہوئی ہے ملیبار میں مہینوں سے
وہ تیغ اب بھی جو شرمندۂ نیام نہیں

کسی کو دار پہ کھینچا کسی کو ذبح کیا
یہ اور کیا ہے ہمارا جو قتل عام نہیں

بوقت ذبح وہ بسمل سے کہتے جاتے ہیں
یہ انتظامِ حکومت ہے انتقام نہیں

گریز ابھی سے کہاں ہوا بھی تو ہے تشبیب
قصیدہ اُن کی جفا کا ہوا تمام نہیں

وہ کون ہے جو نہیں آج کل اسیرِ فرنگ
سی-آر-داس نہیں یا ابوالکلام نہیں

تمام ملک ہے جکڑا ہوا شکنجے میں
پھر اس پہ کہتے ہیں ہندوستاں غلام نہیں

بحسرت اس پہ کہا ایک دوست نے مجھ سے
کہ اس گروہ میں شامل حسن امام نہیں

کسی سے جب کہ وہ رندی میں کم نہیں ہیں تو کیوں
شکست توبہ میں سرگرم اہتمام نہیں

وکیل بھی ہیں تو ننکانہ کے مہنت کے ہیں
یہ اُن کے واسطے کیا شرم کا مقام نہیں

اگر حرام موالات مجھ غریب پہ ہے
تو ایسے چوٹی کے لیڈر پہ کیوں حرام نہیں

کہا یہ دوست سے میں نے وہ مرغِ دانا ہیں
حریص دانہ ہیں لیکن حریص دام نہیں

نہیں یہ قاید قوم اپنی قید کا قائل
شمار دانۂ تسبیح میں امام نہیں

شیعی اور بریلوی

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج — اور لکھنؤ میں دونوں کا قارورہ مل گیا
کندھا دیا جنازہ ملّت کو ایک نے — اور لے کے ایک قبر پہ پتھر کی سل گیا
کھوئی گئی کتاب مقدس کی آبرو — اور سنّت مطہّرہ کا پایہ ہل گیا
آب و ہوا حجاز کی جس کو نہ آئی راس — ہندوستان میں وہ نیا گل بھی کھل گیا
جمنے لگا تھا قوم کے جس زخم پر کھرنڈ — واحسرتا ہمارے ہی ناخن سے چھل گیا

مجلس کے رکن دیکھتے ہی بلبلا اُٹھے!
جس وقت ان کے پاس خلافت کا بل گیا

۱۰، اکتوبر ۱۹۲۶ء

بابائے خلافت

پوچھی گئی لکھنؤ میں جب رائے خلافت — لٹھ لے کے چلے ہاتھ میں بابائے خلافت
اے وائے خلافت

کہتے ہیں کہ پنجاب کی ٹولی نے بہایا — نہرو کے لئے خون تمنّائے خلافت
اے وائے خلافت

دل میں یہ ہوس ہے کہ نشستوں کی ہو تخصیص — سر میں ہے مگر آپ کے سودائے خلافت
اے وائے خلافت

ہندو سے رہے جنگ بپا حشر کے دن تک — کیا ہے یہی اس ملک میں منشائے خلافت
اے وائے خلافت

انگریز کی ڈھیلی نہ پکڑ ہو کبھی ہم پر — کیا ہے سب اسی کے لئے غوغائے خلافت
اے وائے خلافت

کیا پیٹ پہ ہم ہی رہیں باندھے ہوئے پتھر — اور بمبئی میں چندہ اڑا جائے خلافت
اے وائے خلافت

چندے کا یہ دھندا ہے کہ اسلام کا پھندا — اب تک نہ کھلا ہم پہ معمائے خلافت
اے وائے خلافت

علمائے امت مولانا محمد علی کی نظر میں

الم نشرح حقیقت عالمانِ دیں کی ہے مجھ پر — یہ ذرّے خاک کے ہیں ماہ و پرویں ہو نہیں سکتے
قدوری اور بخاری چاٹ لینے سے ہے کیا حاصل — کتابوں کے یہ کیڑے عالمِ دیں ہو نہیں سکتے
ہر استفتا پہ فتوے اپنے ڈھب کے جب کہو لے لوں — مرے قانون کی ضد اُن کے آئیں ہو نہیں سکتے
ہزیمت بارہا دی ہے اُنہیں میری عزیمت نے — مری مانند یہ عصفور شاہیں ہو نہیں سکتے
دبانا جانتا ہوں اُن کی دُکھتی رگ کو اے "جوہر" — یہ مفتی مجھ سے ہرگز برسرِ کیں ہو نہیں سکتے
پہنچ سکتے ہیں کب مجھ کو ٹکے گز کی ہے چال اُن کی — پیادے اپنی ان چالوں سے فرزیں ہو نہیں سکتے
پڑے گا ہند میں گھمسان کا رن جب تو دیکھو گے — حریفِ رستمِ دستاں یہ گرگیں ہو نہیں سکتے
میں جب چاہوں گا حج کے التوا کا حکم دیدوں گا — کہ ہرگز بے اثر میرے فرامیں ہو نہیں سکتے

یہ حج تو چیز ہی کیا ہے کتاب اللہ و سنت بھی
عروسِ کوچۂ چیلاں کے کابیں ہو نہیں سکتے

۸ نومبر ۱۹۲۶ء

فسانۂ اسلام کی ایک عبرت اندوز فصل

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
پابزنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں

اُن کو آنکھوں پہ بٹھاتا تھا جہانِ توحید
جانتا تھا کہ ہیں اسلام کے دیوانوں میں

بس کہ تھی اُن کو نصاریٰ کی موالات سے ضد
دھوم تھی اُن کی شجاعت کی مسلمانوں میں

آج یہ دن ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں اُن کو
نائب السلطنت ہند کے ایوانوں میں

بختِ برگشتۂ ملت انہیں لے ہی پہنچا
لارڈ ارون کی حکومت کے ثنا خوانوں میں

وہی بلبل ہے کہیں اور جگہ زمزمہ سنج
جو چہکتا تھا ہمارے چمنستانوں میں

چائے کی ایک پیالی پہ وہ بیچیں ہم کو
یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افسانوں میں

سلام کا جواب ککڑوں کوں

چوبِ نقارۂ باطل پہ پڑی دہلی میں   پردۂ گوش سے ٹکرائی ہے اِک ڈوں ڈوں
مَیں نے لکھا تھا "زمیندار" میں اِک تازہ "سلام"   جس سے رہ رہ کے ٹپکتا تھا مرا سوزِ دروں
اِس پہ "ہمدرد" کے علامۂ فہامہ مدیر   پادرِ آتش ہُوئے اس درجہ کہ کیا عرض کروں
گالیوں پہ اُتر آئے کہ بغیر از ہفوات   کبھی آتا نہیں حضرت کی طبیعت میں سکوں
لکھنؤ کی کسی بھٹیاری نے بھی آج تلک   نہ کیا ہوگا شرافت کا اس انداز سے خوں!
صبح کے وقت دُعا مانگی تھی میں نے اِک دن   کہ مری دولتِ ایماں ہو الٰہی افزوں
آپ کو سُوجھی ہے اس پر یہ اچھوتی پھبتی   کہ مَیں مُرغوں کی طرح بانگ دیا کرتا ہُوں
گر صحافت میں ہے تہذیب کا معیار یہی   کہ دُعا کو بھی کوئی کہنے لگے "ککڑوں کوں"

تو عجب کیا ہے کہ سُن لیں کبھی دہلی والے
آدمی زاد کو کرتے ہوئے ڈھینچوں ڈھینچوں

۲۸ نومبر ۱۹۲۶ء

فتنہ کے درخت کی ٹہنیاں (۲)

دونوں نے مل کے ڈالی ہے اسلامیوں میں پھوٹ
ہے صلح و آشتی سے علی بھائیوں کو ضد

بنگالیوں کا تختہ اُلٹنے کو پیش پیش
پنجابیوں کی ناؤ ڈبونے کو مستعد

ان کے حریف گنبدِ خضرا کے پاسباں
ان کے حلیف گومتی والوں کے مجتہد

قوت تباہ نجد کی ہو اس پہ ہیں مصر
فتنہ بپا حجاز میں ہو اس پہ ہیں بجد

جس طرح لاشریک لئے ہے خدا کی ذات
"ہمدرد" کے مدیر بھی ہیں ماورائے ند

ان کا قلم ہے لغو نگاری میں بے مثال
ان کی زباں ہے بیہودہ گوئی میں منفرد

جھولے میں ہے وہ اینٹ کہ ہر سر ہو پاش پاش
ترکش میں ہے وہ تیر کہ ہر سینہ جائے چھد

منڈلا رہے ہیں آج خلافت کی لاش پر
دہلی کے اور بمبئی کے موٹے موٹے گدھ

---

۸ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

اپنا ہی سینہ اور اپنے ہی تیر

اُچھلوایا گیا اخبار پر اشرار سے کیچڑ
برسوائے گئے احرار پر پتھر لفنگوں سے

ضرورت کیا کہ ترکش سے نکالے غیر تیر اپنا
ہمارا سینہ چھلنی ہو جب اپنے ہی خدنگوں سے

وہ خوں رنگیں ہوا دامن ہمارا جس سے ٹپکا ہے
جنابِ شیخ کے دل کی کلیسائی اُمنگوں سے

مسلمانوں کو ہندو سے لڑا کر آپ کیا لیں گے
نہیں مل سکتی آزادی فسادوں اور دنگوں سے

خدا کا سایہ جب سر پر ہو پھر خوف و خطر کیسا
خلافت کے عقابوں کو حکومت کے کلنگوں سے

نہ اُلجھیں رہ نمایانِ وطن سے مہر اور سالک
اگر دریا میں رہنا ہے نہ ٹکرائیں نہنگوں سے

"زمیندار" ایک آپ اتنے مگر اوجِ سیاست پر
یہ اک تکّل لڑے گا آپ کے سارے پتنگوں سے

---

۲۷ ستمبر ۱۹۲۸ء

آل انڈیا مسلم لیگ سے سر محمد شفیع کی بغاوت

سر محمد شفیع لاہوری
اپنی ٹولی الگ بنانے لگے
لیگ کے اقتدار کی بُنیاد
اپنے ہاتھوں سے آپ ڈھانے لگے
آپ اپنے ستون قوت کو
مرکز ثقل سے ہٹانے لگے
ڈال کر افتراق ملّت میں
زور اسلام کا گھٹانے لگے
آبرو جو رہی سہی تھی اُسے
شملہ کی خاک میں ملانے لگے
ناچ تگنی کا خود تو ناچے تھے
ہم کو بھی ساتھ ہی نچانے لگے
ایسے دیوانہ کا علاج ہی کیا
خرمن اپنا جو خود جلانے لگے

۲۸/ دسمبر ۱۹۲۷ء

آزادیٔ ضمیر

بُت خانۂ فرنگ کی چوکھٹ کی خاک سے
آلودہ جب سے سر ہے محمدؐ شفیع کا

کوشش یہ ہو رہی کہ جلوہ نظر نہ آئے
آزادیٔ ضمیر کی بامِ رفیع کا

تکبیر سے ہے لاگ تو تصفیق سے لگاؤ
تہذیب نام ہے اسی فعلِ شنیع کا

قدوسیانِ شملہ سے پوچھو کہ کیا ہے راز
اس تیز پا سمند کی سیرِ سریع کا

لیکن نہ مل سکے گا اُسے حشر تک سُراغ
سر منزلِ حرم کے مقامِ منیع کا

قول اور فعل میں نہیں جن کے مطابقت
کیا رنگ اُڑائیں گے مری طرزِ بدیع کا

۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

انقلاب

انقلابِ زمانہ دیکھیے گا — کل جو تھے دوست آج ہیں دشمن
قطع رشتے ہوئے اُخوت کے — بھائیوں کا بگڑ رہا ہے چلن
جُھک گئی تھی جو بارِ احساں سے — ہے اب اکڑی ہوئی وہی گردن
میرے دامن نے دی پناہ جنہیں — ہاتھ اُن کا ہے اور مرا دامن
مجھ پہ چلنے لگی مری ہی سناں — آپ وہ دیں گے اور میں ہُوں پشیمن
ہوتی آئی ہے یوں ہی دنیا میں — رسم ہے روزگار کی یہ کہن!
خوب فرما گئے چچا سعدیؒ — "کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد"

——— ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء

حاجی ظفر علی خاں ہندوزئی نہرانی

لقب "حاجی" بھی ہے "ہندوزئی" بھی "نہرانی" بھی
مرے ایماں کو آخر چاہیے تھی اک نشانی بھی

مرقع میں مری تصویر "سالک" نے وہ کھینچی ہے
کہ دنگ ارژنگ ہے اور پیکرِ حیرت ہے مانی بھی

صلہ میری وفاؤں کا دیا پیہم جفاؤں سے
اور اس پر مستزاد اُس شوخ کی ہے بدزبانی بھی

خُدا آباد رکھے "مہر" و "سالک" کی صحافت کو
کہ اس کے صدقے میں ہوتی ہے میری قدر دانی بھی

ہے اس کی نثر و نظم آئینہ جوہر ہائے ذاتی کا
مگر اس میں جھلکتی ہے شرافت خاندانی بھی

۹ر نومبر ۱۹۲۸ء

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

گھر بھرا انگریز کا لندن میں دیکھ آیا ہے تو
چل کے دہلی میں ہماری خانہ ویرانی بھی دیکھ

"پرتیج" کے صفحوں پہ کر گیتا کی پھلواڑی کی سیر
"الاماں" میں مظہر الدین کی گل افشانی بھی دیکھ

اُس سے سن لے طعنہ ہائے دل فگار و جاں خراش
اور پھر اس کی گالیوں کی شان عریانی بھی دیکھ

ہند و مسلم کے جوہر کھل گئے پیتے ہی چائے
اُس کی دانائی تو دیکھی اس کی نادانی بھی دیکھ

تو نے دیکھا ہے کہ تھا بے حد گراں ایمان کا بھاؤ
ہمنشیں آج اس کی بے اندازہ ارزانی بھی دیکھ

بھائی پرمانند جی کی بس بھری چٹکی کے ساتھ
قادیاں کے میرزا جی کی مسلمانی بھی دیکھ

ہندوؤں میں ہے "ملاپ" اسلامیوں میں "انقلاب"
اُن کی جمعیت بھی دیکھ ان کی پریشانی بھی دیکھ

سن لیا تو نے کنول کا خندۂ بستاں فروز
لالہ زار ہند میں نرگس کی حیرانی بھی دیکھ

اے کہ تو نے دیکھ لی ہے بچۂ سقہ کی مشک
آنکھ کھول اور اس میں استعمار کا پانی بھی دیکھ

اینٹ سے اینٹ آج بجتی دیکھ لے قندھار کی
قتل اور غارت کی کابل میں فراوانی بھی دیکھ

شور بازاری شریعت کے صنم خانے میں جا
شانِ یزدانی تو دیکھی آنِ شیطانی بھی دیکھ

دیکھ لیں اپنے تمدن کی نگار آرائیاں
آدمیت سوزی تہذیب نصرانی بھی دیکھ

لاہور مسلم لیگ

کون کہتا ہے کہ بے کار ہے لاہور کی لیگ
ملک سے برسرِ پیکار ہے لاہور کی لیگ

جس سے پنجاب میں انگریز کا جلتا ہے دیا
آج اُسی تیل کی اک دھار ہے لاہور کی لیگ

جتنے اِس خطّہ کے ٹوڈی ہیں مبارک ہو نہیں
کہ غلامی کی طلب گار ہے لاہور کی لیگ

سائمن اِس کا خداوند یہ اُس کی لونڈی
غازۂ عارضِ سرکار ہے لاہور کی لیگ

فِتنہ پردازی اگر مستحقِ مدحت ہو
تو ستائش کی سزاوار ہے لاہور کی لیگ

جنسِ دشنام ہے بازارِ ادب میں ارزاں
پھر و ستاک کی خریدار ہے لاہور کی لیگ

اگر احرار میں شامل ہیں سر آغا خاں بھی
تو نمائندۂ احرار ہے لاہور کی لیگ

آپ فرزانہ ہیں کہہ لیں اسے دیوانہ مگر
اپنے ہر کام میں ہشیار ہے لاہور کی لیگ

جان اور دل سے ہے قربان مسلمانوں پر
فقط اسلام سے بیزار ہے لاہور کی لیگ

مفتیٔ لندن کا اگر آئے توقبل از مغرب
روزہ کھلوانے کو تیار ہے لاہور کی لیگ

حملہ کیا کم ہے یہی قوم کے غداروں کو
کہ حکومت کی وفادار ہے لاہور کی لیگ

قرولِ باغی فتنہ

فرماتے ہیں امامِ شریعت بہار کے / تقلید شیوۂ حسنِ مجتبےٰ کرو
مانا اُنہوں نے کوفہ کا جس طرح اقتدار / تم بھی قرول باغیوں کی اقتدا کرو
شرعاً اگر روا تھی امامت یزید کی / پھر کیوں نہ آج بھی وہی سنّت ادا کرو
اُمت کو افتراق سے جس نے بچا لیا / اس اسوۂ حسن کا وظیفہ پڑھا کرو
جب جاہلوں سے عہدہ برا تم نہ ہو سکے / پھر مصلحت یہ ہے کہ انہیں کا کہا کرو
ان سب کے رہنما کی قیادت کرو قبول / اس وقت کے امام کا جھنڈا اٹھا کرو
اس ملک کی نجات محمدؐ علی سے ہے / جو راہ وہ دکھائے اُسی پر چلا کرو
ازبسکہ تم ہو فنِ سیاست سے نابلد / درس اس کے سب نکات کا اس سے لیا کرو
اردن کے آستانہ پر لے جائے گر تمہیں / اس کا طواف شوق سے بے شک کیا کرو
گر عالمانِ دین کو سنائے وہ ٹیڑھیاں / ان پر گمان خُلقِ رسولِ خدا کرو
القصہ عافیت ہے اسی میں کہ آج کل / جو کچھ کہے یہ جاہلِ عالم نما کرو
حق میں نہیں ہے تاب کہ ہو خنجر آزما / باطل کا حکم ہے کہ مجھی سے دبا کرو

نقاش کی ہے حضرت سجاد سے یہ عرض
للہ یاد واقعہ کربلا کرو

سہمے ہوئے ہو کیوں سفہا کی پکار سے
آزادئ ضمیر کا غوغا بپا کرو

ان کا علم گڑا ہے اگر کان پور میں
دہلی میں سربلند تم اپنا لوا کرو

سر سے کفن لپیٹ لو اور اپنی جان کو
ناموس شرع مصطفوی پر فدا کرو

جب پڑ رہی ہے زد علماء کے وقار پر
لازم نہ تھا مظاہرہ اس عجز کا کرو

کچھ بھی نہیں ہے فائدہ اس شور و شین سے
نسبت تمہیں حسن سے ہے ہم کو حسین سے

کلکتہ

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں
اک تیر ایسا سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے

انگشت رام پور کا پنجاب کی طرف
ہگلی کے گھاٹ پر وہ اشارا کہ ہائے ہائے

عبرت کی آنکھ کھول کے آپس کی پھوٹ کا
دیکھا وہ جانخراش نظارا کہ ہائے ہائے

آزادیٔ وطن کی تڑپ نے ہنود میں
وہ دل نواز جذبہ ابھارا کہ ہائے ہائے

ان میں وہ اتفاق کی طاقت کہ واہ وا
ہم میں وہ اختلاف کا یارا کہ ہائے ہائے

ملت کی آبرو سے علی بھائیوں کی ضد
لانے لگی وہ رنگ خود آرا کہ ہائے ہائے

بنگالہ کے افق میں کچھ ایسا ہوا غروب
ان دونوں بھائیوں کا ستارا کہ ہائے ہائے

ہندوستاں کے صدر کی عزت کو دیکھ کر
ہر سائمن پرست پکارا کہ ہائے ہائے

۲۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء

مولانا شوکت علی اور احرارِ پنجاب

اسلام کے احرار بکے ہندوؤں کے ہات
بابائے خلافت کی یہ ہے تازہ خرافات

اس جھوٹ کا بدلہ انہیں مل جائے گا اک دن
دنیا میں ہے جاری اگر آئینِ مکافات

گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے کرتے ہیں پرہیز
ظاہر ہوئیں لاہور میں یہ آپ کی عادات

انگریز کی صورت سے بھی بیزار ہیں لیکن
انگریز کے اقبال سے کرتے ہیں موالات

گاتے ہیں شب و روز شفیع اُن کے مناقب
مہاجن کے ثنا ہے کبھی مشغلۂ دن رات

اُلجھے گا پسینہ کی کمائی سے وہ تا چند
چندوں پہ بسر ہوتی ہو جس شخص کی اوقات

بدنام ہوئے مفت میں سادات بچارے
بابائے خلافت ہی سے ہیں سارے فسادات

بھولے سے بھی اس خطہ کا رُخ اب کریں آپ
بدلے ہوئے ہیں کشورِ پنجاب کے حالات

کام آئیں گے نون اور نہ قہر اور نہ سالک
محفل میں بخاری نے کہیں کی جو مدارات

اور یوں تو تواضع کو ہیں پہلے ہی سے موجود
بابائے خلافت کے لئے میرے [illegible]

---

۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء

پاپائے خلافت

توحید کی تثلیث سے ہوتی ہے موالات
باباے خلافت ہوئے پاپائے خلافت

لاہور میں ہوتی ہے حریفوں کی بغل گرم
یہ بھی ہے نشترِ غمزہ لیلائے خلافت

باباے خلافت ہوں اگر قافلہ سالار
پھر کیوں نہ لُٹے راہ میں کالائے خلافت

آئینہ امروز میں ہم دیکھ رہے ہیں
تصویر زبوں حالیٔ فردائے خلافت

ڈر ہے کہیں اس نام سے ہو جائے نہ بیزار
پنجاب جو اب تک بھی ہے شیدائے خلافت

شوکت سے یہ کہہ دو کہ خلافت سے نکل جائے
ہے ورنہ یہی ڈر کہ نہ مٹ جائے خلافت

۱۴ر نومبر ۱۹۲۸ء

ڈھگے اور گاؤدی

اکبر ملا ہوں مولوی احمد سعید سے
یہ دن مرے لئے نہیں کم روزِ عید سے

سرگرمی اُن کی دیکھ کے عقدہ یہ حل ہوا
کھلتا ہے بابِ علم عمل کی کلید سے

مستغفرانہ رنگ کی تصویر کھینچ دی
مستبعدانہ رنگ کی گفت و شنید سے

لیکن اس اجتہاد میں مجھکو کلام ہے
عنبر کا رشتہ آپ نے گانٹھا ہے لید سے

مانا کہ لیگ کرتی ہے ڈھگوں کی پرورش
پنجابیوں کی لابہ گری کی خوید سے

پیدا ہوئے ہیں دہلی میں بھی تو یہ گاؤدی
پروردگارِ شملہ کے لطفِ مزید سے

جن کا عقیدہ ہے کہ لیا جان بل نے چھین
وہ قرب جو خدا کو ہے حبل الورید سے

جو قفل اُن سے کھل نہ سکا خود بخود کھلا
پنجاب کے خلافتیوں کی کلید سے

دکھلا دیا مقاطعہ کا نقشہ کھینچ کر
سرکارِ نامدار کے خوانِ امید سے

اس طرح سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا
جائز ہے کس اصول قدیم و جدید سے

کس وقت سے ہوا نظری لَاتَنَابَزُوا
دہلی کی محفلوں کے کلامِ جدید سے

علی برادران اور ابوالکلام آزاد

برادرانِ علی کا سنو یہ تازہ کلام
کہیں شراب کے رسیا ابوالکلام آزاد

پلا پلا کے شراب اُن کو نہرو و برلا
کرا رہے ہیں ہمیں اُن کے ہاتھ سے برباد

نہیں خیال اُنہیں رہتا یہ جوشِ مستی میں
کہ دین ہو نہیں سکتا ہے کفر کا منقاد

جنابِ حضرتِ نقاش نے سنا جس وقت
یہ طعنہ جس سے ٹپکتا تھا زہرِ بغض عناد

تو ہنس کے کہنے لگے یہ بھی شانِ باری ہے
ابوالکلام پہ یوں برسے چندہ کی اولاد

اگر وہ بھول گئے ہیں تو ہم نہیں بھولے
جنابِ سیٹھ چھٹانی کی تھیلیوں کی یاد

وہ کان کھول کے سن لے یہ قول حافظ کا
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد

کہ مے حرام ولے بہ ز مالِ اوقاف است

۱۲ر جنوری ۱۹۲۹ء

بابائے خلافت اور کامریڈ شوکت عثمانی

اک طرف جلوہ نما شوکت نصرانی ہے
اک طرف چہرہ کشا شوکت عثمانی ہے

اک طرف کیک کی اک قاش ہے اور چائے کا دور
اک طرف لخت دل اور آنسوؤں کا پانی ہے

اک طرف روح میں خوشنودی تثلیث کا ذوق
اک طرف قید نصاریٰ کی گرانجانی ہے

اشتراکیت اور اسلام کے اس معرکہ میں
دیکھیے کس کے حلیفوں کی فراوانی ہے

بمبئی سے کہیں لے جائے نہ بازی میرٹھ
سائمن کے لئے اتنی ہی پریشانی ہے

۲۰ مئی ۱۹۲۹ء

انقلاب اے انقلاب

زمیں ہے برسرِ کیں آسماں ہے برسرِ جنگ — کرے مقابلہ اسلام کس کس آفت کا

اب اس کے نام سے بوئے فساد آتی ہے — وہ دین جو کبھی سرچشمہ تھا لطافت کا

رذیل چھین رہے ہیں جگہ شریفوں کی — جنازہ اُٹھ گیا آفاق سے شرافت کا

معاش کی ہوئی سِفلوں کو فکر دامن گیر — تو اختیار کیا مشغلہ صحافت کا

ادب مراد ہے اس سے کہ گالیاں دے کر — کسی کو دیجئے پھر نام اُسے ظرافت کا

اگر ہے رُوح خرافات "انقلاب" کا رنگ — مغلظات کا ست ڈھنگ ہے "خلافت" کا

مگر وہ پھر بھی مہذب ہیں جن کی مجلس میں
ہمیں کو طعنہ دیا جائے گا سخافت کا!

قصور کی میتھی کابل کے مردے

ازبر تھی جب تک کنز اور قدوری — اور اُن کی رمزیں بین السطوری
ہر شرطِ ایمان ہوتی تھی پوری — اب بھی ہوں مومن لیکن قبوری
یا شیخ عبدالقادر قصوری

مجھ کو جب اپنا بیمار سمجھا — عیسیٰ مرض کے اسرار سمجھا
تیمار میرا دینار سمجھا — تم دے رہے ہو شربت بزوری
یا شیخ عبدالقادر قصوری

ہے لاٹ صاحب کا یہ اشارا — کٹ جائے رشتہ میرا تمہارا
بس کر چکا میں تم سے کنارا — تم "نہروانی" ہیں "جی حضوری"
یا شیخ عبدالقادر قصوری

میری کمائی ہندو نے کھائی — حق میرے چھینے لٹس مچائی
نگریزی میں دوں گا دہائی — جو خود ہی جج ہے اور خود جیوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

نادر پرستی ہے میرا آئیں، — وہ شیر بالیں میں شیر قالیں
گر میں نہ گاؤں گن اُس کے رنگیں — رہ جائے گی یہ دھرپت ادھوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

اخبار "ٹوڈی" کی آمد آمد

حق کی تلوار کو کھینچے ہوئے اسلام آیا
خیل باطل کے لئے موت کا پیغام آیا

سالک و مہر و حبیب ایک ہیں جن کا مذہب
نت نئی اُن کو سکھاتا ہوا دشنام آیا

مہر صاحب جو مقطع ہیں تو سالک ہیں ہنسوڑ
میل ان دولوں کا برطانیہ کے کام آیا

صلہ بابائے خلافت کو ملا "سائل" کا
زکریا کا مرے حصہ میں انعام آیا

افق ہند کے ڈوبے ہوئے تارو! نکلو
کہ وہ خورشید جو رخشاں تھا لب بام آیا

بزم احرار میں ہے دھوم کہ آیا ٹوڈی
کاسہ لیسوں کے لئے زہر بھرا جام آیا

---

۱۲ مئی ۱۹۲۹ء

فنِ لابہ گری کے امام

اسلام سرنگوں نہ ہو کیوں اُن کے سامنے
تھامے ہوئے ہوں جن کا علم سرعمر حیات

ملتی رہی ہے جس کو ہمارے لہو کی بھینٹ
ہیں اُس صنم کدہ کے صنم سرعمر حیات

کعبہ سے جب سوا ہے کلیسائے سینٹ پال
پھر کیوں کریں طواف حرم سرعمر حیات

انگریز ہی کے غم سے نہ جب مل سکے نجات
کیا کھائیں اپنی قوم کا غم سرعمر حیات

لندن میں پھر رہے ہیں کہ رکھ لیں کسی طرح
سر جان سائمن کا بھرم سرعمر حیات

اردن کو فخر کیوں ہے ہری سنگھ گوڑ پر
کیا اُن سے کچھ وفا میں ہیں کم سرعمر حیات

گر شیوہ اس ذلیل خوشامد کا چھوڑ دیں
ہم پر کریں بڑا ہی کرم سرعمر حیات

اس سے ہزار بار ہے بہتر کہ دت کی طرح
جھولی میں ڈال لیں کوئی بم سرعمر حیات

---

۱۶ رمئی ۱۹۲۹ء

نونیوں کی جناب میں چند بے تکلفانہ گزارشات

ملک فیروز خاں کی آستاں کا سجدہ اچھا ہے
بھرے رہنے لگے ہیں ٹوڈیوں کے نونوی کیسے

مسلمانوں کے قتلِ عام کا افسانہ سُننا ہو
تو سنیئے "انقلاب" اور اُس کے شہر آشوب راوی سے

گماں ہونے لگا روباہ پر شیرِ نیستاں کا
جنابِ حضرتِ سالک کی شانِ بذلہ سنجی سے

کبھی تھی جس پہ کل ہی "مستعار اذہان" کی پھبتی
ہے تجدیدِ مراسم آج اُس جاہل بخاری سے

ہیں آقائے قصوری دشمنِ دیں پھر بھی قبلہ ہیں
کہ مِل لیتے ہیں دیں کے دوستوں کے ساتھ چوری سے

عَبُوساً قَمطَرِیراً جس کو کہہ کر کوستے آئے
اب اس سے بھی نہیں کم ہے فقط ضد نہروانی سے

سراہا آج انہیں کل شام تک جن کو سراپا تھا
یہ سب باتیں ہیں ممکن آپ ہی کی کاسہ لیسی سے

علی بابا کی لُٹس

اِس نظم کے پہلے شعر میں دو تلمیحات ہیں۔ ایک علی بابا جو الف لیلہ کے تھے۔ اس نظم کے عسلی بابا مولانا محمد علی ہیں۔ مرجینا الف لیلہ کے علی بابا کی وفادار لونڈی تھی۔ جس نے چالیس چوروں کا کام کپّوں کے اندر تمام کیا تھا۔ یہاں یہ وفادار کنیز مولانا محمد علی کی ہوس قیادت عمومی ہے جو تمام مسلمانانِ ہند کو استعمار کے کپّوں میں بند کرکے افتراق کا تیل ان کے سر پر ڈال کر ان کو بھون دینا چاہتی ہے۔ دوسرے شعر کا قافیہ مسٹر محمد علی جینا ہیں۔ اور احرار سے مراد احرار پنجاب ہیں جن کو مولانا محمد علی اور ان کے رفقا نے روشن تھیٹر دہلی میں زک دینے کی ناکام کوشش کی ۔

گدھے پر لاد لائے بے خطر الور کے گنجینے
محافظ ہے علی بابا کی اس لُٹس کی مرجینا

پتنگ احرار کا جا کر خبر لاتا ثریّا کی
نہ کنی کاٹتے روشن تھیٹر میں اگر جینا

سبق پنجاب کی ٹولی سے لوالے چنڈ کی پوٹو
اگر لاہور میں منظور ہو بے مال و زر جینا

انہیں کو شور چھپّن فی صدی کا زیب دیتا ہے
جنہیں آتا ہو لے کر ہاتھ میں سر دار پر جینا

کفن سر سے لپیٹیں قتل ہوں اور زندہ ہو جائیں
انہیں کے حق میں آیا ہے ادھر مرنا ادھر جینا

مسلمانو تمہیں کیا ہو گیا تم کو تو آتا تھا
نہنگوں کی طرح موجوں میں بے خوف و خطر جینا

۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء

سر عبداللہ مامون السہروردی کی شانِ میمونی

الہ دین کے چراغ کی لَو اور ریمزے میکڈانلڈ کے برقی قمقمہ کی ضو

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

خدا نے دولتِ کونین ہم کو
بقدرِ رحمتِ خیرالبشر دی

الہ آباد میں ملت کی منتقل
حیاتِ نو کے انگاروں سے بھر دی

سکھائی ہم کو آزادی کی ترکیب
بتایا فرق نامردی و مردی

بنایا ہم کو جزو و کل کا مختار
ہمیں توفیقِ شرحِ خشک و تر دی

یہ سب کچھ قوم کو مل ہی چکا تھا
گر آتے نہ اس میں سہروردی

اور اُن کے ہم نوا جن پر قضا نے
اجانب کی غلامی ختم کر دی

اتروا کر ہمارے سر سے وہ تاج
رسول اللہ نے جس کی خبر دی

وہ پہنانا ہمیں بھی چاہتے ہیں
کسی چرچل کے چپراسی کی وردی

الہ آباد ———— ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

بد عہدی کا آسمانی خمیازہ

پرستارانِ باطل اس لئے مجھ پر بگڑتے ہیں
کہ سچی بات کیوں میں نے بلا خوف و خطر کہہ دی
گنائے میں نے کیوں احسان امان اللہ غازی کے
جتائی میں نے کیوں دنیا کو بد عہدوں کی بد عہدی
مسلمانو تم ان شطرنج کی چالوں کو کیا جانو
بڑھایا مہرۂ سر آغا نے بر کن ہیڈ نے جب شہ دی
یہ سب کچھ ہو چکا لیکن ندا رُوما سے آتی ہے
کہ شرح کان مسئولا ہے اپنے عہد کا مہدی

---

۲۰ دسمبر ۱۹۲۹ء

حق اور باطل کی آویزش

بسکہ ہے دینِ مبیں کو سُست پیمانوں سے ضد
عالمِ اسلام بدعہدوں سے بدظن ہو گیا

اُس کی گیرائی سے تھا سرتابِ کل تک تیغہ ہار
منحرف آج اُس کی دارائی سے قطعن ہو گیا

کوہ داماں سے بھڑک اُٹھی ہے غزنی تک وہ آگ
جس سے جل کر خاکِ بدعہدی کا خرمن ہو گیا

وہ شکار افگنِ فرنگ آویز تھی جس کی کمند
کشتۂ نازِ مسانِ سامری فن ہو گیا

جگمگانے کو ہے پھر دارالاماں میں وہ چراغ
جس سے روما غیرتِ اقصائے ایمن ہو گیا

رو رہے ہیں جیکر و سپر و کہ قصرِ سینٹ جیمز
اُن کی زنگار رنگ اُمیدوں کا مدفن ہو گیا

اُب کہاں وہ عندلیبوں کی نوا آرائیاں
شاخِ گل کا سایۂ افعی نشیمن ہو گیا

دل لُبھانے کا نہ سیکھا جان بل نے ایک ڈھنگ
[illegible] ہو گیا

قیمت اُس اک قطرۂ خوں کی ہے ساری کائنات
جس سے تلوؤں کا پیراہن مزین ہو گیا

اک بنارس کے برہمن نے لئے موتی وہ رول
جس سے خالی شیخ ہر دلی کا دامن ہو گیا

پردہ در ہو کر بنے ملت کے رہبر سر شفیع
اور امان اللہ خاں ایماں کا رہزن ہو گیا

کیا نچے نظروں میں سورج جب اجالے کے لئے
ہند کی ست ونتیوں کا نام روشن ہو گیا

وہ وفا کی پتلیاں جن کی شجاعت دیکھ کر
دنگ چرچل رہ گیا حیران اروِن ہو گیا

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سربلند
فتح سیتا کی ہوئی مغلوب راون ہو گیا

گجرات سپیشل جیل

۱۷ دسمبر ۱۹۳۰ء

قادیانی خرافات

قادیانی خرافات

آسماں پر یوسف نجار کا بیٹا کہاں
کیا دھرا اس نیلے نیلے گنبدِ بے در میں ہے
آ بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں
آخری اس کا ٹھکانا بھی اسی کشور میں ہے

عیسیٰ مریم کی اس توہین کا سودائے خام
ایک مدت سے سمایا قادیاں کے سر میں ہے
چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں
اے مسلمانو وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے
جس کی زد میں آ چکا ہے خرمنِ دینِ مبیں
وہ صلیب افروز چنگاری اسی مجمر میں ہے
آج انصاف اس ستم کا جو ہوا اسلام پر
دستِ ربِ کعبہ میں یا دستِ پیغمبر میں ہے
جن بچاریں الماریوں پر تھا غلام احمد کو ناز
حشر ان کا کاتبِ تقدیر کے دفتر میں ہے
"انقلاب" "الفضل" کی ڈھولک بجائے شوق سے
خیبر کی رونق کا ساماں ہی ہجومِ شر میں ہے
ہم کو ان آتش زنوں ہیزم کشوں سے ڈر نہیں
نورِ ابراہیمؑ چمکا شعلہ آذر میں ہے

رک نہیں سکتی مرے خامہ کی لاہوتی اڑان
طاقت جبریل جب تک اس کے بال و پر میں ہے

دفتر قادیاں

بنامِ آنکہ نامش احمدؐ آمد — بنامِ آنکہ جاش کوثر ستے
بنامِ آنکہ نقش اقتباسش — نگار آرائے امرِ "انحمر" ستے
بنامِ آنکہ نسلِ دشمنانش — ہوا لاقطع برمزا ابتر ستے
بنامِ آنکہ نعلین شریفش — کلاہ صد ہزار اسکندر ستے
بنامِ آنکہ پیچے از جبینش — رگِ طاغوتیاں را خنجر ستے
بنامِ آنکہ ما اسلامیاں را — بدانش ناز و فخرِ بے مر ستے
بگفتم صبحگاہاں موسیورا — بتر از قادیاں یک دفتر ستے
ہماں پارینہ تقویمش شمارم — کہ بارش زینتِ پشتِ خر ستے
بگوش مارسد صوتِ حمیرت — کہ بابائے توشان داور ستے
رسول اللہ پیکر ہست داو روح — بدلیاں او نبی را مظہر ستے
ظہور او شود ثابت ز قرآن — غلام احمد آب کوثر ستے

تو خود انصاف فرما ایں چہ سودا است — کہ اہلِ قادیاں را در سر ستے
نہالے کاشتی در گلشن ما — کہ شاخش چوں صنوبر لے بر ستے
تمتع یافتیم از نص قرآں — کہ مارا فارقِ خیر و شر ستے
رسالت ختم شد بر مصطفائے
کہ مارا آخریں پیغمبر ستے

"الفضل" قادیاں

"مولویت ظفر علی خاں کی" سرخی "الفضل" کی ہے یہ بانکی
حضرتِ میرزا بشیر الدین جو ہیں تصویر شانِ یزداں کی
جن سے ہونا گناہ کا ہے محال کہ ہے تخصیص یہ تو انساں کی
ہم قلم "الصباح" کے ہو کر بن گئے شکل رعد و طوفاں کی
طعنہ دیتے ہیں سہو کا ہم کو ہجو لکھ کر ہمارے نسیاں کی
کہ کہا ہم نے "بعض" کو کیوں "بعد" مسخ کیوں ہم نے شکل قرآں کی
بات یہ ہے کہ آپ کے گھر سے ہم کو نسبت ہے سنتِ اماں کی
ہم کو مشاطگی ازل سے ملی آپ کے کاکلِ پریشاں کی
گالیاں ہم کو دیجئے لیکن آپ جس سے رونق ہو تازہ دکاں کی
قادیاں کی بجائے ہم کو پناہ ملی یثرب کے میر ساماں کی
فخر اپنے گناہ پہ ہے ہمیں کہ ہے رحمت حجاب عصیاں کی

کل رفو ہو گا آپ کا دامن
آج جو شکل ہے گریباں کی

۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

قادیانی اینٹ کا جواب بوقبیسی پتھر

"الفضل" قادیان مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۳۱ء میں ایک شاعر نے مجھے یوں مخاطب کیا:۔

بُری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں
سمجھ یہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیسا فتنہ اُٹھا رہے ہیں
جنابِ محمود کو بُرا کہہ کے کیا مِلے گا سوائے ذلّت
یہی نا، جو کچھ رہی تھی عزّت اُسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں
وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا بنے مخالف
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلمان ایک مرکز پہ آ رہے ہیں
نفاق کی آندھیوں سے اِک دن مٹا کے رکھ دیں گے قصرِ مُسلم
کسی کو ملحد بنا رہے ہیں کسی کو کافر بنا رہے ہیں
وہ کانگرس پہ فدا کریں گے رسولِ مقبولؐ کی شریعت
وہ اپنے کاندھوں پہ آج اسلام کا جنازہ اُٹھا رہے ہیں

وہ کانگرس جس کا مقصدِ اوّلیں مٹانا ہے نام مسلم
اسی کی حرمت پہ کٹ رہے ہیں اسی کی عزت بڑھا رہے ہیں
بڑے بڑے کانگرس کے ہندو ہیں آج مسلم کے خوں کے پیاسے
یہ گیت ہندو کا گا رہے ہیں یہ اُلٹی گنگا بہا رہے ہیں

اس کا جواب ذیل میں دیا گیا:۔

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں!
اُدھر رقیبوں سے مل رہے ہیں ادھر ہمارے گھر آ رہے ہیں
منافقوں کی یہ ہے نشانی زبان پہ دیں ہو تو کفر دل میں
اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
یہ ہم سے سیرۃ النبیؐ کے، یہ زمزمے عشقِ مصطفےٰؐ کے
جنہیں سمجھتے ہیں دل سے کافر انہیں کو گھر گھر سنا رہے ہیں
رسولِ مقبول کی شریعت کے نام پر دیں ہمیں نہ دھوکا
اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو اُلو بنا رہے ہیں
پڑا ہے چندے کا جب سے پھندا گلے میں ان قادیانیوں کے
ہمارے ہی گھر سے بھیک لے کر ہمیں کو آنکھیں دکھا رہے ہیں

خبر پیمبر نے جس کی دی تھی وہ فتنہ اُٹھا ہے قادیاں سے
خلیفہ محمود قادیانی اسے قیامت بنا رہے ہیں

ظفر علی خاں کی آبرو پر نہ حرف آیا نہ آسکے گا
خُدا نے دی ہے جب اس کو عزّت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں

وہ کانگرس کا ہے گرچہ حامی خُدا نہیں لیکن اُس کا نامی
یہ وہ خُدا ہے کہ قادیانی گن اس کے دن رات گا رہے ہیں

۲۰ر نومبر ۱۹۳۱ء

متنبیِ قادیاں اور زارِ روس

قادیاں کے ایک الہامی قصیدے میں کبھی — بندھ گیا تھا قافیے کی بندشوں میں نامِ زار
زار کی لفظی رعایت نے سجھایا تھا یہ قول — "زار بھی ہو گا تو ہو گا اس گھڑی با حالِ زار"
اس گھڑی کا تھا یہ مطلب خود بقولِ میرزا — اور اس مطلب کی ہے تفسیر ان کا اشتہار
آئے گا اک زلزلہ کانپے گی جس سے کائنات — جس کے ہچکولوں سے گھر گھر میں پڑے گا خلفشار
لیکن اس بھونچال کے آنے کی یہ بھی شرط تھی — سُرمہ کش ہو اس سے خود ملہم کی چشمِ انتظار
ان کے جیتے جی تو یہ بجلی نہ گردوں سے گری — پھونکتی جو آدمی کا خرمنِ صبر و قرار
بعدِ مردن اتفاقاً چھڑ گئی جنگِ فرنگ — رنگ لائی مدتوں میں گردشِ لیل و نہار
زار سے چھنوا دیا قسمت نے اس کا تخت و تاج — کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار
ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، دولت کسی کی ہے کب — صبح کو وہ ہیں گدا جو شام تک تھے تاجدار
ہوتی آئی ہے کہ جو راجا تھے پرجا بن گئے — سنتے آئے ہیں کہ آقا ہو گئے خدمت گذار
حال اُسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے — بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار
لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا — جن کی منطق نے کیا دامانِ دانش تار تار

موسیو محمود کہتے ہیں کہ زارِ روس پہ
اُن کے والد کے قصیدے کی پڑی ہے آ کے مار

کوئی ان حضرت سے پوچھے ہے گر ایسا ہی تو کیوں
آپ ولیم کو نہیں دیتے ہیں گدّی سے اُتار

فرڈنینڈ اس وقت تک کیوں صوفیا میں ہے مقیم
آپ کیوں ڈھاتے نہیں اس کا بھی قصرِ زرنگار

زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر
بلجیم کا قادیاں نے کیوں نہ بانٹا اشتہار

مانٹی نگرو کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا
غیب دانی آپ کی اس کی ہوئی کیوں پیچ دہ دار

اب بھی اس ہذیاں سے للہ دست کش ہو جائیے
ورنہ کھو بیٹھیں گے سب آپ اپنا جالوتی وقار

۴؍ اکتوبر ۱۹۱۴ء

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

دیا گیا ہمیں پیرایۂ ظرافت ہے
ملا جناب کو سرمایۂ سخافت ہے

ہے آپ کے لئے مسند مجددیت کی
مگر ہمارے لئے کرسی صحافت ہے

مضاف الیہ جو امروہہ ہے تو آپ مضاف
بزیر چرخ بریں قادیاں اضافت ہے

"اگر پیالہ ہے کبریٰ تو ہے صبوح صغرے"
وہ کہہ رہے ہیں کہ تجدید ہی خلافت ہے

"پیام صلح" ادھر ہے تو ہے ادھر "تشحیذ"
نبی کی شرع کے حق میں ہر ایک آفت ہے

تھوہر کے دودھ کی کھیر ارتقا کی ہنڈیا میں

"میرا انکار انبیاء کا انکار ہے"

طے کئے ہیں میں نے استدراج کے سب مرحلے
چھوڑ کر جسم اب میں جانِ ارتقا ہو جاؤں گا

صبح کاذب نے خلافت دی نبوت سے بدل
دوپہر ڈھلتے ہی میں پورا خدا ہو جاؤں گا

میرے باوا جان تھے تمہید عرضِ مدعا
مدعا بن کر میں اُن کا بھی چچا ہو جاؤں گا

میں نے پیدا حال میں کی شان استقبال کی
موسویت کی میں شرحِ انتہا ہو جاؤں گا

بھول سکتی ہے مجھے کیوں کر حدیث "خائین"
جلد ہی میں اس خبر کا مبتدا ہو جاؤں گا

(۲)

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

معنی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ آپ ہیں
یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں

عرش کو جس نے کیا ہے بے سپر — آپ اُسی گھوڑے کی برقی ٹاپ ہیں
جو سبق طاغوت دیتا ہے انہیں — موسیو محمود دیتے چھاپ ہیں
قادیاں ہے چشمۂ آب حمیم — باپ پانی تھے تو بیٹے بھاپ ہیں

دیکھئے ملتی ہے کب اِن سے نجات
اور کب کٹتے ہمارے پاپ ہیں

---

۳۰ نومبر ۱۹۱۷ء

قادیاں کا تھیٹر

قول فیصل

إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ
تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

ترجمہ:۔ اگر تم ہمارا مضحکہ اڑاتے ہو۔ تو ہم تمہاری تضحیک تم پر لوٹ دیتے ہیں تمہیں جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ رسوا کرنے والا ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ ہم پر یا تم پر۔

اے طبع رسا آج ترا رنگ جما دوں
اور شوخیٔ تحریر کا اعجاز دکھا دوں

پہلے سبق حق تجھے قرآں سے پڑھا دوں
تنہا تجھے پھر لشکرِ باطل سے لڑا دوں

جو حیلہ نہ سوجھا ہو کبھی تجھ کو سجھا دوں
جو چال نہ چلنی تجھے آتی ہو سکھا دوں

ایمان کی بازی پہ اگر جان لگا دوں
شطرنج میں طاغوت پرستوں کو ہرا دوں

گر مردِ حق طیش سے غیرت کو ہوا دوں
اک پھونک میں ظلمات کی مشعل کو بجھا دوں

گر برقِ حمیت کو تڑپ کر میں گرا دوں
اک آگ خرافات کے خرمن میں لگا دوں

اسلام کے انعام یہیں سارے گنا دوں
دیں کے لئے کیوں عقد ثریا کو صلا دوں

مجھ میں جو یہ قدرت ہے کہ روتوں کو ہنسادوں
کوشش نہ کروں کیوں یہ کہ سوتوں کو جگادوں

دامانِ طلب کی نظر آجائے جو وسعت
گنجینۂ توحید سرِ راہ لٹادوں

ماروں اگر اک نعرہ ھُوَاللّٰہُ اَحَد کا
ہر بتکدۂ شرک کے گنبد کو ہلادوں

اک گرز کی قوت ہے مرے خامہ کے اندر
اس گرز سے البرز کو بھی سُرمہ بنادوں

مسلم ہوں میں طاقت ہے یہ میرے سراپا میں
رستے میں ہمالہ ہو تو ٹھوکر سے ہٹادوں

میرے نفسِ گرم کے پف میں ہے یہ تاثیر
گنگا مجھے روکے تو اُسے دم میں سکھادوں

سوئے ہوئے فتنوں کو جگایا ہے جنہوں نے
آغوشِ عدم میں اُنہیں سیلی سے سلادوں

جس ہاتھ نے "الفیل" کو "ماالفیل" بنایا
طوطے اڑیں اس کے جو ابابیل اڑادوں

اسلام کی محفل میں اگر کفر ہو داخل
رستہ اُسے دروازہ کا انگلی سے بتادوں

خاطر میں نہ لائے اس اشارے کو اگر وہ
میں کان پکڑ کر اُسے مجلس سے اٹھادوں

اس پر بھی وہ اکڑے تو اڑنگے ہی پہ لاکر
دوں پٹخنی ایسی کہ ثریا ہی دکھادوں

ہے جن کو محمد کی مساوات کا دعویٰ
منشورِ الٰہی جہنم کی وعید اُن کو سنادوں

گل اُن کے چراغ آج ہوں گرچہ بھی ہو تاب
اتنی ہی فقط دیر ہے چٹکی میں بجادوں

میرے لئے تفسیر تو اُن کے لئے تاویل
خود کھاؤں میں تماں انہیں زقوم کھلادوں

میں قائلِ الہام تو وہ مائلِ ابہام
کوثر میں پیوں آبِ حمیم اُن کو پلادوں

ہے میمنہ و مشئمہ میں فرقِ مراتب
اللہ کے لفظوں میں یہ فرق اُن کو جتادوں

اَلْمِلَّتُ لکم پڑھ کے زبانِ عربی میں
ظلّی و بروزی کی نبوّت کو مٹا دوں

کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے
انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں

جن کو نہ ہو کچھ پاس پیمبر کے ادب کا
چن چن کے میں اس قوم کو مٹی میں ملا دوں

اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت
میں اس کے لئے راہ میں آنکھوں کو بچھا دوں

غصہ جو اسے آئے تو آ جائے مجھے پیار
دشنام وہ دے مجھ کو تو اس کو میں دعا دوں

لیکن جنہیں اسلام کی تضحیک ہے منظور
کس طرح میں اس قوم کی باتوں کو بھلا دوں

پھر کس لئے دریائے معانی نہ رواں ہو
جس میں انہیں مثل خس و خاشاک بہا دوں

انگشتِ شہادت ہے تضالات وہبل کی
منہ کے بل انہیں ایک اشارے سے گرا دوں

یکم نومبر ۱۹۱۷ء

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُن کے دیرینہ منظورِ نظر

کس ناز سے فرماتے ہیں "الفضل" میں محمود
اِسلام کا دُشمن ہے یہ کمبخت بُخاری

بھیجا یہ بخاری نے "زمیندار" کو پیغام
معشوق جو پیارا ہے تو گالی بھی ہے پیاری

---

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

عروسِ آسمانی

خدا شرمائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے
نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

خدا نے عقد خود باندھا تھا جس کا اپنے باوا سے (۱)
اڑا کر لے گئے غیر اس عروسِ آسمانی (۲) کو

نشاط افروزیاں رودِ بیاس اور اس کے ساحل کی
دوبالا آئے دن کرتی ہیں لطف زندگانی کو

دبستانوں میں درس مشی فی النوم آج ملتا ہے
شبستانوں میں دہراتے ہیں اس رنگیں کہانی کو

بخاری نے جسے تاکا تھا دور جاہلیت میں
وہ شان کود کی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے گر کعبہ میں لندن میں گاڑو قادیانی کو

مری تخییل کی جولانیاں بھی دیکھتے جانا
اگر دیکھا تو کیا دیکھا سمندر کی روانی کو

۱۵؍ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء

(۱) انا منک و انت منی بمنزلۃ ولدی
(مرزا غلام احمد قادیانی کا الہام)

(۲) محمدی بیگم

قادیاں لندن میں

عناد اور بغض کی تصویر بن کر
گئے لندن بشیر الدین محمود

یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے
کہ سرحد پہ بچھا دی جائے بارود

دکھائے یورپ آ کر اس کو بتی
جہنم کی لپیٹ جس میں ہو موجود

یہ ساری سرزمیں پھر بھک سے اڑ جائے
اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود

کوئی اس دین کے دشمن کو سمجھائے
کہ ساری کوششیں تیری ہیں بے سود

بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے
کہ دوزخ میں تیری خاطر پڑے کود

ہے تو بھی کیا کسی کرنیل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

دورِ جاہلیّت کی یاد

زنداں کی تنہائی میں سید عطاء اللہ بخاری کی پرانی گنہگاری اِس طرح گنگناتی ہوئی سُنی گئی۔

بگڑتا اِس لئے ہے آج مجھ سے اتقا اُن کا
کہ دورِ جاہلیت میں مرا دل اُن پہ مائل تھا

زکوٰۃِ حُسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے لئے ٹلتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

مرے ہونٹ آشنا تھے اُن کے لب ہائے عقیقی سے
مرا ہاتھ اُن کی نور افروز گردن میں حمائل تھا

پیمبر زادگی اُن کی مرے آڑے تو آتی تھی
مگر میں اس نبوت کا نہ قائل ہوں نہ قائل تھا

میں رند لم یزل ہوں اس کی کچھ پروا نہ تھی مجھ کو
کہ اُن کے اور میرے درمیاں اسلام حائل تھا

مُسلماں ہو کے انگریزوں کے ناوک سے ہوا زخمی
مرا یہ دل جو اُن کے خنجرِ مژگاں کا گھائل تھا

فحاشِ زمان میر قاسم علی قادیانی

یہ چند اشعار فحاشِ زمان و سبابِ دوراں میر قاسم علی قادیانی کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کئے جاتے ہیں

محمد غوث کی مسجد میں کل شب
اِدھر میں پڑھ رہا تھا سورۃ الناس

اُدھر اپنے بہشتی مقبرے میں
یہ سازش کر رہے تھے چند خناس

کہ جس کو قادیاں سے دشمنی ہو
کرو سب مل کے اس کا ستیاناس

ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے
کوئی "نقاش" ہو یا کوئی "عکاس"

مغلظ گالیاں وہ وہ انہیں دو
کہ بھولیں اپنی نستعلیق بکواس

جب ان سودائیوں کو میں نے دیکھا
لگا کر حکمت یثرب کی کمپاس

تو بھیجا اُن کے پاپا کو یہ پیغام
علاج اس خلط کا بھی ہے مرے پاس

کھلاؤں گا تمہیں پہلے میں گلقند
پلاؤں گا تمہیں پھر میں اماناس

---

۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

شیرِ کشمیر

تنگ جب آئے شیخ عبد اللہ
میرے چبھتے ہوئے سوالوں سے

تو کہا مجھ کو اختلاف نہیں
میرِ واعظ کے ہم خیالوں سے

میں بھی پیتا ہوں اُن کی طرح شراب
رات دن نیٔر بی پیالوں سے

مذہباً قادیاں سے ہوں بیزار
خُوب واقف ہوں اُس کی چالوں سے

ہوں سیاست میں لیکن اُس کا مرید
اور یہ رشتہ ہے چند سالوں سے

میں کلیسا سے لڑ نہیں سکتا
ضد ہے مجھ کو فقط شوالوں سے

"شیرِ کشمیر" بن گیا ہوں میں
فقط "الفضل" کے مقالوں سے

آہ کیا انقلاب ہے کہ شریف
گلے ملنے لگے رذالوں سے

اتفاقات ہیں زمانے کے
شیر دبنے لگے شغالوں سے

۱۱ستمبر ۱۹۳۲ء

علمائے امت سے شکوہ

خدارا کھول آنکھ اور دیکھ تو اے ملّتِ بیضا
کہ تیری کیا روش ہے اور ہے کیا رفتارِ دُنیا کی
ادھر دنیا و مَا فِیہا سے تو اس وقت تک غافل
ادھر اسلام پر برسوں سے پیہم یورش اعدا کی
کھلانا چاہتے ہیں دشمنِ کعبہ مسعلیٰ ہیں
جو لبرل کو کبھی پولو تو لوری کو کبھی ہاکی!
بشیر الدین محمود اُٹھ کے پھیلاتا ہے بے کھٹکے
فرنگستان کے سایہ میں خرافات اپنے باوا کی
چھپے ہوں سو حسینؓ ابنِ علیؓ جس کے گریباں میں
رسائی جس کے منبر تک نہ ہوتی ہو مسیحا کی
تمسخر ربِ اکبر سے تلعب دینِ برحق ہے!
کہاں تک بڑھ گئی اس دشمنِ ایماں کی بے باکی

محمدؐ سے خطا ممکن مگر بے عیب ذات اُس کی
خدایا تُو کہاں ہے کیا ہوئی تیری غضب نا کی

کبھی حج ہو گیا ساقط کبھی قیدِ جہاد اُٹھی
شریعت قادیاں کی ہے رضا جوئی نصاریٰ کی

قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے عالمانِ دیں ہیں تم سے بے سبب شاکی

۱۴- اکتوبر ۱۹۳۱ء

حدیث قادیاں

رواہ بخاری

حقیقت قادیاں کی پُوچھ لیجے ابن جوزی سے
نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلا ہے

یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پر
مُسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح چھیلا ہے

پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوشِ عشرت میں
نبوّت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے

نصاریٰ کی رضا جوئی ہے مقصد اس نبوّت کا
اور ابطالِ جہاد انجاحِ مقصد کا وسیلا ہے

بیاس اور اُس کی موجیں آئے دِن کرتی ہیں غمازی
کہ پوتا قادیاں کے ربِ اکبر کا رنگیلا ہے

کیا صاد اس پہ اک گل پیرہن کی آپ بیتی نے
بخاری کی یہی اب تک روایت تھی کہ ڈھیلا ہے

قادیانی پروپیگنڈا

اپنی جیبوں سے رہیں سارے مسلمان ہشیار
کچھ یہود آتے ہیں ۲ر جون کو چندے کے لئے

شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کے لئے

گردنِ ملّتِ مرحوم کو پھرتا کاٹا ہے
نام توحید پہ تثلیث کے پھندے کے لئے

قادیاں کو غرض اسلام کی تبلیغ سے کیا
یہ تگ و دو ہے فقط پیٹ کے دھندے کے لئے

اب بھی کیا دیجئے گا چندہ بشیر الدیں کو
شیرمال اور کباب اور لپنڈے کے لئے

الحذر

تم اپنے جبر پہ نازاں ہو وقت سے پہلے
ہمارے صبر کی افتادِ ناگہاں سے بچو

بچا لیا تمہیں توپوں نے اور تفنگوں نے
مزا تو جب ہے کہ مظلوم کی فغاں سے بچو

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے
تو قادیانیوں کے تیرِ بے کماں سے بچو

دمشقیوں سے خطرناک تر ہیں اُندلسی
گر اُن کی ایں سے بچو ہو تو ان کی آں سے بچو

جو بات بات میں تم کو "حرام زادہ" کہے:
ہر ایسے سفلۂ بداصل و بدزباں سے بچو

بچو فرنگ کے حیلوں کی بے پناہی سے
اُسی طریق سے جس طرح قادیاں سے بچو

نہیں پسند غلامی اگر نصاریٰ کی
تو "انقلاب" اور "الفضل" و "الاماں" سے بچو

نہ لاؤ دل میں وہ ظن جس سے شرع منع کرے
گناہ جس سے ہو پوشیدہ اس گماں سے بچو

اگر عزیز ہے آزادیٔ وطن تم کو
تو سر شفیع کے گمراہ کن گماں سے بچو

پیام دے کوئی احباب کو یہ جا کے مرا
کہ جس میں پورے نہ اترو اس امتحاں سے بچو

نہیں ہے خونِ شہید اس لئے کہ مفت بہے
خدا کے واسطے ایثارِ رائیگاں سے بچو

بچو خدا کے غضب سے تو ایک بات بھی ہے
یہ کیا کہ خطرۂ خشمِ خدائگاں سے بچو

نبیؐ کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو
عتابِ حضرتِ آقائے دو جہاں سے بچو

حذر ہیں اور بھی واجب مگر کہاں تک ہیں
بتائے جاؤں یہ تم کو فلاں فلاں سے بچو

۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء

"زمیندار" بزبانِ انگریزی

نکل آیا زمیندار آج انگریزی زباں میں بھی
یہ جنسِ بہتری پہنچی ہے مغرب کی دکاں میں بھی

پڑا ہے اک نئی آفت سے استعمار کو پالا
پڑی ہے کھلبلی آتے ہی جس کے قادیاں میں بھی

نہ سمجھا ہو تو اب سمجھے گا انگریز اس حقیقت کو
کہ زورِ اسلام کا ٹوٹا نہیں ہندوستاں میں بھی

کیا تھا جس کی گیرائی نے تسخیر اک عالم کو
وہ قدرت ہے مرے اس خامۂ معجز بیاں میں بھی

سنا ہے تم نے میری مشرقی فریاد کو برسوں
یہی جادو ہے میری مغربی طرزِ فغاں میں بھی

مذاقِ فتنہ میں ہر حرف میرا جاگزیں ہو گا
وہ فتنہ جو نہیں اغیار کے وہم و گماں میں بھی

ترا فضل و کرم شامل رہا ہر آزمائش میں
الٰہی مجھ کو کر دے کامیاب اس امتحاں میں بھی

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

مداری کی پٹاری

قسم ہے قادیاں کے گلرخوں کی گل عذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

پرستاں کو نہ شرمائے بھلا قصرِ خلافت کیوں
کہ فصلِ گل ہے اور آمد ہے ابرِ نوبہاری کی

بشیر الدین، اور کشمیر کی ہمدردیاں چھوڑے
نظر نخچیر سے تم پھیرتے ہو اک شکاری کی

جوابِ "الفضل" کا ترکی بترکی دے تو دیں ہم بھی
اتاریں کیسے لیکن نقل اصوات حماری کی

مرے ہر شعر کی زد کاسۂ سر پر ہی پڑتی ہے
نہ لائے گا کبھی محمود تاب اس ضرب کاری کی

یہ مانا بھول جائے قادیاں میرے تحائف کو
مگر کیا بھول سکتا ہے وہ سو نائیں بخاری کی

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء

قادیانی بھٹیاری

اے کہ ہے اپنی رواداری پہ تجھ کو فخر و ناز
قادیاں میں کافروں کی مومن آزاری بھی دیکھ

خواجہ اجمیر کی درگاہ دیکھ آیا ہے تو!
اب بہشتی مقبرہ کی چار دیواری بھی دیکھ

ترمذی کو اور بخاری کو رٹا تو کیا ہوا
قادیاں جا اور غلام احمد کی الماری بھی دیکھ

تو نے اپنی فوج کی دیکھی قواعد مدتوں
اب نصاریٰ کے رضاکاروں کی تیاری بھی دیکھ

کاٹنا مقصود ہے اسلام کا جس سے شجر
قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

مشئی فی النوم اور اُس کے فلسفہ پر کر نظر
قادیاں کی نازنینوں کی طرح داری بھی دیکھ

سُن لے اپنے کان سے "الفضل" کی گالی گلوچ
لکھنؤ شرما گیا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ

آج آتا ہے نظر گر تجھ کو باطل سربلند
اپنی آنکھوں سے کل اُس کی ذلّت و خواری بھی دیکھ

۲۱ ستمبر ۱۹۳۲ء

فتنۂ آخر زماں

ہلا دیں زلزلے نے مشرق و مغرب کی بنیادیں
اُدھر برطانیہ کانپا اِدھر ہندوستاں لرزا

ہر اک کشور کے ہر گوشہ میں ہیبت چھا گئی اُس کی
فضائے باختر لرزی سوادِ قیرواں لرزا

گرفت اُس کی جہاں پیما فشار اُس کا جہاں افگن
جہاں کیا چیز ہے کون و مکاں کا ہر رُواں لرزا

کرن سُورج کی تھرّانے لگی گردونِ گرداں پر
حرم کے کنگروں پر طائروں کا آشیاں لرزا

نئی دُنیا کا سقفِ زرنگار آیا تزلزل میں!
نئی تہذیب کے ایواں کا برقی نردباں لرزا

زمین و آسماں لرزے نشانِ حُجّتِ حق سے
لرزنا آدمی کے دل کو تھا لیکن کہاں لرزا

۲ر فروری ۱۹۳۴ء

سطوتِ کبریٰ کے حریفوں کا انجام

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی ترے دل کی مُراد
آخر آ ہی گئی کشمیر میں فوجِ انگریز

اگر انگریز ہے دُولہا تو ہے تُو اُس کی دُلہن
مل گیا تجھ کو ہری سنگھ کی دولت کا جہیز

کیوں نہ اب اُڑنے لگے تیری نبوّت کا سمند
چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز

خوانِ اسلام سے چندہ کا نہ کر لقمہ طلب
جبکہ چُن دی گئی ہے تیرے لئے کفر کی میز

چاک کر شوق سے ایماں کا گریباں کہ ہوا
بالکل آزاد ترا دستِ گریباں آویز

دھجیاں نامۂ سالارِ دو عالم کی اُڑا
اے کہ تجھ کو نہ رہا یادِ مآلِ پرویز!!

ہر وہ قوت جو ہوئی سطوتِ کبریٰ کی حریف
اُس کو میدانِ وغا سے نہ ملی راہِ گریز

آج تک خاک میں ملتی ہی چلی آئی ہے
ہر وُہ طاقت جو مسلماں سے ہوئی گرمِ ستیز

۶ر دسمبر ۱۹۱۳ء

پیغمبرِ قادیاں کا ترانہ

تکمیل عمر بھر مرے القاب کی نہ ہو
ان پر اگر اضافہ سی۔آئی۔ڈی نہ ہو

بغداد کے سقوط کا قصہ ہے ناتمام
جب تک کہ اس میں درج مری ڈائری نہ ہو

ہنستا ہے میرے حال پر ظالم ابوالوفاء
ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

مارا کسی نے شملہ میں میرے جگر میں تیر
لاہور کا کہیں یہ محمد علی نہ ہو

میری بلا سے مکہ لٹے کربلا لٹے
چندے سے ہے غرض مجھے اس میں کمی نہ ہو

یہ کس کتاب میں ہے کہ خیر البشر کے بعد
ہرگز کسی کو دعوئ پیغمبری نہ ہو

کیا مصطفٰے کے بعد نہ آیا مسیلمہ
پھر قادیاں میں کس لئے مجھ سا نبی نہ ہو

اس اخرجوا الیہود کا قائل نہیں ہوں میں
برطانیہ سے جس کی سند مل سکی نہ ہو

پیش نظر اگر ہے خلافت کی کانٹ چھانٹ
پھر قادیاں ہی کس لئے کنٹرری نہ ہو

جس کے ثمر مرے لئے اس درجہ تلخ ہوں
اسلام کی وہ شاخ خدایا ہری نہ ہو

حضرت پاپائے قادیاں کے حضور میں

مسرت کی تانیں اُڑائے چلا جا
محبت کی پینگیں بڑھائے چلا جا

غنیمت سمجھ فرصت عاشقی کو
حسینوں سے آنکھیں لڑائے چلا جا

تری بات پر گر نہ ایمان لائے
مسلماں کو کافر بنائے چلا جا

سنا جاہلوں کو نبوت کی باتیں
پیمبر کا رتبہ گھٹائے چلا جا

بھلائے چلا جا خدا کے غضب کو
شریعت کی بنیاد ڈھائے چلا جا

ترے مقبرے کے بہشتی بھی سن لیں
میرے شعر چمٹے پہ گائے چلا جا

قادیاں کی نبوّت

بروزی ہے نبوّت قادیاں کی
برازی ہے خلافت قادیاں کی

عداوت حق سے باطل سے محبّت
ہے اتنی ہی حقیقت قادیاں کی

ہیں احمق جس قدر ہندوستاں میں
ہے آباد ان سے جنّت قادیاں کی

نصاریٰ کی پرستش کے سب اسرار
سکھاتی ہے شریعت قادیاں کی

دمشق اور اندلس کے بھاگ جاگے
بٹی جس وقت لعنت قادیاں کی

مُسلمانوں کی آزادی ہو نابُود
الم نشرح ہے نیت قادیاں کی

لگے رونے بشیر الدین محمود
بنائی میں نے وہ گت قادیاں کی

با ریش بابا ہم بازی

شایگاں گنجے کہ عمرِ رائگاں را حاصل است
قطرۂ خونِ امید استے کہ بنگاہش دل است

در حقِ من ہر چہ "افضل" از رہِ تعریض گفت
باطل اندر باطل اندر باطل اندر باطل است

دستِ گستاخش نگر بر ریشِ بابا ہم رسید
طفلکِ ناداں ز بازیہائے بابا غافل است

دیدہ مینارہ بر سرزمینِ قادیاں
آنکہ بنیادش ز خشتِ اولینِ بابل است

باش تا بینی کہ خاکش در جہاں بر باد رفت
قادیاں دنیائے سفلی ہست و خاکش سافل است

۲۰ ستمبر ۱۹۲۸ء

علمی اور اخلاقی نظمیں

پیغام سحر

اسلام کی شوکت کا افسانہ سناتا ہوں
کیا اصل حقیقت ہے دارا و سکندر کی
مسلم کی وہ طینت ہے کہ جو ساقی یثرب نے
وحدت سے معنبر کی ایماں سے مخمر کی

پیغام سحر لایا پھر صبح کا سیارہ
خورشید کے چہرے سے پھر چادر شب سرکی

غزل

بڑھا ہے آگے کو روزِ روشن ہٹی ہے پیچھے کو رات کالی
بچھڑ گیا آسماں کا میلہ ہوئی ستاروں سے بزم خالی

ہنسا کے بجلی کو ابر رویا جگا کے سورج کو چاند سویا
یہ نقش ہستی ہے اِعتباری کہیں جلالی کہیں جمالی

کسی کی چلتی نہیں یہاں کچھ پکارتے سب ہیں ماعرفنا
وہ فخر رازی ہوں یا فلاطون جلال رومی ہوں یا غزالی

کیا ہے ایجاد دماغ و دل نے نئے نئے گل لگے ہیں کھلنے
کسی نے برقع اتار پھینکا کسی نے چلمن ہی توڑ ڈالی

جدا ہے مقسوم اپنا اپنا الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
دیا ہے اُس شوخ دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی

عطا کیا طبع نکتہ رس نے مرے قلم کو سخنوری میں
خیال انوکھا بیاں اچھوتا زباں نئی اور روش نرالی

۱۸۹۶ء

غزل

ہے مری کل کائنات اک دل امیدوار
اس پہ بھی لیکن نہیں آہ مجھے اختیار

زندۂ جاوید اُسے کہتے ہیں اہل نظر
سر میں سمایا ہوا جس کے ہو سودائے یار

کیا ہے بجز صبر و شکر چارۂ دردِ فراق
یا بجز امید و بیم حاصلِ عشقِ نگار

حاصلِ عمرِ عزیز ہے فقط اتنا کہ ہوں
میں نظرِ دوست میں منفعل و شرمسار

کوہِ الم سر پہ ٹوٹ تیرِ ستم دل کو چھید
ہے سر و سینہ مرا وقفِ جفائے نگار

عشق سے کرتے ہو منع بات تو کہتے ہو سچ
حضرتِ ناصح مگر دل پہ کسے اختیار

سینہ میں دل غرقِ خون آنکھ میں دنیا سیاہ
کیوں نہ ہوں منت کشِ لعلِ لب و زلفِ یار

لازم و ملزوم ہیں راحت و رنجِ جہاں
کیفِ مئے خوشگوار کا ہے نتیجہ خمار

ہیچ میرزی میری کام مرے آگئی
خاکِ درِ یار ہوں گرچہ ہوں مشتِ غبار

ہے علم افراز عشق ہے نظر افروز حسن
برقِ تجلی گری طور ہوا بے قرار

عمر گنوا دی یونہیں کر کے تمہارا کہا
اے سرِ بیہودہ گرا اے دلِ بیہودہ کار

۱۸۹۸ء

غزل

وہ کافر آج دل کا لینے کو امتحان ہے
تنتے ہوئے ہیں ابرو چڑھتی ہوئی کماں ہے

کس کام کی وہ الفت جو جاں ہی لے کے چھوڑے
ہم تو نہیں اس کے قائل ہے جان تو جہاں ہے

اُس نازنیں کے دل پر نالہ کا کب اثر ہو
بامِ وصال اونچی اور پست نردباں ہے

میرے جلے ہوئے دل کی لو ہے راکھ میں بھی
بجلی گری ہے جس پر میرا ہی آشیاں ہے

ہے میرے دودِ سودا کا ایک یہ کرشمہ
لوگوں نے جس کو سمجھا بھولے سے آسماں ہے

مجھ کو کسی طرح کی اُس سے نہیں شکایت
آنکھوں سے وہ نہاں ہے دل میں مگر عیاں ہے

دیکھو تو شوخ چشمی یادِ عدو نے آ کر
میرے ہی دل میں ڈھونڈا اُس شوخ کا نشاں ہے

داغِ جگر کے لالے لہکیں گے عمر بھر تک
میری بہار وہ ہے جس کی نہیں خزاں ہے

شہر آشوب

آج جو رسوا ہیں کل ہوگا انہیں کا احترام

(حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کی ایک نظم بلباس اردو)

اے صبا جا کر مدینے کو مرا پہنچا سلام / وہ مدینہ جس میں ہے ارباب حکمت کا مقام

پھر بتا مجھ کو کہ سب احباب ہیں کس رنگ میں / دے چکے جس وقت جا کر اُن کو یہ میرا پیام

عہد و پیماں پر زمانہ کے نہ بھولو دوستو / نقض عہد اس کی ہے عادت بے وفا ہے اس کا نام

اِس دیار علم ہی کی پائمالی دیکھ لو / آسماں نے جس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام

غرہ دنیا کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر / یاد ہے اِسلام کا تم کو جلال و احتشام

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے قرلغونی امیر / جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام

خاکِ خُتلاں روند ڈالی جس کے پیلِ مست نے / ہند تک پہنچا تھا جس کا توسنِ محشر خرام

تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اُس کے سامنے / دے خدائے پاک سلطاں کو حیاتِ مستدام

گر چبانا چاہتا تھا کوئی لوہے کے چنے / شاہ کے اقبال سے مکھن وہ بنتے تھے تمام

ذکر کل کا ہے کہ ہم بھی قبلۂ حاجات تھے
اہلِ ایماں کے لئے ہو جس طرح بیت الحرام

اب کہاں ہے اُس کی سطوت اور کہاں اُس کا شکوہ
برج سرطاں سے بھی اونچا تھا کبھی جس کا مقام

رہ گیا زابلستانی ٹھاٹھ سب یوں ہی دھرا
جب اجل نے کوچ کا آکر دیا اُس کو پیام

خوفِ دشواری عناں گیرِ ہر آسانی ہوا
اس لئے جمعیتِ خاطر ہے اک امیدِ خام

آسماں نے اختیارِ قیصر و فغفور سے
دولت و اقبال کی پل بھر میں چھینی ہے زمام

آسماں بچ نہیں سکتے گہن کے داغ سے
اس درخشانی پہ مہرِ انور و ماہِ تمام

ایک دن تقدیر گھورے کی بھی جاتی ہے پلٹ
آج جو رسوا ہے کل ہوگا اسی کا احترام

چاند سے سیکھو کہ ہے اوساطہا خیر الامور
بدر کیوں گھٹتا اگر پہلے ہی رہتا ناتمام

بادۂ پندار سے گر اہلِ عالم مست ہیں
دُور ہی سے تجھ کو لازم ہے انہیں کرنا سلام

بسکہ ہیں طاؤس کے پر دیدہ زیب اور دل فریب
کام کرتا ہے شکاری اس لئے اس کا تمام

جسم ہے زنجیر اور دُنیا ہے زنداں کی مثال
چند دن اس قید خانہ میں ہے انساں کا قیام

علم اور طاعت سے ہے عاری تری جانِ حزیں
اکتسابِ علم و طاعت سے کر اس کو شادکام

ہے زمیں دنیا عمل بیج اور دہقاں جاں تری
چاہئے دہقاں کو کھیتی میں بہت ہی اہتمام

خوشہ چینی آج کل کر لے کہ ہے فصلِ ربیع
تا کہ جاڑے کے دنوں میں آئے یہ سرمایہ کام

سنہ ۱۸۹۹ء

صد نقش بہ یک پردہ

"انگلستان کے مشہور فسانہ نویس کے ناول "پیپل آف دی مسٹ" کا ترجمہ میں نے اردو زبان میں "سیرِ ظلمات" کے نام سے بزمانہ قیام حیدرآباد دکن کیا تھا۔ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اسوقت یہ کتاب نایاب ہے، کیونکہ طبعِ ثانی کی فرصت مکروہاتِ زمانہ نے نہیں دی۔ نظمِ ذیل "سیرِ ظلمات" کا دیباچہ ہے:-

خواستم گفتن از اعجازِ نگارش سرّے — منکہ صد نقش بہ یک پردہ ہویدا کردم
رہنمونم خضرے گشت کہ از تائیدش — درِ ظلمات بہ افسونِ قلم وا کردم
آمد از جانبِ لندن چو عروسِ معنے — من زِ پیرایۂ دہلیش محلّا کردم
گیسوئے خامۂ من مشک فشاں گشت ہمی — رشکِ صد تبّت و تاتار و پا کردم
آمدم از درِ تہذیب و تمدّن گاہے — گہ تماشائے کہ و وادی و صحرا کردم
پردہ برداشتم از چہرۂ فطرت گاہے — قوتِ واہمہ را گاہ تجزّیٰ کردم

کاشتم سنبلِ فکرت بہ زمینِ انشا
کشتِ خودروکشِ گلگشتِ مصلا کردم

جون سنہ ۱۹۰۰ء

کُتّے سے پڑھو سبق وفا کا

(ایک انگریزی نظم کا ترجمہ)

اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا — دامنِ کوہ میں چراتا تھا
کہ ہُوا ناگہاں بلند اک غل — اُس نے کچھ دُور ایک شور سُنا
لومڑی جیسے چیختی ہو کوئی — بھونکتا یا ہو جس طرح کُتّا
رُک کے کہسار میں گڈریئے نے — آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا
اور گھنی جھاڑیوں کے پتّوں میں — ایک کُتّا اُسے نظر آیا
اس علاقہ کے سارے کُتّوں سے — نسل اُس کی جدا تھی ذات جدا
ہر قدم پر ذرا سے کھڑکے سے — چونکتا تھا وہ اور جھجکتا تھا
اس کی آواز سے بھی وضع سے بھی — درد اور اضطراب تھا پیدا
پیش و پس راست و چپ فراز و زیر — متنفس نہ تھا کوئی اُس جا
نہ سُنی کوئی گونج سیٹی کی — نہ کسی کے پکارنے کی صدا

ہوئی پوپاں کو تب تو حیرانی / کہ یہ کتا یہاں ہے کرتا کیا
غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ / جس میں یخ موسم دسمبر کا
جمع رہتا تھا جون تک پیہم / گرمی آتی نہ تھی یہاں گویا
اس کے نیچے تھی جھیل اک گہری / اس کے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا
جبل ہیلوِلن کے بیچوں بیچ! / یہ خطرناک غار واقع تھا
نہ یہاں پر تھی کوئی آبادی / نہ کہیں آدمی کا نقش پا
مچھلیاں جھیل پہ یہاں لیکن / بھرتی تھیں گاہ گاہ فرّاٹا
کوّے کرتے تھے کائیں کائیں کبھی / اور اسے ٹیکرا تھا دہراتا
کبھی قوسِ قزح یہاں آئی / کبھی ابرِ سیہ یہاں چھایا
آ کے تانا یہاں گھٹا نے کبھی / تیرہ و تار سائبان اپنا
کبھی خورشید کی شعاعوں نے / آ کے اپنا یہاں علم گاڑا
لوٹ آتی تھی گونج ٹکرا آواز / ایسا مشکل گذار تھا یہ درہ
دیکھی حالت یہ جب گڈریئے نے / اُس کے دل میں معاً ہوا کھٹکا
جلدی جلدی قدم بڑھائے ہوئے / ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا
اُس کڑاڑے پہ چڑھ گیا وہ جہاں / بھونکتا تھا کھڑا ہوا کتّا
نہ گیا تھا ابھی زیادہ دُور / کہ پڑا اُس نے راہ میں پایا

لاشہ اک آدمی کا بوسیدہ — رہ گیا تھا فقط ڈھچر جس کا
دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک — خوف دل پر شبان کے چھایا
نیچے اُوپر نگاہ دوڑا کر — اُس نے اپنا قیاس دوڑایا
کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے — اور مرا کس طرح یہ بے چارا
سامنے پُرخطر چٹان تھی جو — اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا
اب حقیقت کھلی گڈریئے پر — اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا
یک بیک یاد آگیا اُس کو — اک مُسافر کا نام اور پتا
جو کہ اس راہ سے فلانے روز — ایک کتے کے ساتھ تھا گذرا
طرفہ ایک ماجرا سنو لیکن — مَیں نے جس کے لئے یہ قصہ لکھا
لوحِ جاں پر گر آبِ زر سے اسے — کیجئے نقش تو نہ ہو بے جا
ابھی تک بے قرار ہو ہو کر — تھا وہ کتا کھڑا ہی بھونک رہا
ہو گئے تھے اُسے مہینے تین — رہتے رہتے یہاں صباح و مسا
یہی کہسار اس کا مسکن تھا — یہی ویرانہ اس کا ملجا
اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جس دن سے — گر کے یہ بد نصیب شخص مرا
سگِ اصحابِ کہف کے مانند — اس جگہ سے یہ باوفا کتا
نہ ہلا ایک دم بھی اور کہیں — اس کے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا

پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز — اپنے آقا کو جان کر سوتا

گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک — اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا

کیفیت اس کی مجھ کو کیا معلوم — جانے اس سرگذشت کو وہ خدا

جس نے الفت دلوں میں پیدا کی — جس نے کتّے کو کی وفا وہ عطا

کہ نہیں ممکن آدمی کے لئے

ہو سکے اس کے حق سے عہدہ برا

۵۔ اگست سنہ ۱۹۰۰

اپنا نظم

(محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ مدراس کے اجلاس میں پڑھی گئی)

کیوں نہ ہو آج کی محفل کا نرالا انداز
اس کا ساماں ہے نوی شوق ہے اس کا پرواز

اس کے ہاتھوں پہ حنا بند ہے اُس خوش کا رنگ
جس سے اسلام کا عالم میں ہُوا تھا آغاز

قالب علم میں اس بزم نے پھُونکی ہے وہ رُوح
جس پہ دہلی کو تھا فخر اور تھا بغداد کو ناز

اُن کمالات و فضائل کے یہاں چرچے ہیں
اندلس کے جو کسی وقت میں تھے چہرہ طراز

جلوہ آرا وہ حقیقت ہے یہاں آج کے دن
دے گیا جس کی خبر عہد گذشتہ کا مجاز

شکر صد شکر کہ ہم خواب گراں سے جاگے
لِلّٰہِ الحمد ترقی کا کھلا ہم پہ راز

گئے وہ دن کہ تھے ہم مست شراب غفلت
گئے وہ دن کہ جہالت تھی ہماری دمساز

گزرا وہ عہد کہ تھے پر وہ در اپنے اوہام
گیا وہ دور کہ ادبار تھا اپنا غماز

بخت خوابیدہ نے اسلامیوں کے کروٹ لی
آئی ناگاہ علی گڈھ کی طرف سے آواز

جاگ اے قوم حزیں نیند یہ آخر کب تک
محوِ آرام ہے تو غیر ہیں صرفِ تگ و تاز

ایک وہ دن تھا کہ شیوہ تھا ترا ناز و غرور
ایک یہ دن ہے کہ آئیں ہے ترا عجز و نیاز

کل تھی شہباز تو اور دوسری قومیں عصفور
آج عصفور ہے تو دوسری قومیں شہباز

گر حکومت ترے ہاتھوں میں نہیں ہے نہ سہی
نہیں زنہار کسی کی یہ عروسِ طنّاز

دولت حکمت و دینداری و ہمت لیکن
چھین سکتا نہیں تجھ سے فلکِ عربدہ باز

تھا عجب طرح کا پنہاں اثر ان باتوں میں
اس صدا سے مترشح تھا عجب سوز و گداز

سنتے ہی درد ہر اک شخص کے دل میں اُٹھا
اور شکستہ پروں کو ہوا شوقِ پرواز

ہم پہ ہیں سید مرحوم کے بے حد احسان
جس کا ممکن نہیں انجام یہ ہے وہ آغاز

کس طرح شکر ادا اس کی عنایات کا ہو
وقت ہے مختصر اور اپنی حکایت ہے دراز

اس کی تقریر ہوئی غازۂ رخسارۂ سحر
اس کی تحریر بنی سرمۂ چشمِ اعجاز

اس نے سمجھایا ہمیں کسبِ فضائل کا لزوم
اس نے جتلایا ہمیں درکِ معارف کا جواز

اس نے ثابت کیا ہم پر کہ بغیر از تعلیم
نہ کبھی ہند میں ہوگا ہمیں حاصل اعزاز

یہ اسی شخص کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہاں
آج یہ بزم مرتب ہے بدیں زینت و ساز

اے خوشا بخت کہ اس میں اسلام پہ آج
پرچمِ فضل ہے مروحہ جنباں ہے بہ ناز

غلغلہ آج ہے برپا اس اخوت کا یہاں
تھا کبھی جس کے لیے شہرۂ آفاق حجاز

ایسے عالم میں نہ بیجا ہو با آہنگ دعا
اگر اس طرح میں بے ساختہ ہوں نغمہ طراز

اے خدائے دوجہاں کاشفِ اسرارِ غیوب — جس سے مخفی نہیں انسان کے دل کا کوئی راز

قوت اگلی سی عطا کر تو مسلمانوں کو — اور کر بارِ دگران پہ درِ حکمت باز

علم آئینہ اگر ہو تو سکندر ہو ہما

ہوں مسلمان جو محمود تو ہو علم ایاز

۱۹۰۱ء

انجمن اصلاح تمدّن حیدرآباد دکن

اکتوبر ۱۹۰۳ء

عندلیبِ زار کو تسکینِ گلبن چاہیئے — قوم کو تائیدِ اصلاحِ تمدّن چاہیئے
نغمۂ دوشینہ آرامِ دلِ وارستہ تھا — چھیڑ نی اب ہم کو شور افگن کوئی دھن چاہیئے
اے فلک قومِ حزیں پر سنگباری کے لئے — تجھ کو ہر روز اک نیا سنگِ فلاخن چاہیئے
چاہیئے یورپ کو شورِ بوق و کوسِ علم و فضل — ہم کو سارنگی کی رُوں رُوں اور ٹن ٹن چاہیئے
چاہیئے غیروں کو ہمت اور ہمیں دوں ہمتی! — استقامت اُن کو اور ہم کو تلوّن چاہیئے
گھر میں کھانے کو نہ ہو شادی بیاہوں میں مگر — قرض ہی لے لے کے برسانا ہمیں دھن چاہیئے
کچھ نہ ہم سمجھے کہ کیا ہیں معنیٔ لَا تُسْرِفُوْا — سرورقِ اپنی حکایت کا الغابن چاہیئے
ہم کو نکبت میں مگر رکھتا کہاں تک آسماں — آخر اس کی کوئی تو حدِّ تہاون چاہیئے
عزم کر بیٹھے مصمم چند دانشورانِ وقت — قوم کو اک بزمِ اصلاحِ تمدّن چاہیئے
اس نے ٹھیرایا ہے مقصد اپنا اصلاحِ رسوم — عقدۂ رسمیں ہیں تو کھُنا اس کو ناخن چاہیئے

سرپرست اس انجمن کے کرنل افسر جنگ ہیں
تجھ کو بھی اے بجنت اب مشقِ تعاون چاہیے

وقت آ پہنچا کہ ہو مسدود بابِ انحطاط
جڑ میں لگ جانا بُری رسموں کی اب گھُن چاہیے

شکر میں اس نعمتِ عظمیٰ کے ہم کو چومنا
نعلِ اسپِ شہسوارِ عرصۂ کُن چاہیے

قوم میں پیدا ہو جس سے جوہرِ مردانگی
ہم کو تفریح ایسی اور ایسا تفنن چاہیے

قوم وہ اچھی ہے رسمیں جس کی ہوں اچھی تمام
ہر مہذب قوم میں ہونا یہی گُن چاہیے

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بی بی سے جو وطن میں ہے

(ایک انگریزی نظم کا ترجمہ)

بزمِ دل میں جس کے روشن شمعِ یادِ یار ہو
ہے اُسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو

کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں
مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم
لوحِ دل پر ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم

غم کدہ میرا ترے ہونے سے عشرت خانہ ہے
تیری پیاری پیاری صورت زینتِ کاشانہ ہے

تو چراغِ منزلِ اُمید ہے میرے لئے
تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لئے

دیکھ کر دل میں تری تصویرِ روح آسا کو میں
بھول جاتا ہوں غمِ دُنیا و مَافِیہَا کو میں

ہے جھلک تیرے رُخِ انور کی اس میں جلوہ گر
جو دلارا ہے ترا اور ہے مرا لختِ جگر

اس کی آنکھوں میں چمکتی ہے وہ نورانی کرن
تیری چشمِ نرگسیں جس کا ہوا پہلا وطن

یہ کرن اُن بادلوں کو بھی ہے چمکائے ہوئے
میری پیشانی پہ ہیں جو آج کل چھائے ہوئے

ولولہ اُلفت کا جب ہوتا ہے دل میں جوش زن
آدمی کے لب پہ آجاتا ہے نامِ طفل و زن

جس طرح اپریل کی گرمی میں مرجھاتے ہیں پھول
گرتے ہی شبنم کے لیکن تازہ ہو جاتے ہیں پھول

ویسے ہی وہ دل کیا غم نے جسے تاراج ہے
صبر کا تسکین کا اُمید کا محتاج ہے

رحمت اُس کی رُوح پر جس کا ہے یہ قولِ مبیں
ہے صدائے بازگشت آوازِ ارواحِ بریں

ہے ندا جن کی جوابِ ان خاکیوں کی بات کا
جن سے تھا ان کو تعلق اس جگہ دن رات کا

اے مری پیاری گراں ہے تجھ پہ گریہ خاکداں
اور ہے تجھ کو تمنائے حیاتِ جاوداں

اس سے پہلے جبکہ میرا طائرِ رُوحِ حزیں
اس قفس کو چھوڑ کر تجھ سے ملے آکر وہیں

میں یہی الفاظ دُہراتا رہوں گا بار بار
جانِ من جانانِ من سُن دل سے ہُوں تجھ پر نثار

تاکہ اوپر سے اُٹھا دے تو نقابِ راز کو
اور تسکین پاؤں میں سُن کر تری آواز کو

جون ۱۹۰۵ء

انجمن حمایت اسلام

اے ساکنانِ بلدۂ لاہور آج شام — میں آپ کو سناؤں گا باتیں کھری کھری
میری یہ داستاں ہے مرے درد کا نچوڑ — دل سے نکل رہی ہے کہانی یہ دکھ بھری
پینتیس سال گزرے کہ کچھ اہلِ دل بزرگ — اُٹھے کہ اپنی قوم کی فرمائیں رہبری
ڈالی اک انجمن کی بنا اپنے ہاتھ سے — اسلام کے لئے ہوئی جو وجہِ برتری
اس انجمن کے واسطے اپنی تمام عمر — کرتے رہے یہ دین کے خادم گداگری
تا آنکہ آگئی چمنِ علم میں بہار — اور شاخِ دینِ مصطفوی ہوگئی ہری
لاہور نورِ علم سے رخشندہ ہوگیا — شرمندہ جس سے ہوگیا خورشیدِ خاوری
پھر یک بیک ہوا گئی پنجاب کی پلٹ — گردش میں آخر آہی گیا چرخِ چنبری
رجعت پسند ہوگئے ملت کے سنگ راہ — اسلام کی اُجڑ گئی کھیتی ہری بھری
باطل کا غلغلہ ہوا افلاک تک بلند — قرآں میں بند ہوگئی حق کی نواگری
چاندی سمجھ رہے تھے جسے ہوگئی خزف — ہیرا جو تھا وہ بن گیا پل بھر میں کنکری

سر جھک گیا حمایتِ اسلام کا وہاں
جھکتا جہاں تھا کفر کا اکلیلِ سروری

اس وقت ہم کو کوئی سلیماں چاہیئے
باطل اگر ہے دیو تو ہے انجمن پری

اے قوم مژدہ ہو کہ سلیماں بھی آ گیا
باطل ہوا اجنہ کا دعوئ خود سری

جبروتیوں نے دین کا ڈنکا بجا دیا
طاغوتیوں کی اب نہ چلے گی فسوں گری

وقت آ گیا کہ ہو علم اسلام کا بلند
اقبال اس انجمن کے بنے ہیں سکرٹری

نواب ذوالفقار علی خاں ہیں اس کے صدر
کیوں جلوہ ریز اس میں نہ ہو شانِ حیدری

چشمہ ابل رہا ہے محمدؐ کے نور کا
اب ہم ہیں اور اس میں ہماری شناوری

اسلامی یونیورسٹی

مسلمانو! یہ جو سید احمد خاں کے احساں ہیں
کہ نقشِ فی الحجر سرمایۂ لوحِ دل و جاں ہیں

اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو
اثر جس عامِ بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں

اسی کی پُرہنر شیرازہ بندی کے تصدق میں
مجزا نسخۂ ملت کے اوراقِ پریشاں ہیں

حضورِ سرورِ کون و مکاں سے اس کو ترکے میں
ملا وہ دردِ مضمر قوم کے سب جس میں درماں ہیں

جگایا اس نے ہم سوتے ہوؤں کو خوابِ غفلت سے
وہ غفلت بستیاں جس سے ہوئیں قوموں کی ویراں ہیں

ہر اک دل میں لگا دی اک نئی ایسی لگن اس نے
کہ آتش زیرِ پا اس وقت تک اس سے مسلماں ہیں

ریاضِ قوم کو ازبسکہ سینچا اس کے اشکوں نے
بہاریں اس کی رشکِ رونقِ گلزارِ رضواں ہیں

وہ خود تو خلد میں ہے کارنامے اس کے سب لیکن
مہ و خورشید کے مانند تاباں اور درخشاں ہیں

علی گڑھ میں کیا قائم وہ دار العلم سید نے
ثنا خواں ہیں پرائے جس کے اپنے جس پہ نازاں ہیں

یہ دار العلم اب بھی گرچہ ہے اسلام کا مرکز
فضائل جس سے پیدا اور معارف جس میں پنہاں ہیں

وہ جاں پرور چمن اس وقت بھی گویا دبستاں ہے
عرب کی اور عجم کی بلبلیں جس میں غزل خواں ہیں

مگر پروازِ شہبازِ تمنا ہے بلند اس سے
ہماری ہمتیں پا کوبِ سقفِ چرخِ گرداں ہیں

بنانا ہے ہمیں ملّت کی یونیورسٹی اس کو
بٹھانا ہے ہمیں اوجِ ثریا پر ابھی اس کو

یہ "دارالعلم" سدِ راہ آسیبِ زماں ہوگا
اسی چشمے سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

حدیث "شاعری جزویست از پیغمبری" سچ ہے
یہ مطلع اس حقیقت کا مصدق بے گماں ہوگا

کہی جو بات برسوں اب سے پہلے خواجہ حالی نے
زمانہ کوئی دن جاتا ہے اس کا ترجماں ہوگا

قدومِ میمنت آثار سے اپنے شہنشہ کے
شرف اندوز جس دن کشورِ ہندوستاں ہوگا

علی گڈھ کو لگیں گے چار چاند اور اُن کی کرنوں سے
منور ایشیا کے علم و فن کا آسماں ہوگا

عطا فرمائیں گے قیصر وہ شاہی چارٹر اس کو
مسلمانوں کی یونیورسٹی کا جو نشاں ہوگا

مسلمانوں پہ ہوگی نازل اس دن رحمتِ باری
مسلمانانِ عالم کا نصیب اُس دن جواں ہوگا

مسیحیت چکا دے گی تمام اسلام کا قرضہ
وہ قرضہ جانتا جس کو یقیناً اک جہاں ہوگا

سمجھ کر اپنے قیصر کو مثیلِ سایۂ احساں
دلِ احساں پذیر اس دن رہینِ امتناں ہوگا

ملے گا ہم کو اُس دن خلعتِ حریتِ عقلی
علی گڈھ علم کا اُس دن حقیقی پاسباں ہوگا

سمیٹیں گے متاعِ دین و دنیا اپنے دامن میں
یہ اسلوبِ مناسب اتحادِ جسم و جاں ہوگا

ہم آغوش آ کے ہوں گے علم اور مذہب علیگڈھ میں
فقیہہ و فلسفی ہر اک یہاں کا نکتہ داں ہوگا

علومِ مغربی کا فیض ہوگا اک طرف جاری
علومِ مشرقی کا اک طرف دریا رواں ہوگا

بجھے گی پیاس ہر کشور کے پیاسوں کی یہاں آ کر — علی گڑھ منبع رودِ حیات جاوداں ہو گا
مٹا دے گا علی گڑھ اندلس کی یاد کو دل سے — اگر بغداد ہو گا زندہ تو آ کر یہاں ہو گا

یہ مژدہ ہیں وقار الملک و آغا خاں سنانے کو
کہ ہے فصلِ بہار اسلام کے گلشن میں آنے کو

مسلمانو! بس اُٹھ بیٹھو کہ وقتِ امتحاں آیا — ہماری راہ پر اک عمر کے بعد آسماں آیا
کرو گے اس سے بڑھ کر فخر تم کس بات پر یارو — کہ خود چل کر تمہارے گھر شہِ ہندوستاں آیا
اُلٹ جائے گی قسمت ہی نہ اب بھی گوہرِ مقصود — تمہارے ہاتھ اگر اے معشرِ اسلامیاں آیا
سمجھ لو لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا کو تم! — کہ یہ ارشاد ہے قرآں کے اندر بے گماں آیا
خدا کا شکر ہے ملت کے جو مخدوم ہیں اُن کو — خیالِ دست گیریِ گروہِ بے کساں آیا
بنے قومی گدا اور لے کے کاسہ ہاتھ میں نکلے — وہ کاسہ ہاتھ جس سے حاملِ صد بحر و کاں آیا
نہ روکا اس سے ہر گز ان کو آسائش نے دولت کی — نہ ان کو مطلقاً مانع خیالِ عز و شاں آیا
لیے کشکول آغا خاں کو جب دیکھا گدائی کا — نظر الفقر فخری کا ہمیں دلکش سماں آیا
پھری تصویر ایثارِ نبی ہاشمی کی آنکھوں میں — زباں پر جب ہمارے نامِ سلطانِ جہاں آیا
جب اعیان و اکابر کی یہ بیداری کی حالت ہے — رہے گی قوم محوِ لذتِ خوابِ گراں آیا؟
پیادے اُٹھ کے دوڑیں ساتھ ساتھ اشتر سواروں کے — کہ منزل کے قریب الحمد للہ کارواں آیا

فقط دس لاکھ میں مقصد کی اب تکمیل ہوتی ہے
سمجھ سکتے نہیں ہم کس لئے پھر ڈھیل ہوتی ہے

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدہ دشوار ہو جائے
ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہشیار ہو جائے

کرے گر قوم مل کر عرض آصف جاہ سادس سے
ادھر بھی اک نظر اے قوم کے سردار ہو جائے

بنایا خاک کو ہے کیمیا تیری نگاہوں نے
خذف جس کے اثر سے گوہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے
پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

ترا وابستۂ داماں دولت جب علی گڑھ ہے
نہ استمداد کو طیار کیوں ہر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آ جائے کفِ گوہر فشاں تیری
مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک
بلا وقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

خدا چاہے تو ہوں گی مشکلیں سب قوم کی آساں
علی گڑھ علم کا بن جائے گا خورشید نور افشاں

عید رمضان

۱۳۲۸ھ

بدلا ہے عجب رنگ مسرت نے جہاں کا
ہر پیر یہ ہوتا ہے گماں آج جواں کا

اک لہر تھی برقی کہ گئی دوڑ رگوں میں
گردوں سے مہ یکشبہ جب شام کو جھانکا

جیتے تھے اس امید پہ مشتاق مہ عید
حاجب نہ ہو بادل کوئی چشم نگراں کا

ہر رنج ہے دنیا میں باندازۂ راحت
ہر سوز نہاں بدرقہ ہے ساز عیاں کا

انعام طرب لائی ہے شوال کی پہلی
گذرا یہ صد آلام مہینہ رمضاں کا

توپوں کی شلک سے گرج اٹھا ہے زمانہ
کھولا ہے مگر رعد نے قفل اپنے دہاں کا

بچے ہیں نہا دھو کے سویرے ہی سے طیار
بدلے ہوئے جوڑا نئے انداز سے بانکا

آنکھوں میں ہے سرمہ تو لبوں پہ ہے تبسم
قدرت کا یہ جلوہ ہے کرشمہ وہ ہے ماں کا

ہیں سرو وسمن گوش بہ گلبانگ عنادل
یا سن رہے ہیں شور مسلمان اذاں کا

یہ طنطنہ ہے دین کی شوکت کا ترانہ
یہ غلغلہ پیغام ہے عید رمضاں کا

آرائش بام و در اسلام ہے اس سے
یہ عید اک انعام ہے اللہ میاں کا

میری بھی طبیعت میں ہے آج ایک نیا جوش
پھونکوں گا فسوں نظم میں آج اپنی زباں کا

دریائے معانی بہ فراوانی امواج
شرمندۂ احساں ہے مری طبع رواں کا

دیکھی نہیں تصویر فصاحت کی جنہوں نے
وہ دیکھ لیں انداز مرے حسن بیاں کا

امڈی چلی آتی ہیں مضامیں کی گھٹائیں
برسیں یہ قلم پائے اشارہ جو بناں کا

تھی عید گہ اک آئینہ جس میں نظر آیا
جلوہ مجھے اسلامیوں کی شوکت و شاں کا

ہر شاخ دل ایماں کے پھولوں سے لدی تھی
اس باغ میں ڈر تھا نہ بہاراں کو خزاں کا

چرچے تھے اخوت کے زبان کہ و مہ پر
تھی لب لباب آج مساوات یہاں کا

بیٹھے تھے امیر اور فقیر ایک ہی صف میں
ٹوٹا تھا طلسم آج فلاں ابن فلاں کا

اس بزم دل افروز میں ہوتا نہ گذر کیوں
مجھ بیکس و بے مایہ و گم نام و نشاں کا

جیسے ہی دوگانہ سے فراغت ہوئی مجھ کو
چہرہ نظر آیا مجھے اس جان جہاں کا

بجلی سی گئی کوند مری آنکھ کے آگے
غارت ہوا سرمایہ مری تاب و تواں کا

توڑا سپر ضبط کو اور دل کے ہوئی پار
چشم غلط انداز میں تھا زور سناں کا

تھا غمزۂ جفا کیش لب لعل وفا کوش
وہ امن کا دشمن تو یہ ضامن تھا اماں کا

اک آہ جگر سوز نکل ہی گئی دل سے
دعویٰ تھا بڑا اگرچہ مجھے ضبط فغاں کا

سوچا یہ مگر ساتھ ہی، کس طرح ہے ممکن
نظارہ حرم میں نگہ نازِ بتاں کا

کیا ہوگئی مسجد بھی کلیسا کے برابر
دیتی ہیں جہاں کام مسیں حورِ جناں کا

کانوں میں ترنم کسی غارتگرِ دیں کا
آنکھوں میں تصور کسی آفت گرِ جاں کا

مسجد میں غرض شرم سے آب آب ہوا میں
اور دامنِ غیرت سے وہیں چہرہ کو ڈھانکا

اس سے یہ کہا میں نے کہ اے خالِ رخِ حسن
دربار ہے یہ بادشہ کون و مکاں کا

وہ خود ہے جمیل اس لئے آنکھوں سے نہاں ہے
بے پردہ جو تم ہو یہ سلیقہ ہے کہاں کا

اس قید سے آزاد ہوئیں آپ یہ کیوں کر
بی بی کو اشارہ یہ ہوا کب سے میاں کا

مسجد میں جو تم آئی ہو بے برقع وچادر
کیا تم کو یہی حکم ہے اللہ میاں کا

ہے خانہ برانداز حیا یہ نئی تہذیب
اس نے تمہیں رکھا نہ یہاں کا نہ وہاں کا

سن کر مری باتیں یہ کہا اس نے بگڑ کر
سب بی بیاں آزاد ہیں اب پردہ کہاں کا

تم کون ہو پردہ کا جو دو مشورہ مجھ کو
کیا تم کو بھی منصب ہے کسی شیخ زماں کا

معنی یہ ہی تم سمجھے ہو کیا غضِ بصر کے
آنچل سے جمالِ رخِ پر نور کو ڈھانکا

عارض پہ جسے بار ہو دامانِ نگہ تک
کیوں کر متحمل ہو وہ اس بارِ گراں کا

میں پھرتی ہوں اور پھرتی رہوں گی کھلے بندوں
کچھ اس میں اجارہ نہیں یہاں و فلاں کا

میں جانتی ہوں تجھ کو کہ پہلے ہی سے میرے
دل پہ ہے اثر تیری جراحاتِ لساں کا

مشہور ہے تو شہر میں شیطان کی مانند
ہے ذکر ترا مشغلہ ہر خرد و کلاں کا

محفل نہیں اس شہر میں ایسی کوئی جس میں
چرچا نہ ہوا تیری درازیٔ زباں کا

پردہ کی حمایت میں جو کھولے گا زباں تو
ہو جائے گا رہنا تجھے دشوار یہاں کا

میں ایک اشارہ میں نکلوا تجھے دوں گی
رہ جائے گا سب ٹھاٹھ دھرا یوں ہی میاں کا

رکتی ہے کہیں روکے سے آزادیٔ نسواں
باطل ہے فسوں تیری چنیں اور چناں کا

کچھ تجھ کو خبر بھی ہے کہ کعبہ کے مقابل
کیا حشر ہوا ابرہہ کے فیل دماں کا

اس وقت مرا ناطقہ تھا سر بہ گریباں
افسوں نہ چلا کچھ بھی مرے زور بیاں کا

اک مشت خس خشک بنی اور ہوئی طعمہ
منطق مری اُس کی نگہ شعلہ فشاں کا

تھا تیز تراز خنجر خونریز مرا نطق
کام اس سے مگر اس نے لیا سنگ فساں کا

یوں کھا کے شکست الغرض اس شوخ سے میں نے
مسجد سے نکل رستہ لیا اپنے مکاں کا

اور دل میں یہ ٹھانی کہ نہ ٹوکوں گا پھر ان کو
جو کام لیا کرتے ہیں ابرو سے کماں کا

ایک ایک نظر جن کی دلوں کو کرے بسمل
ایک ایک ادا جن کی بڑھے مرتبہ جاں کا

کیوں اپنے کمالات کے جوہر میں دکھاؤں
کس واسطے افسانہ بنوں بزم جہاں کا

کیا مجھ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہنرمند
آماجگہ کینہ ہے ابنائے زماں کا

اعلائے فضیلت ہے صلائے حسد و بغض
اظہار جہالت ہے نشاں امن و اماں کا

جاہل ہے سرافراز تو عالم ہے نگوں سار
واللہ عجب بھاؤ ہے قسمت کی دکاں کا

گالی ہو بھری منہ میں مگر لب پہ دعا ہو
یہ نکتہ سمجھ لو سبق سود و زیاں کا

کڑوی ہو کسیلی ہو چڑھا جا نہ کر انکار
فرمان یہ تسلیم کرو پیر مغاں کا

جلوت مری ہو جائے گی خلوت میں مبدل
ہو گی جو ذریعہ مرے نام اور نشاں کا

اک گوشہ میں بیٹھا ہوا دنیا سے الگ میں
سیکھوں گا سبق عافیت دامن داماں کا

عید اضحیٰ

۱۳۴۹ھ

عید اضحیٰ آئی ہے لے کر اخوّت کا پیام
دوحۂ بطحا میں لہرائی محبّت کی شمیم

تازہ پھر ہوتی ہے سُنّت آج ابراہیمؑ کی
ہو رہا ہے آج پھر حل عقدۂ ذبحِ عظیم

رولتے ہیں آج وہ موتی گدایانِ حرم
جن کو آیا تھا لُٹانے ایک مکّہ کا یتیم

ہند میں ایثار و سربازی کا ہے آج امتحاں
اے مسلمانو! تمہارا تو یہ مسلک ہے قدیم

لندن

لیلیٰ شب نے مانگ سنواری — آدھی عمر اسی میں گذاری
بجتے ہیں پہلے بارہ ٹن ٹن — پھر بجتا ہے گجر کا ارگن
چاند کی پیلی پیلی کرنیں — پیاری چھیل چھبیلی کرنیں
سقفِ فلک پر ناچیں چھم چھم — صحنِ زمیں پر اتریں جھم جھم
دیتی ہیں تاروں کو ہچکولے — نور کے لٹکاتی ہیں ہنڈولے
پگھلی ہوئی چاندی کا سمندر — بہنے لگا باہر اور اندر
جس نے ملمع اپنا چڑھایا — اور پلٹی اُس شہر کی کایا
جو کہ ہے غداری میں بابل — کہتے ہیں سب ملکوں کا جسے دل

یعنی عروسِ دُنیا لندن
شاہدِ دلکش و زیبا لندن

قلۂ کوہ و دشت و بیاباں — ہاموں، دریا، وادیٔ میداں
سب پہ تری آبادی پھیلی — ہو نہیں سکتی جس کی گنتی

تیرے عرصۂ دل کے اوپر   تیرے حجلۂ جاں کے اندر
کیسے کیسے جذبے ہیں پویاں
کیسے کیسے بھرے ہیں ارماں
اے دُنیا کے شہروں کے افسر   سب سے افضل سب سے برتر
حشمت والے شوکت والے   نشۂ دولت کے متوالے
صنعت اور تجارت والے   دولت اور حکومت والے
دانش والے حکمت والے   فلسفہ والے ہیئت والے
ہُنڈیوں والے نوٹوں والے   فائدوں والے ٹوٹوں والے
برجوں اور میناروں والے   باغوں اور بہاروں والے
ہالوں والے پارکوں والے   لائنوں والے بارکوں والے
ریلوں والے تاروں والے   برقی موٹر کاروں والے
قصروں اور ایوانوں والے   ہوٹلوں اور میخانوں والے
وِسکی والے اکشا والے   لیمنڈ والے سوڈا والے
مرغیوں والے انڈوں والے   ریزنوں[1] اور آمنڈوں[2] والے
توپوں اور بندوقوں والے   عاشقوں اور معشوقوں والے
تِنکے چُننے والوں والے   سر کے دھننے والوں والے

[1] کشمش [2] بادام

گورے گورے گالوں والے
بھورے بھورے بالوں والے
پیاری پیاری جبینوں والے
اُبھرے اُبھرے سینوں والے
چوری کرنے والوں والے
جیب کترنے والوں والے
لفنگوں والے لچوں والے
شہدوں اور اُچکوں والے

کیسے کیسے گنڈے اور بدیاں
ہیں ترے دل کے اندر پنہاں

دیکھنا ہو گر تم کو تماشا
اچھی طرح سے کبھی لندن کا
واٹرلو کے پل سے دیکھو
وقت پہ صُبح صادق کا ہو
پہلی شعاعیں سُورج کی جب
چاک ہوں کرتی دامانِ شب
وہ دامن کہ ٹکے ہیں یکسر
جس میں کروڑوں کوکبِ اختر
گیسو جبکہ نگارِ سحر کے
شبنم کے قطروں سے ہوں بھیگے
گزرو اگر اس پل پہ قضارا
دیکھ لو لندن کا نظارا
سیر کا اصلی وقت یہی ہے
یہ وہ گھڑی ہے جس میں چھپی ہے
مستیٔ عہدِ شباب لندن
نازو ادا و حجابِ لندن
یہ وہ ساعت حسن افزا ہے
جوبن اس کا پھٹا پڑتا ہے
صبح کو ہے یہ عروس نکھرتی
ندی پر آ کر پانی ہے بھرتی

جیسے کوئی دلبر خنداں | کرتا نقاب سے ہو اچہلیاں
ویسے ہی لندن نور کے تڑکے | اپنی جبیں نور فشاں سے
بادل مست اور جھومنے والے | پیشانی کے چومنے والے
ایک طرف کو ادا سے ہٹا کر | ناز سے شرما کر اٹھلا کر

چہرہ کی تاب دکھا دیتا ہے
سورج جس کو جلا دیتا ہے

ایسے میں دیکھے کوئی لندن | اس کے قصر و بام و برزن
گرجا دیکھے مندر دیکھے | دریا دیکھے سمندر دیکھے
دیکھے دریا کی موجوں کو | دیکھے بارکوں میں فوجوں کو
کشتیوں کے مستولوں کو دیکھے | تانگوں بگھیوں اور ریلوں کو دیکھے
رونق دیکھے بازاروں کی | کثرت دیکھے انباروں کی
پردۂ عبرت پر پھر کھینچے | اپنے تصور کے رنگوں سے
اگلوں کے آثار کا نقشہ | پچھلوں کے دربار کا نقشہ
منعم کے اقبال کی صورت | مفلس کے جنجال کی صورت
دل کی فراخی و تنگی دیکھے | بخت کی رنگا رنگی دیکھے
دیکھے غرض یہ سب تصویریں | شان خداوندی کی تفسیریں

لندن کا آوازۂ عظمت — سنتی کب سے آئی ہے خلقت
اس نے ایک زمانہ دیکھا — صدیوں کا آنا جانا دیکھا
سیل حیات بہے جاتی ہے — امڈی موج چلی آتی ہے
صبح کو جب سورج ہے نکلتا — نور کا اک چشمہ ہے اُبلتا
دیکھو پھر وہی شکل مثالی — اور وہی فانوس خیالی
دل کی لگی سینہ میں دُکاں ہے — درد کا جس میں بھرا ساماں ہے
بیم و رجا و حسرت و ارماں — سازِ عیاں و سوزشِ پنہاں

ہے کہیں فقر کہیں ہے تنعم
قسمت کا برپا ہے طلاطم

سنگم

پریاگ میں ملی ہے جمنا سے آکے گنگا
پگھلا ہوا یہ نیلم بہتا ہوا وہ ہیرا

اُن کی جُدائیوں نے کھینچا ہے نقش جوڑا
ان کی روانیاں ہیں شانِ خدائے یکتا

سنگم کی سیڑھیوں پر موتی لڑھک رہا ہے

مبارکباد عید صیام بہ معاونین زمیندار

عید جو ہے روزہ داروں کی مسرت کا نچوڑ
ہو مبارک قدر دانانِ "زمیندار" آپ کو

آپ کے گھر عید جن خوشیوں کو لے کر آئی ہے
سال بھر خوشیاں یہی دکھلائے دادار آپ کو

رکھے آتی عید تک ساقیٔ دوراں کا کرم
کامیابی کی مئے گلگوں سے سرشار آپ کو

دوست ہو جو آپ کا ہو سربلند و ارجمند
اور معاند آپ کا آئے نظر خوار آپ کو

کوکب بخت آپ کا ہو نقطۂ وسط السما
طالع حاسد نظر آئے نگوں سار آپ کو

آپ کے پہلو میں دل ہو اور ہو اس دل میں درد
دیکھوں ان آنکھوں سے میں ملت کا غمخوار آپ کو

اس عنایت سے جو مجھ پر صرف ہے پروردگار
رکھے اس اخبار کا برسوں خریدار آپ کو

اس کا ہر مضموں ہو گلزار اور قلم بلبل مرا
اور ہو دل میں اشتیاق سیر گلزار آپ کو

نکتہ داں گر قدر فرماتے ہیں اس اخبار کی
فخر ہے اس قدر دانی کا سزاوار آپ کو

رات دن ہے یہ جریدہ خدمت ملی میں وقف
اس حقیقت سے نہ ہو گا شاید انکار آپ کو

ہے تعلق آپ کا اور اس کا ربط جسم و جاں
آپ سے ہے اس کو پیار اور اس سے ہے پیار آپ کو

کیجیے اس کو بلند، آواز ہے یہ آپ کی
آپ کی خاطر ہی میں لکھتا ہوں ہر بار آپ کو

"دوڑ ملا کی ہے مسجد تک" مثل مشہور ہے
کیوں نہ میں تکلیف دوں پھر چار و ناچار آپ کو

زمینداری

زمیندارو تمہیں گر کچھ بھی آتی ہو زمینداری
تو مہماں چند دن کی ہند میں رہ جائے ناداری

تمہیں گر ڈھنگ آتا ہو زمیں سے کام لینے کا
تو ہو جائے یقیناً خاکِ ہند اکسیر پر بھاری

تمہارا ملک اب بھی ڈھیر کندن کے اگلتا ہے
رسائی سے تمہاری طبع بالکل گرچہ ہے عاری

تمہارا ہل وہی چرسا وہی رول ول وہی اُسکی
کلوں کا مدتوں سے فیض گو دنیا میں ہے جاری

فلاحت کا پھریرا اڑ رہا ہے اوجِ رفعت پر
مگر باقی تمہاری ہے وہی اب تک نگوں ساری

ہیں خوشحال آج سب طبقے پہ تم لوگوں کے حصے میں
وہی روٹی ہے جو کی اور وہی بینگن کی ترکاری

صدی ہونے کو آئی بیسویں اور پاگل ہو تم
تمہاری عادتیں ہیں عہدِ دقیانوس کی ساری

زمانے کا بہت سخت امتحاں ہے کامیاب اس میں
وہی ہوتے ہیں جو کرتے ہیں پوری مہم کی تیاری

تمہاری جو کی اور گیہوں کی کھیتی لہلہائے تھی
تو کس کس کی کروگے اس میں آخر نازبرداری

کھلاؤگے زن و فرزند کو یا دوگے بنئے کو
کروگے یا ادا پنجاہ فیصد ٹکس سرکاری

اگر رہنا ہے دنیا میں تمہیں آرام و عزت سے
اگر تم چاہتے ہو دور ہو یہ ذلت و خواری

تو وہ نکتے زراعت کے جو یورپ میں مروج ہیں
کرو از بر کہ ہو آساں تم لوگوں کی دشواری

حافظ کے دو (۲) اشعار کی تضمین

بعد مدت میں نے کی تجدیدِ پیمانِ الست
چھوڑ کر دنیا پرستی بن گیا ہوں دیں پرست
بھر کے پہنچا یار کی محفل میں الٹی ایک جست
نشہ ٹپکاتی گئی ساغر میں اُس کی چشمِ مست
جس نے یکساں کر دیئے آگے مرے بالا و پست
بندہ پیرِ خراباتم کہ لطفش دائم است
ورنہ لطفِ شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

بن رہے ہیں آج کل سرکار کے جو معتمد
ہاتھ میں جن کے ہماری قوم کا ہے نیک و بد
کوئی بھی درخواست کی جاتی نہیں ہے جنکی رد
جو وفاداری کے لے آئے ہیں کونسل سے سند
خواجہ اس نکتہ سے فرماتے ہیں ایسوں کی مدد
بر درِ میخانہ رفتن کارِ یکرنگاں بود
خود فروشاں را بکوئے مے فروشاں راہ نیست

۲۵۔ جنوری ۱۹۱۲ء

چند حسرت آفریں حقیقتیں

جب سے ہم میں "آزیبل" اور "سر" پیدا ہوئے — سوئے فتنے جاگ اٹھے اور شر پیدا ہوئے
طاقِ نسیاں پر اُسے اسلامیوں نے رکھ دیا — جس غرض سے حضرت خیر البشر پیدا ہوئے
وَانکِحُوا مَا طَابَ سے کرتے ہیں جو مسلم ابا — کیوں نہ وہ پیٹر کے یا ولیم کے گھر پیدا ہوئے
کیوں نہ سیکھیں عورتیں آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا — مرد جن کے منکرِ غضِ بصر پیدا ہوئے
سُرمۂ چشمِ حسیناں بن گئی تہذیبِ غرب — دل لبھانے کو نئے جادو نظر پیدا ہوئے
آنکھ ہوگی لذت اندوزِ جمالِ بے حجاب — خرمنِ غیرت کے گھر برقی شرر پیدا ہوئے
پردہ دارِ خانۂ مسلم نہ کیوں ہو عنکبوت — انڈیا کونسل کے اندر پردہ در پیدا ہوئے
شرع میں بھی ٹانگ اڑانے سے نہیں ڈرتے ذرا — ہم میں ایسے ایسے گستاخ اور نڈر پیدا ہوئے
وا دریغا فطرتِ مسلم ہوئی جاتی ہے مسخ — بن رہے ہیں لومڑی جو شیرِ نر پیدا ہوئے
کوڑیوں کے بھاؤ بکتے پھرتے ہیں بازار میں — مسند آراؤں کے لائق جو گہر پیدا ہوئے
پاسِ ناموسِ شریعت شرع والوں کو نہیں — حامیٔ دیں میں سب نیم تر پیدا ہوئے

دیکھنا تھا ہم کو ان آنکھوں سے یہ بھی انقلاب
آدمی سب ہو گئے گم اور خر پیدا ہوئے

دیکھنے کی اور سننے کی توقع ان سے کیا
پیٹ ہی سے ماں کے جو کور اور کر پیدا ہوئے

انتخاب ہفت کشور خطہ پنجاب ہے
اس میں کیا کیا نکتہ سنج اور نکتہ ور پیدا ہوئے

حاسدانِ تیرہ باطن کے جلانے کے لئے
تجھ میں اے پنجاب اقبالؔ و ظفرؔ پیدا ہوئے

۱۰ جولائی ۱۹۱۲ء

حالی کے چند ابیات کی تخمیس

قرآں ہمارے قفلِ تمنا کی ہے کلید　　نصرت کی جس نے دی ہے ہزیمت میں بھی نوید
لَا تَقْنَطُوْا کے بادہ کی جس سے ہوئی کشید　　حرماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ اُمید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے

مشرق میں ٹھیکہ ایک نے تبریز کا لیا　　مغرب میں دوسرے نے مراقش کو کھا لیا
جو ہم نے گم کیا تھا وہ یورپ نے پالیا　　یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

دیتے ہیں چکمے ہم کو سرایڈورڈ واہ واہ　　ظاہر میں آپ بنتے ہیں سلطاں کے خیرخواہ
در پردہ آپ رکھتے ہیں پاپائے سم و راہ　　کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ
تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

ان کو اطالیہ میں ہوس رانیوں سے کام　　ہم کو طرابلس میں پریشانیوں سے کام
دونوں کو اپنی اپنی خود افشانیوں سے کام　　دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

۱۵- فروری ۱۹۱۲ء

ستارہ صُبح

بنا ہی دائرہ ہم نے لیا معارف کا — محال ہے کہ ہمارا کوئی ادارہ نہ ہو

کہاں سے لاؤں مضامین غیب کی سرخی — علی الصباح اگر چار کا غرارہ نہ ہو

نہ کھل سکے گی زباں عندلیب شیدا کی — بہار کا اسے جس وقت تک اشارہ نہ ہو

بلند ہے تری ہمت تو باز بن کے دکھا — مگر کبھی بھی کلاغ طفیل خوارہ نہ ہو

منگاؤ پرچہ مگر چندہ ہضم کر جاؤ — یہ کار خیر ہے اس میں تو استخارہ نہ ہو

جمالِ ماہ بھی ہے اور جلال مہر بھی ہے — ستارہ ہی نہیں جو صبح کا ستارہ نہ ہو

خدا ہو ساتھ تو طوفاں زدوں کو کیا ڈر ہے
نظر کے سامنے دریا کا گر کنارہ نہ ہو

یکم جنوری ۱۹۱۷ء

صورت و سیرت

تمہیں صورت پہ غرہ ہے مجھے سیرت پہ نازش ہے
تمہیں پروا ہے دنیا کی مجھے ہے فکر عقبیٰ کی

کسی کے کام آنے کی اگر توفیق ہے مجھ کو
ہے تخصیص اس سعادت میں نہ آبا کی نہ آقا کی

یہ دین اسلام کی ہے کیا اجارہ آپ کا اس میں
یہ برکت ہے رسول اللہ کے دینِ مزکیٰ کی

دلوں کو بندہ پرور دیکھئے کالے ہیں یا گورے
کہ یوں تو آپ بھی خاکی ہیں اور بندہ بھی ہے خاکی

۸؍جنوری ۱۹۱۷ء

ابدی زندگانی کا راز

اک مجتہد سے میں نے کیا اس طرح خطاب — نکتے نکالے آپ نے ہیں بات بات میں
واقف ہیں آپ فلسفۂ موجبات سے — ساتھ اس کے دخل آپ کو ہے سالبات میں
مجھ کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیجئے — جچتا ہوں میں اگر نظرِ التفات میں
موت اور زندگی کے نہیں جانتا میں رمز — درخور نہیں ہے کچھ بھی مجھے ان نکات میں
یہ مسئلہ سپردِ قلم کر سکے وہی — ڈالا ہو جس نے صوفِ تفلسف دوات میں
کہنا ہے کیا اصولِ طبیعی کا فلسفہ — ارشاد کیا ہے بابِ حیات و ممات میں

کہنے لگے کہ نام ہیں دو ایک چیز کے — ہیں مختلف صفات عیاں ایک ذات میں
اشکال ہیں یہ دو حرکت کی جدا جدا — مرکز ہے ایک دائرۂ کائنات میں
فرقِ نظر ہے ورنہ چمکتا ہے ایک نور — سورج کو دن کے وقت کواکب کو رات میں
جولانیوں کی ریگ رواں میں بھی ہے نمود — طغیانیاں ہیں گر نظر آرا فرات میں

یہ فصل ہے فسانۂ شمر و حسینؑ کی — پڑھ جائیے گا اس کو شہادت کی رات میں
ہیں جلوہ ریز گرمی ہنگامہ کے شرار — دولہا مگر نظر نہیں آتا برات میں
پوچھو حسینؑ سے ابدی زندگی کا راز — یہ نکتہ ہے چھپا ہوا ان کی وفات میں
جھپکی ہے آنکھ کی جسے سمجھے ہو زندگی — ہے مستتر مگر ابدیت ممات میں

۷ ستمبر ۱۹۱۷ء

رزمگاہ صحافت

محاذ لاہور

ستارۂ صبح اور اس کے حریف و حلیف

جھگڑا ہوا انارکلی میں کل اس طرح — مٹکا پڑا اُدھر سے ادھر سے چلی لکد
دو شخص گرم بحث تھے پوچھا یہ ایک نے — کچھ جانتے بھی ہو کہ یہ کیسی ہے ردوکد
رخشندہ ہے ستارۂ صبح آب و تاب سے — لیکن اسے پسند نہیں کرتے ذی خرد
کہتے ہیں اب نہیں ہیں وہ پہلے ظفر علی — دل سے خیال قوم انھوں نے کیا ہے رد
سمجھوتہ کر کے شملہ سے آزاد ہو گئے — مانگی بجائے قوم گورمنٹ سے مدد
حکام سے ہوئے ہیں طلبگارِ عفوِ جرم — ظاہر کیا وہ عجز نہیں کوئی جس کی حد
راوی سے پار آ نہیں سکتے تھے پیشتر — لیکن ہوئے اب ایسے حکومت کے معتمد
ہندوستان بھر میں نہیں ان کو روک ٹوک — باقی رہی نہ کوئی بھی رستے میں اُن کی سد
اخبار بھی نکال لیا دھوم دھام سے — دیکھو تو پھل فریب کے دریا کا جزر و مد
جو کچھ بھی ہے یہ قوم فروشی کا ہے صلہ — اس فعل سے ہوئی بہت اسلامیوں کی کد
کچھ ان سے واسطہ نہیں اسلام کو رہا — وہ ہوم رول کے بھی مخالف ہیں اب اشد
ان کی مخالفت میں ہے سب ملک متفق — ہندو بہ جدّ و جہد تو مسلم بہ شدّ و مد
شملہ سے کھنچ کے آئی ہے جو اب نئی شبیہ — حضرت کے خواب اس میں نمایاں ہیں خال و خد

سنتے ہی دوسرے نے چمک کر دیا جواب — ہیں بندہ پرور آپ حقیقت سے نابلد
لاہور سے نکلتے ہیں اخبار جس قدر — ان کو ظفر علی سے ہے محض اس لئے حسد
جاری کیا "ستارۂ صبح" آکے کیوں یہاں — پڑتی ہے اس کی قدر سے ان پر بلا کی زد
اب پوچھتا نہیں کوئی پیسے کو ان کی بات — کر دی ہے آکے بند اس اخبار نے رسد
وَالعصر کا سبق انہیں ازبر ہے آج کل — ٹوٹے میں آکے بھول گئے اللہ الصمد
اُن کے ظفر علی پہ ہیں جو کچھ بھی اعتراض — اُن کی دلیل کچھ بھی نہیں سب ہیں بے سند
اللہ اپنے نور کا خود ہو گیا متمم — مہ نور مے فشاند و سگ بانگ می زند

اتنے میں خود "ستارۂ صبح" آکے ڈٹ گیا — اور آتے ہی حلیف کو دی اس طرح مدد
من سر بر آستانِ پیمبر نہادہ ام — زاں پائے من بہ عرش بریں نقش می زند
جادو مذاق فتنہ گرفت است معینم — شورِ نشور از اثر خامہ ام چکد
جبریل سودہ سرمۂ افکارِ من بہ عرش — در چشمِ انتقاد بمیلِ ادب کشد
برکندنش محال بہ نیروئے آشتی است — خارِ حسد بہ سینۂ حاسد چو می خلد
آغاز مویہ کرد رقیبِ سیاہ رو — دلبر دلش ربود و دلِ خود بباد ہد

سرکش چو شد حسود ندا آمد از فلک
فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود

۱۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

ترشی ملا نشہ

جتا رہے ہیں وہ مجھ پہ الفت رقیب کو فیض یاب کر کے
میں اُن کی محفل سے اُٹھ تو آیا مگر انہیں لاجواب کر کے

جھلک رہی ہے جو رُخ پہ سُرخی عرق سے تر ہے جبین انور
چمن سے شاید وہ آ رہے ہیں گلاب کو آب آب کر کے

شراب چھوڑی ہے آپ نے گر تو کون سا ہے کمال اس میں
مزہ تو جب ہے کہ لعل لب سے دکھایئے اجتناب کر کے

جلے ہوئے دل سے بھی ابھی تک وفا کی بو اُن کو آ رہی ہے
خدا سے مانگا اُنہوں نے مجھ کو اسی لئے انتخاب کر کے

وجود کا اور عدم کا جھگڑا عجب نہیں ہے کہ میں چکا دوں
دیا گیا گر عذاب مجھ کو مرے گنہ کا حساب کر کے

جلے ہوؤں کو جلا رہے ہیں مٹے ہوؤں کو مٹا رہے ہیں
ہوا سے مل کر اڑا رہے ہیں وہ میری مٹی خراب کر کے

قلم میں گل ریزیاں کہاں اب بہار پر چھا گئی خزاں اب
بصد تصنع بلا رہا ہوں شباب کو میں خضاب کر کے

شراب پیتا ہوں میں بھی لیکن نشے میں ترشی ملی ہوئی ہے
پیالہ بھیجا ہے محتسب نے مگر ذرا احتساب کر کے

پھری جو دیکھی ہے آنکھ اُن کی زمانہ تیور بدل رہا ہے
جما دیا رنگ آسماں کا اُنہوں نے مجھ پر عتاب کر کے

مدینہ کے بام و در سے ہم کو نظر چمکتا ہوا پھر آیا
وہ نور جس نے دکھا دیا ذرّہ ذرّہ کو آفتاب کر کے

۱۰۔ نومبر ۱۹۱۷ء

سوز و ساز

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہلِ راز کا
رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا

جھوم رہے ہیں نشہ میں جن و ملائک و بشر
جوش ہے کائنات میں خمکدہ حجاز کا

غلغلہ ہے مچا ہوا فرش سے بام عرش تک
مسلم دلفگار کے نالۂ جاں گداز کا

غیرتِ حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف
ترکِ فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا

ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو
حیلہ نہ چل سکا کہیں جان بہانہ ساز کا

مشرقیوں کے واسطے سایہ ہے عین آفتاب
فلسفہ ہے یہ مغربی نور نظر نواز کا

کعبہ میں آگئے صنم بتکدہ بن گیا حرم
قبلہ ہی وہ نہیں رہا رُخ ہو کدھر نماز کا

زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور
ہم کو یہی اشارہ ہے اُن کی نگاہِ ناز کا

تاب نہیں کہ سن سکوں کیجئے اس کو مختصر
قصہ بہت طویل ہے کفر کی حرص و آز کا

وقتِ دوا گذر گیا عہدِ دعا ہوا قریب
ناصیۂ مریض کو اذن ہوا نیاز کا!

۶ فروری ۱۹۲۰ء

سر مائیکل او ڈوائر کے احسانات

(۱)

مرے مخدوم مولینا عمادی — مزین جن سے ہے بزم افادات
فضائل کو ہے جن کی ذات پرناز — معارف کو ہیں جو وجہ مباہات
لگے کہنے یہ مجھ سے نثر میں جب — کئے نثری سے میں نے اقتباسات
کہ شعری سے خطا ایسی ہوئی کیا — نہیں اس پر جو حضرت کی عنایات
چمک سکتی نہیں ہرگز صحافت — نہ جب تک نظم کے ہوں اس میں لمعات
تنقل کے لئے خوان سخن پر — مناسب ہے کہ چن دیجے فکاہات
کہا میں نے کہ فرماتے ہیں سچ آپ — ہے بیشک مطربی قاضیٔ حاجات
مگر لاؤں سلیقہ وہ کہاں سے — کہ نکلے بے تکلف بات میں بات
نہ مجھ میں بو نواسی بذلہ سنجی — کہ دہراؤں [illegible] کی حکایات
نہ مجھ میں دو پیازہ کی ظرافت — کہ اکبر خوش ہو اور ہو بیربل مات
بہر حال آپ کو اصرار ہے جب — تو حاضر ذیل میں ہے کچھ خرافات

(ب)

نہیں اپنوں سے اُمیدِ مدارات
تو کیا غیروں سے ہو چشمِ مراعات

محبت کا نتیجہ ہے عداوت
نرالی ہے عمل کی یہ مکافات

جگر پھٹتا ہے بھرتا ہوں اگر آہ
زباں کٹتی ہے کرتا ہوں اگر بات

زمانے کا ہے یہ برتاؤ مجھ سے
کہ اُٹھتے جوتیاں ہیں بیٹھتے لات

لکد کوبِ حوادث ہو رہا ہوں
ہیں میرے ہی لئے شاید سب آفات

ہوا جس وقت سے خلوت گزیں میں
زمیں ہے سخت اور دور آسماں سات

مرے دل کی ہے بستی جن سے آباد
نہیں ہوتی ہے اُن سے بھی ملاقات

ستاروں سے کیا کرتا ہوں باتیں
گزر جاتی ہے باتوں میں مری رات

کسی کی زلفِ عنبر بو کی مانند
پریشاں کیوں نہ ہوں میرے خیالات

ہوئے ہیں منکشف مجھ پر یہ اسرار
پڑھی ہیں میں نے جب قرآں کی آیات

کہ کرنا ہو کسی پر گر بھروسا
تو ہے وہ اک فقط اللہ کی ذات

(ج)

نہیں میرے لئے زیبا شکایات
کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات

نہیں اسلاف سے کچھ بھی مشابہ
ہماری قوم کے اطوار و عادات

مٹیں اس کی خصوصیات ملی
ہوئے سلب اس کے دینی امتیازات

اخوت اور مروت اور ایثار
یہ ہوں گی قرنِ اول کی روایات

کدھر ہے بوعلی سینا کی حکمت
کہاں ہیں بوحنیفہ اجتہادات

(د)

کرم آباد کو سر مائیکل نے
بنایا ہے مری علمی حوالات

اگر اس وقت میں آزاد ہوتا
دکھا سکتا نہ شاید یہ کمالات

نہ ہوتی ترجمے کی مجھ کو فرصت
کتابوں میں نہ کٹتے میرے دن رات

نہ ہوتا نعت ہی کا سر میں سودا
نہ دل ہی سے نکل سکتی مناجات

پرو سکتا نہ موتی روز ایسے
چمک سے جن کی ہیں شمس و قمر مات

گنواتا شاید اپنے وقت کو میں
دلاتی شرم مجھ کو میری اوقات

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً کی تاویل
سجھاتے یوں ہیں قرآں کے اشارات

د

۲۷- اپریل ۱۹۲۰ء

خیالستان

اک جہانِ رنگ و بو خود مرا خیال تھا
گوشۂ قفس مجھے عالمِ مثال تھا

رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں
خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضوفشاں تھا ماہتاب
کائنات کا مزاج رو بہ اعتدال تھا

کوہ و دشت و بام و در غرقِ موجِ نور تھے
بسکہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم
بے حجاب ہر طرف حسنِ لایزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سربسجدہ تھے شجر
ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں
کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں
جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و روح تھے نثار
جب خدا کی راہ میں وقف جان و مال تھا

جام جم سے بے نیاز تھی شرابِ خانہ ساز
مے کشوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں وہی بہار پھر بھی آئے گی کبھی
حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہم زباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مراد
میری بات کا جواب مصطفےٰ کمال تھا

تشنگی و سیرابی

مزرعِ ادب کو ہے آرزوئے سیرابی　　نقش آپ کا لیکن ہے تو وہ بھی سیمابی
علم کی یہ منزل ہے راہ چلنے والے کا　　کام چل نہیں سکتا گر نہ ہو وہ فارابی
جام ہاتھ میں لے کر سوچ لیجئے اتنا
ظرف بھی میسّر ہے بادہ ہے یہ عنابی

منصور

مجھ سے ملنے کے لئے زنداں میں منصور آگیا
ڈھونڈتی تھیں جس کو آنکھیں چشم بد دور آگیا

جس مکاں میں تھا اندھیرا اس میں پھیلی روشنی
چیر کر ظلمت کے پردے آنکھ میں نور آگیا

جانِ بابا اس سیہ خانے میں تم کیوں آ گئے
میں تو ہو کر اپنی اس عادت سے مجبور آگیا

اس کا رونا اس کا ہنسنا اس کی شوخی اسکی ضد
مجھ کو یاد اختر ترے بچپن کا دستور آگیا

منٹگمری جیل ۵۰ء

صفیرِ سروش

فَلَا تَعجَل عَلَیہِم سُن کے بھی تجھ کو نہ صبر آیا
مگر یہ ناصبوری مقتضا ہے تیری فطرت کا

نظر آتے تجھے معلول و علّت کے نئے عالم
اُٹھا سکتا اگر تو پردہ ایزد کی مشیت کا

تری آنکھوں سے اوجھل وہ حیاتِ نو ہے دنیا کی
تصرف جس میں پنہاں ہے خدا کے دستِ قدرت کا

وہ اُمّت کی حیاتِ جاوداں کا ساز و ساماں ہے
تجھے فتنہ نظر آیا ہے بن کر جو قیامت کا

جسے تعبیرِ سیلابِ حوادث سے کیا تُو نے
حقیقت میں وہ اک اُمڈا ہوا دریا ہے رحمت کا

سمجھتا ہے تباہی تو جسے اسلام والوں کی
وہ در اصل اک نیا انداز ہے احیاءِ ملّت کا

حرم کیا ہے فقط اک جذبہ ہے جس کی جہانگیری
خراج اقلیمِ جاں سے آ کے لیتی ہے اخوّت کا

فنا سامانیاں اس میں نہیں ہیں اینٹ پتّھر کی
بگڑنا کس طرح ممکن ہے بن کر اس عمارت کا

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہو رہا ہے ایک مقصد سے
تحفظ اس سے ہے مقصود ناموسِ شریعت کا

ڈبوئے جاتے ہیں ہر طرف کفار کے بیڑے
مٹایا جا رہا ہے ہر طرف نقش ان کی عظمت کا

کہاں ہیں رب مناف اور ہو گئی کیا سلطنت اُن کی
ابھی کل تک جہاں میں غلغلہ تھا جن کی صولت کا

کدھر ہیں ہیسبرگ اور کیا ہوئی اُن کی شہنشاہی
کہ تھی عثمانیوں کے حق میں اک پرکالہ آفت کا

خدائی کرنے والے مِٹ گئے اور مِٹتے جاتے ہیں
وہی رہ جائیں گے کچھ پاس ہے جن کو امانت کا

خدا ہرگز نہیں کرتا فراموش اپنے بندوں کو
اگر بندے ادا کرتے رہیں فرض اس کی طاعت کا

بڑھا ہے چاند گھٹ گھٹ کر بڑھی ہے موج ہٹ ہٹ کر
اسی انداز سے ہوگا عروج اک دن خلافت کا

انہیں آتش بجانوں کا حیاتِ دہر پر حق ہے
جو رکھتے ہوں سرِ شوریدہ میں سودا شہادت کا

مُسلماں جی نہیں سکتا ہے مر لیتا نہیں جب تک
یہ دریا چڑھ نہیں سکتا اُتر لیتا نہیں جب تک

ہندوؤں کی محکومی کے اسباب

لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہند پر نظر

لاجپت رائے نے تاریخ تو لکھی ہے مگر
جس سے روشن ہو ضمیر اس میں وہ تحکیم نہیں

مسئلہ یہ ہے کہ با ایں ہمہ عظمت ہنود
کشور ہند میں کیوں صاحب دیہیم نہیں

سینکڑوں سال سے اغیار کے بس میں ہیں ذلیل
اور ڈھلے اُن کی غلامی کے جراثیم نہیں

اس تنزل کے علل پر ہے مورخ کو عبور
لیکن اصلی جو سبب ہے وہی تسلیم نہیں

ہیں فقط اس لئے اغیار کے محکوم ہنود
کہ انہیں دی گئی توحید کی تعلیم نہیں

آج جھک جائیں اگر ایک خدا کے آگے
سر افلاک جھکے اُن کے لوا کے آگے

خالصہ بھی تو وہی قوم ہے جس کے معبود
کثرت اندوز تھے کاشی کے صنم خانوں سے

اُن میں بھی جمع تھے گوسالہ پرستوں کے عیوب
ظلم انساں پہ سوا کرتے تھے حیوانوں سے

کبھی اُن کو بھی اچھوتوں سے وہی نفرت تھی
ہندوؤں کو ہے جو ان سوختہ سامانوں سے

ان کی ہر رسم کی رونق بھی بڑھا کرتی تھی
قرن ہا قرن کے اوہام کے افسانوں سے

مگر اک گھونٹ پلایا انہیں جب نانک نے
مانگ کر ساقی یثرب کے خمستانوں سے

تو کرامت وہ نمایاں ہوئی ان کے ہاتھوں — جس کو تھی نسبت تخصیص مسلمانوں سے
آج تم دیکھ رہے ہو کہ ہوئی ہے پیدا — ید بیضا کی چمک ان کے گریبانوں سے
کاٹنے نکلی ہے زنجیر غلامی کی یہ قوم — اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی کرپانوں سے
اس طرف تیغ و تفنگ اس طرف اک ذوقِ عمل — جا کے ٹکرائے ہیں درویش جہانبانوں سے
عقل اور عشق کا یہ معرکہ پھر گرم ہوا — جنگ پھر ہوتی ہے دیوانوں کی فرزانوں سے

شانِ نمرود اُدھر آنِ براہیم اِدھر
آتشِ تیز اُدھر شیوۂ تسلیم اِدھر

تو بھی اے برہمن آئینِ براہیمی سیکھ — توڑ دے بت کی جو گردن وہ تبر پیدا کر
اب بنا اپنے لئے کوئی نیا ہی مندر — نئی دیوار کے اندر نئے در پیدا کر
تاکہ ہر وقت ترے گھر کی نگہبانی ہو — جس کا ہمسایہ ہو اللہ وہ گھر پیدا کر
جو ہر انسان کی گردن میں حمائل ہو جائے — ایسے زنار کی بندش کا ہنر پیدا کر
جو ابد تک نہ مٹے قشقہ جبیں میں وہ لگا — خاک سے سجدۂ پیہم کا اثر پیدا کر
خود بخود غیر پہ طاری تری ہیبت ہوگی — دل میں پہلے مگر اللہ کا ڈر پیدا کر
سلطنت کی ہے تمنا تو موحد بن جا — خاک اکسیر ہو جس سے وہ نظر پیدا کر

تجھ میں گر علتِ گوسالہ پرستی نہ رہے
یوں حکومت کو تری قوم ترستی نہ رہے

شریعتِ اسلامی اور یورپ

قطعِ یدِ سارق پہ ہے یورپ کا یہ فتویٰ ۔ وحشی ہے وہ قانون جو دیتا یہ سزا ہے
تہذیب کے استاد کے اس قول کو سُن کر ۔ مَیں نے یہ کہا آپ کا ارشاد بجا ہے
دو تولہ ربڑ کے لئے افریقہ میں لیکن ۔ اِک ہاتھ اور اک پاؤں جو کٹ جائیں یہ کیا ہے
مقطوع ہوں اعضا فقط اِتنی سی خطا پر ۔ مزدُور نے پیمانہ سے کم کام کیا ہے
ہو مشغلہ تفریح کا مثلہ حبشی کا ۔ کس مذہب و ملّت میں یہ تعزیر روا ہے
ہے معترض اسلام پہ چوروں کا یہ ہمدرد ۔ خود اُس نے کبھی جائزہ اپنا بھی لیا ہے

شہتیر سے مُنہ موڑ کے تِنکے سے اُلجھنا
اے اُمّتِ عیسیٰ تری دیرینہ ادا ہے

محفلِ نشاط

جب تک جلا نہ دے تفِ سوزِ دروں مجھے ممکن نہیں کہ آئے قرار و سکوں مجھے
ساقی سے بے نیاز ہیں سرمستیاں مری خونِ جگر ہے کیفِ مئے لالہ گوں مجھے
فضلِ خدا فراخورِ فطرت ہے اے حکیم دی تجھ کو حق نے عقل تو بخشا جنوں مجھے
میرا یہ جرم ہے کہ ہوں نازک مشام کیوں خاکِ حرم سے آئی ہے کیوں بوئے خوں مجھے

اک محفلِ نشاط ہے قیدِ فرنگ بھی
از بسکہ ہے صریرِ قلم ارغنوں مجھے

علامہ اقبال کی گائے

۱۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو علامہ اقبال کی گائے نے بچھڑا دیا۔ اور آپ کے آقائے نامدار اعنی میاں علی بخش صاحب جو مدتوں سے آپ کے شریک رنج و راحت چلے آتے ہیں ایک نہایت دیدہ زیب تشت میں گائے کی کھیس بھر کر اُس پر اوراق نقرئی لگا کر لورسینڈ کی ہوائیاں چھڑک کر دفتر زمیندار میں لائے۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی عزیز کی طرف سے کوئی ایسا تحفہ پہنچے تو لانے والے کو انعام دیا جاتا ہے۔ میاں علی بخش کے لئے ان اشعار کا صلہ تجویز کیا گیا

جو اپنی میٹھی کھیس زمیندار کو کھلائے
دُودھوں نہائے ڈاکٹر اقبال کی وہ گائے

فرہاد لاسکا نہ جسے کوہسار سے
وہ جوئے شیر وادیٔ پنجاب میں بہائے

ہو ناظرین کے لئے سرمایۂ سرور
صفراء لونہا کی جھلک ہند کو دکھائے

سرلا جیت دھنیں تو کریں رقص مالوی
گوسالہ اس کا وجد میں ہر سامری کو لائے

ذکر اے مال روڈ پہ جا کر علی الصباح
اور نغمۂ اتحاد کا لاہور کو سنائے

نقن مُنہ سے گر لگائے تو امرت برس پڑے
موتی جھڑیں اگر وہ کہیں کان پھڑپھڑائے

چلا رہے ہیں لالہ کہ گوسالہ ہے یہ نحس
کونسل کا صدر آتے ہی جو شیخ[۱] کو بنائے

[۱] شیخ عبدالقادر صدر مجلس وضع آئین و قوانین پنجاب

تصویرِ آرزو

میری جاں پر چھائے جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر آئے جاتی ہے بقا کی آرزو

میں خبر جس ابتدا کی ہوں کہاں گم ہو گیا
میری آنکھوں کو ہے میرے نقشِ پا کی آرزو

ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لے کر چراغ
کافرِ مسلم نما کو ہے خدا کی آرزو

صدق میں صدیقِ اکبر سے الگ میری روش
لیکن اس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو

عدل میں فاروقِ اعظم سے جدا میرا شعار
لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو

شرمِ دیں میں ضد ہوں میں عثمان کے آئین کی
لیکن اس پر بھی اُسی شانِ حیا کی آرزو؟

دست و پا بشکستگی پر بھی مرے دل میں رہی
زورِ بازوئے علیؓ مرتضےٰ کی آرزو

آنکھ مازاغ البصر کے سرمے سے بیگانہ ہو
حیف ہے پھر بھی ہو اُس کو ما طغیٰ کی آرزو

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کو بھول کر
آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو

اے مسیحا کی نوید اے ابن آذر کی دُعا
بلکہ خود خلاقِ اکبر کی قضا کی آرزو

اُٹھ کہ ہے تیری دوا ہی تیری اُمت کا علاج
ملتِ بیضا کو ہے تیری دُعا کی آرزو

جاگ جاگ اے نیند کے ماتے کہ تیری قوم کو
ہے اسی منزل میں اپنے رہ نما کی آرزو

رات اندھیری کارواں جنگل میں اور چُپ ہے جرس
قافلہ کو ہے تری بانگِ درا کی آرزو

عید الفطر

۱۳۴۴ھ

عید آئی لیکن اس کی کیا خوشی پنجاب کو
بچھ رہی ہیں جب کہ ماتم کی صفیں بنگال میں

کیسے قسمت کے دھنی ہیں ہم مسلمانانِ ہند
مل نہیں سکتا خوشی کا ایک دن بھی سال میں

کب دکھا سکتے ہیں کھا کر گوشت سر عبدالرحیم
جو کرامت مالوی جی نے دکھائی دال میں

سنگھٹنیوں کے پٹھے کے ہاتھ ابھی دیکھے ہیں کیا
حال کے جوہر کھلیں گے جا کے استقبال میں

طورِ سینا اور تھا کاشی کی وادی اور ہے
آ گئے موسیٰ یہاں خود سامری کی چال میں

ایک ہیں جو لنڈھا کر بادۂ رنگیں کے خُم
بے تکلف ناچتے رہتے ہیں شب بال میں

ایک ہم ہیں پیٹ جن کے پیٹھ سے ہیں لگ گئے
حکم ہوتا ہے ڈبو دو ان کو نینی تال میں

مسلم اُٹھا ور دین کر گر پڑا آنسو کی طرح
کچھ نہ فرق آیا مگر کافر کے استقلال میں

کاٹ کر پیپل کی شاخیں شیخ جی خوش ہو گئے
یہ نہیں سوچا کہ ہیں اس کی جڑیں پاتال میں

سب سے بڑھ کر ہے انہیں کو دشمنی اسلام سے — آج ہے جن کا شمار اقطاب اور ابدال میں

صورت آدم کی مگر سیرت میں شکل اہرمن — نام کو انساں مگر ابلیس ہیں اعمال میں

اتقا سے بعد وہجر اور اس پہ یہ دعویٰ کہ ہم — ہیں حضور سرور کون و مکاں کی آل میں

مطلقاً بے بہرہ ہے دین حجازی سے یہ قوم — حصہ جس کا ہے مسلمانوں کے جان و مال میں

میں کہاں اور وہ کہاں لیکن جھلکتا دیکھ لو
رنگ فخر الدین رازی میرے استدلال میں

عید

لاہور یکم شوال المکرم سنہ ۱۳۳۰ھ

ماتم کدۂ ہند میں اے عید نہ آ تو | ہم سوگ میں ہیں نغمۂ شادی نہ سُنا تو
ہم غم زدہ ہیں کیا ترے آنے کی خوشی ہو | افسردہ دلوں کا نہ مذاق آ کے اڑا تو
عید اُن کی ہے جو قید نصاریٰ سے ہوں آزاد | کیوں چل کے غلاموں کے گھر آئی ہے بھلا تو
جس ملک میں کھانے کو فقط روزہ ہو یا غم | کیا اس کو چکھائے گی سویّوں کا مزا تو
اس چاند سی صُورت پہ کبھی ہم بھی فدا تھے | بستے ہیں جہاں اب ترے عاشق وہیں جا تو
گر عرش سے اُتری ہے تو لے راہ عرب کی | یا رونق اناطولیہ کی جا کے بڑھا تو
بام و درِ کابل پہ بکھیر اپنی تجلّی | طہران میں پہنچ اوڑھ کے عشرت کی رِدا تو
دہلی میں نہ آ اور اگر آئی ہے تو اے عید | ہم نیند کے ماتوں کو بھی سوتے سے جگا تو

شاہِ دوسرا کا ہمیں دے جا کوئی پیغام
بگڑی ہوئی اِسلام کی تقدیر بنا تو

اُردُوئے مُعلّٰی

سنبھلئیے کہ وہ ہیں دشمنِ جانِ اُردُو
مٹانا چاہتے ہیں نام و نشانِ اردو

فارسی سے انہیں نفرت ہے جو ہے رُوحِ ادب
عربی سے انہیں ضد ہے جو ہے جانِ اردو

اُن کے سب حملے مگر اپنے ہی اُوپر اُلٹے
اُن کے سینوں میں ہے پیوست سنانِ اردو

لاجپت رائے گھلے جاتے ہیں اس غم میں کہ ہائے
لازمی ہوگئی پٹنہ میں زبانِ اُردُو

"تیج" کے والد ماجد کو یہ حسرت ہی رہی
ناگری کو نہ میسّر ہُوئی شانِ اُردُو

ٹاٹ ہندی کا بنارس میں اُلٹ کر چمکی
آریہ ورت کی منڈی میں دکانِ اُردُو

ہم نے بھاشا میں سُنی ہندی سمیلن کی کتھا
مگر اس میں وہ کہاں زورِ بیانِ اُردُو

گرچہ گُن گاتے ہیں ہندی کے "ملاپ" اور "پرتاپ"
جس سے چاندی ہُوئی ان کی وہ ہے کانِ اُردُو

گالیاں کھا کے بھی ان کی انہیں دو زی بخشی
دیکھتے جائیے پہنائی خوانِ اُردُو

مالوی جی نے بہت زور لگایا لیکن
نہ تھما پر نہ تھما سیلِ روانِ اُردُو

سیرِ کہسار

حسبِ فرمائش ڈاکٹر گوکل چند نارنگ

گزاری میں نے تابستاں کی فرصت کوہساروں میں
دل افروز آبشاروں میں دل آرا مرغزاروں میں

ہم آغوشِ صبا تھی نکہتِ گل کی سیہ مستی
جنوں پرور تھے نغمے طائروں کے شاخساروں میں

کھنچی تھی سامنے زنجیر سرجیون پہاڑوں کی
فلک تھا بوسہ افشاں جن کی برفیلی قطاروں میں

نسیم آئی فضائے خلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سورج کی ناچی ہو کے عریاں جوئباروں میں

منازل ارتقا کی کر رہے ہیں ٹہنیوں پہ طے
جنابِ ڈارون کے جدِ امجد دیوداروں میں

الہ العالمیں معبود ہے سب نواؤں کا
جنابِ مالوی ہیں آپ کے پروردگاروں میں

۲۱-جولائی سنہ ۱۹۲۳ء

دیوِ استبداد

جس آزادی کی تلقین آج ہوتی ہے بنا برس میں
کبھی یہ کان سنتے تھے مدینہ سے پیام اُس کا

وہ محفل جس کی رونق نا مسلمانوں کے دم سے ہے
مسلماں ہی کیا کرتے تھے کل تک اہتمام اُس کا

رہی خوددار جب تک ملّتِ بیضا زمانے میں
کیا مشرق نے اور مغرب نے مل کر احترام اُس کا

"خودی" کا ہند میں لیکن ملا ہے جب سے درس اس کو
تو ڈھل کر آفتاب آیا لب بالائے بام اُس کا

وہی سرمایہ داری جو ہمارے حق میں لعنت تھی
بنایا جا رہا ہے آج ہم سب کو غلام اُس کا

دیا جاتا ہے زور اس نکتہ پر رہ رہ کے کونسل میں
کہ اس دنیا کے اندر سب سے اچھا ہے نظام اُس کا

جھکا جاتا ہے خود اس "دیوِ استبداد" کے آگے
ہمارا شاعر اور سارا بلاغت زا کلام اُس کا

۲۴- جنوری ۱۹۲۸ء

سہانا وقت

وقت آگیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج
اور شاخِ گل کو مژدۂ فصلِ بہار دے
وقت آگیا کہ پھولوں سے لد جائیں ٹہنیاں
اور ہر شجر لباسِ خزاں کا اتار دے
وقت آگیا کہ آنکھ کو بازارگانِ صبح
بیعانۂ تفاوتِ لیل و نہار دے
وقت آگیا کہ ساقیٔ خُمِ خانۂ حجاز
بھر بھر کے پھر ایاز مئے مشکبار دے
وقت آگیا کہ رات کٹے اور پو پھٹے
وقت آگیا کہ عرش سے جبریل تار دے
"اے شمعِ صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے"

۱۲- فروری ۱۹۲۸ء

سخنورانِ عہد سے خطاب

اے نکتہ وران سخن آرا و سخن سنج
اے نغمہ گران چمنستانِ معانی

مانا کہ دل افروز ہے افسانۂ عذرا
مانا کہ دل آویز ہے سلمیٰ کی کہانی

مانا کہ اگر چھیڑ حسینوں سے چلی جائے
کٹ جائے گا اس مشغلہ میں عہد جوانی

گرمائے گا یہ ہمہمہ افسردہ دلوں کو
بڑھ جائے گی دریائے طبیعت کی روانی

مانا کہ ہیں آپ اپنے زمانہ کے نظیری
مانا کہ ہر ایک آپ میں ہے عرفیٔ ثانی

مانا کہ حدیث خط و رخسار کے آگے
بیکار ہے مشائیوں کی فلسفہ دانی

مانا کہ یہی زلف و خط و خال کی روداد
ہے مایۂ گلکاریٔ ایوان معانی

لیکن کبھی اس بات کو بھی آپ نے سوچا
یہ آپ کی تقویم ہے صدیوں کی پرانی

معشوق نئے بزم نئی رنگ نیا ہے
پیدا نئے خامے ہوئے ہیں اور نئے مانی

مژگاں کی سناں کے عوض اب سنتی ہے محفل
کانٹوں کی کتھا برہنہ پائی کی زبانی

لذت وہ کہاں لعل لب یار میں ہے آج
جو دے رہی ہے پیٹ کے بھوکوں کی کہانی

گلشن میں نوا سنج ہو کیا مرغ خوش الحاں
صیاد کا جب مشغلہ ہے ریشہ دوانی

بدلا ہے زمانہ تو بدلئے روش اپنی
جو قوم ہے بیدار یہ ہے اس کی نشانی

گر شعر ہی کہنا ہے تو اس گرز گراں سے
بنیاد ہمیں چاہئے دنیا کی ہلانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق میں ہمیں کو ہے بسانی

۱۴۔ فروری ۱۹۲۹ء

ریل

سحر بابل کے دھوئیں آکے اڑائے میں نے
نئے نیرنگ زمانہ کو دکھائے میں نے

مصر میں صبح تو کلکتہ میں ہے شام مری
نیل و گنگا کے سرے اُٹھ کے ملائے میں نے

خود خدا کو بھی مری راہ سے ہٹتے ہی بنی
سینکڑوں اُس کے گھر اک آن میں ڈھائے میں نے

کالے گورے میں مراتب کی نہ تھی کوئی تمیز
وحشیوں کو یہ سب آداب سکھائے میں نے

مانچسٹر کے کفن ساز بھی چپ بیٹھے ہیں
اس قدر روئی کے انبار لگائے میں نے

تخمہ کے خطرہ سے محفوظ ہوا کشورِ ہند
لے اڑی غلہ کے جو ڈھیر بھی پائے میں نے

مے کشو مژدہ کہ پانی سے بھی سستی ہے شراب
کم سے کم مے کے نہیں دام بڑھائے میں نے

یکم فروری سنہ ۱۹۱۵ء

ہلالِ عید سے دو دو باتیں

اے ہلالِ سطوتِ کبریٰ کی رفعت کے نشاں
میری آنکھوں میں ہے تیرا سیزدہ صد سالہ نور

تو ہمارے گھر کے چھت کی چاندنی اس دن سے ہے
حجتِ حق کا ہوا جس روز بطحا میں ظہور

تو فروغ افشاں ہے اس شب سے ہماری بزم میں
جب ہوئے ہم اول اول نشۂ وحدت میں چور

ملتِ بیضا ہے تیری روشناس اُس وقت سے
بدر میں نیچا ہوا جب کفر کے سر کا غرور

تو نے دیکھا ہے ہمیں اور ہم نے دیکھا ہے تجھے
جب ہمارے نام کا بجتا تھا ڈنکا دور دور

پا کے جب آہٹ ہماری کانپتی تھی کائنات
اور ہماری دھوم تھی پروردۂ شورِ نشور

قصہ لیکن ہے یہ اُن فرخ نژاد ایام کا
جب ہمارے نامہ کا عنوان تھا "عزم الامور"

اُن دنوں جب عید کا بن کر نقیب آتا تھا تو
دوڑ جاتی تھی ہمارے قلب میں موجِ سرور

دیدنی تھی اُن دنوں آرائشِ ایوانِ ہند
آسماں تھا صفحہ اور تیری کرن بین السطور

اب نہ وہ آزادیاں ہیں اور نہ وہ دم خم ہے اب
تو تو شاید ہو وہی لیکن نہیں وہ ہم رہے

عید کی خوشیاں مبارک ہوں امانُ اللہ کو
یا رضا خاں پہلوی کو جن کے سر پر تاج ہے

یا کمال اس دن منا سکتا ہے جشن حرّمی
جس کا اپنا ملک ہے اور اس میں اپنا راج ہے

یا بچھا سکتا ہے عشرت کی بساط ابن سعود
کر چکا جو اپنے گھر سے غیر کا اخراج ہے

عید ان کی ہے جنہیں ہے پاس ناموس وطن
عید اُن کی ہے جنہیں دین ہدیٰ کی لاج ہے

تو ہی کر انصاف ہم کیا اور ہماری عید کیا
جن کی آزادی کی دولت ہو چکی تاراج ہے

جن کے اجڑے گھر میں بھونی بھانگ تک ملتی نہیں
جن کی جان اغیار کے بیداد کی آماج ہے

تو چمک کر منہ چڑاتا ہے ہمارا کس لئے
اور نوید عید لاتا ہے خدارا کس لئے

محبّت کی راہ

محبت کی گلی میں سر کے بل جانا بھی ہوتا ہے
صنم کے آستاں پر سر کا ٹھکرانا بھی ہوتا ہے

جگر میں ٹیس کا رہ رہ کے اٹھنا شرط ہے اُس کی
تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدر عشق بازی کا ہے جھڑکی یار کی سہنا
اور اس پر مدعی کی گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

آزادی کا راز

مسلمانو! ہے آزادی کا یہ اک سہل سا لٹکا
محمدؐ کی غلامی کا کمر سے باندھ لو پٹکا

نشاں مٹنے نہ پائے دیکھنا اُمت کے ماتھے سے
حضورِ خواجۂ یثرب کے دروازے کی چوکھٹ کا

مدارا دشمنوں سے ہو تلطف دوستوں سے ہو
نہ جو اس راز کو سمجھا وہ سیدھی راہ سے بھٹکا

اسی تعلیم سے برگشتگی تھی جس نے پل بھر میں
زمیں پر آسماں سے ملتِ بیضا کو دے پٹکا

تمہارے دیں کے ارکاں میں خلل کیا اس سے پڑتا ہے
بجایا سنکھ گر ہندو نے یا سکھ نے کیا جھٹکا

گلا کاٹو نہ تم اپنا اگر خود اپنے ہاتھوں سے
تو ہو سکتا نہیں کچھ بھی تمہیں تقدیر کا کھٹکا

یتیم خانہ کالی کٹ

بھیک ہم مانگنے آئے ہیں یتیموں کے لیے
ایک پیوند کے دام اُن کی گلیموں کے لیے

لائے ہیں دولتِ کونین کا پیغام ہم آج
کوچۂ خواجۂ یثرب کے مقیموں کے لیے

ہونے والی ہے خداوند کی رحمت نازل
وقت آیا ہے سخاوت کا کریموں کے لیے

میمنہ کا لقب اللہ نے تجویز کیا
میمنوں کے لئے اور اُن کے منیموں کے لیے

ہے فقط اہلِ کرم کے لئے فردوسِ بریں
نہیں یہ دولتِ جاوید لئیموں کے لئے

---

۷ اگست ۱۹۳۱ء

جواہر پارے

جائزہ ہند میں اسلام کا ہم نے جو لیا
تو مساجد کے عوض چند شوالے نکلے
نہ غزالی ہے نہ رازی ہے کتب خانوں میں
میز پر بل ہیں تو بستر سے مکالے نکلے
شرک سے جا کے یہ کہہ دو کہ ہے توحید وہ جن
جو نہ روکے سے رُکے اور نہ نکالے نکلے

وادیٔ عشق میں کانٹوں نے نکالا جب سر
پیشوائی کے لئے پاؤں کے چھالے نکلے

اُس شرافت کے عوض جس سے خجل ہو دولت
چند بوسیدہ و فرسودہ قبالے نکلے
نہ فضیلت رہی باقی نہ شجاعت قائم
مدنیں ہوگئیں یاروں کے دوالے نکلے

نعتِ رسولِ اکرم اک گنجِ شائگاں ہے
تھے اس میں جتنے موتی سب ہیں نے رول ڈالے
عقلِ گرہ کشا نے ایمان کی بدولت
سب عقدہ ہائے مشکل ناخن سے کھول ڈالے

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ

تضمین بر غزل حافظ

خاتم از دریا برآرد دستِ یزداں غم مخور
بازگرداند سلیماں را سلیماں غم مخور

یوسفِ گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور
کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

مسلم اٹھ گلشن میں جا کانٹے نکال اور پھول چن
کھول کر دیوانِ حافظ غیب کی آواز سن

اے دلِ غم دیدہ حالت بہ شود دل بد مکن
ویں سرِ شوریدہ باز آید بساماں غم مخور

کیا ہوا گر چند دن سے پُر الم ہے سرگزشت
ہم سے چھوٹے درۂ بغداد اور ازمیر و رشت

دور گردوں گر دو روزے بر مرادِ ما نگشت
دائما یکساں نہ ماند حالِ دوراں غم مخور

تو بلند اسلام کا دنیا میں کرتا ہے علم
پاؤں بھی شل ہوں گے تیرے ہاتھ بھی ہوں گے قلم

در بیاباں گر بشوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

تیری گردن پر ہے تیغِ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ
نَحْنُ اَقْرَبُ بھی ہے لیکن حافظِ حبل الورید

گرچہ منزل بس خطرناک است و مقصد ناپدید
ہیچ راہے نیست کو را نیست پایاں غم مخور

تجھ کو کیا معلوم کیا ہے حکمتِ سرِّ کارِ غیب
کب برس پڑتا ہے تجھ پر ابر گو ہر بارِ غیب

ہاں مشو نومید چوں واقف نۂ زا سرارِ غیب
باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

ایک دن آباد ہو گا پھر ترا اجڑا وطن
پھر ترے آگے جھکیں گے کج کلاہان زمن

گر بہارِ عمر باشد باز بر طرفِ چمن
چتر گل بر سر کشی اے مرغ خوش خواں غم مخور

ہم کو اور تم سب کو ہے معلوم انجام رقیب
کیا ضرورت ہے کہ لیں بے فائدہ نام رقیب

حالِ ما در فرقتِ جاناں و ابرامِ رقیب
جملہ مے داند خدائے حال گرداں غم مخور

جب خدا کے دستِ قدرت میں ہے تیرا نیک و بد
تجھ کو کیا پروا کہ یوں رپ تجھ سے رکھتا ہے حسد

اے دل ار سیلِ فنا بنیادِ ہستی بر کند
چوں ترا نوح است کشتی بان ز طوفاں غم مخور

اورنگ زیبؒ کی زنّار سوزیوں کا افسانہ

کہتے ہیں کھانا نہ کھاتا تھا کبھی اورنگ زیب — تب کہ جس وقت تک دو چار ڈھا لیتا نہ تھا
تکیہ مسند پر لگا کر وہ نہ بیٹھا تھا کبھی — مندروں کی مسجدیں جب تک بنا لیتا نہ تھا
بات تک کرنی اُسے دشوار تھی دربار میں — کلمہ جب تک بت پرستوں کو پڑھا لیتا نہ تھا
لوٹتا رہتا تھا انگاروں پر اگلی صبح تک — آگ میں زنار اگر من بھر جلا لیتا نہ تھا
تیغ کو رکھتا تھا عریاں ہاتھ میں جس وقت تک — ہندوؤں کے خوں سے پیاس اُس کی بجھا لیتا نہ تھا
کوئی دن ایسا نہیں گذرا ہے اس کے عہد میں — جب دو گنتی کلمہ گوؤں کی بڑھا لیتا نہ تھا

گر یہ سچ ہے پھر یہ سب ہندو کہاں سے آ گئے
ہوں گے تارے ٹوٹ کر جو آسماں سے آ گئے

یوم المستضعفین

یہ نکتہ امتِ مرحوم کو بھولا نہیں ہوگا — کہ اک دن کل جہاں میں غلبۂ دینِ مبیں ہوگا

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی — رسول اللہ کے خوانِ کرم سے ریزہ چیں ہوگا

شرابِ معرفت بھر دی گئی ہوگی پیالوں میں — نوید و بشریٰ لے کر کھڑا روح الامیں ہوگا

مدارج طے سبھی ہو جائیں گے ایمانِ کامل کے — یقیں عین الیقیں ہوتا ہوا حق الیقیں ہوگا

جھکا دے گا سرِ تسلیم فاسجدوا و اقترب سن کر — کوئی کافر اگر مجلس میں بُت در آستیں ہوگا

بجے گا سطوتِ کبریٰ کا ڈنکا ساری دنیا میں — زمیں مُلک میں ہوگی فلک زیرِ نگیں ہوگا

خلافت اقتدار اپنا زمانے پر جمائے گی — مطاعِ دہر قسطنطنیہ کا مسند نشیں ہوگا

اُڑائے جائیں گے ابلیس کے قانون کے پرزے — کتابِ عدل کا شیرازہ بندِ آئینِ دیں ہوگا

اسیرانِ جفا کی کاٹ دی جائیں گی زنجیریں — مگر خود ظلم کی گردن میں طوقِ آہنیں ہوگا

غلام آزاد ہوں گے تاکہ بخشا جائے تاج اُن کو — جہاں میں عدل ہوگا لیکن احساں کے قریں ہوگا

ہر اک چھوٹا بڑا آزاد ہوگا فکرِ دنیا سے — نہ زید افسردہ دل ہوگا نہ عمرو اندوہ گیں ہوگا

یہ سارے غیب کے اسرار جس دن منکشف ہوں گے

بلند آفاق میں اُس دن مہِ مستضعفیں ہوگا

فکاہات

معبودِ وقت کی پرستش

حکومت کیا کرو گے لے کے انگریزوں سے نادانو — بجاؤ مسجدوں کے آگے باجا گائے کو پوجو
وطن اور اس کی آزادی سے ایسی بھی عداوت کیا — کہ کانگرس سے پھر کر لاجپت کی رائے کو پوجو

خدا کا نور مالابار سے پھیلا ہے خیبر تک
جو آنکھیں ہیں تو اس کو ورنہ اس کے سائے کو پوجو

علم پر ٹیکس

گورمنٹ پنجاب کے حکم سے ۔۔۔ بڑھا دی گئی ہے مدارس کی فیس
مبارک ہو خواجہ احمد شاہ کو ۔۔۔ اور اُن کو جو ہیں خواجہ کے ہم جلیس
نہ تعلیم اب پا سکیں گے عوام ۔۔۔ جہالت غریبوں کو ڈالے گی پیس
بہت آج کل ہے گراں نرخِ علم ۔۔۔ ہیں اشراف اُنیس اور اجلاف بیس
نہیں شوق امیروں کو تعلیم کا ۔۔۔ غریبوں کو ملتی نہیں آہ فیس
ہے لڑکا زمیندار کا پاگل ۔۔۔ کرے کیا وہ بنئے کے بیٹے کی ریس
بڑا ہو کے چٹخائے گا جوتیاں ۔۔۔ بنے گا کسی نامزا کا سئیس
یہ حالت جب آتی ہے مجھ کو نظر ۔۔۔ تو رہ رہ کے اُٹھتی جگر میں ہے ٹیس
یہ گتھی جو سُلجھائیں سر لوئی ڈین ۔۔۔ تو دیں گے زمیندار ان کو بلیس
ہیں پو بارہ بنیوں کے اِس عہد میں ۔۔۔ کہ ہم تو رعیت ہیں وہ رئیس
خسر ہیں کچہری میں سر رشتہ دار ۔۔۔ تو ہیں سالے صاحب اپیل نویس
انہیں ہم نے جانا تھا گوبر گنیش ۔۔۔ مگر یہ تو نکلے بڑے ہی فریس

کیا علم پر خرچ دل کھول کر
سمجھتے تھے ہم لالہ جی کو خسیس

جسے آپ کہتے ہیں ہندی زباں
حقیقت میں وہ ریختہ ہے سلیس

کنی ان کو ہیرے کی کھانے کو دو
جو ہیرے کو سمجھے ہیں ہیرا کسیس

مٹے وہ زباں میٹنے سے کہاں
کئے جس نے پیدا ہوں داغ اور انیس

زمانہ کرا دے گا ہم تم میں صلح
گزر لینے دو سال پچیس تیس

یکم مئی سنہ ۱۹۱۲ء

ٹام راج

یہ تو ممکن ہے کہ ہو پنجاب میں اسلام کا راج
یہ نہیں ممکن کہ پھر قائم یہاں ہو رام راج
یوں ہی گر ہوتی رہی ناممکن اور ممکن کی بحث
اُٹھ نہیں سکتا قیامت تک بھی یارو ٹام راج

پرانی روشنی

یہ نظم علامہ اقبال کے مکان پر بیٹھ کر اس زمانہ میں لکھی گئی جب علامہ اقبال انارکلی میں رہتے تھے۔ اس میں آدھے اشعار میرے ہیں۔ اور آدھے علامہ ممدوح کے۔

ہمارے شاہ کا ہمسر دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اس کی ذات پر نازاں بساطِ کہنہ و نو ہے

اگر اس کی سلامی کے لئے نواب جھکتے ہیں
تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی لو ہے

کئی مسلک کئے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
احد شہ کا کوئی پٹھو کوئی آغا کا پیرو ہے

عجب ہے کھیل قسمت کا کہ بچپن ہی الکشن کی
بچھائی شیخ بیچارے نے لالہ کو پڑی پو ہے

نہیں ہے بہرِ اظہارِ دغا لازم نمود اصلا
کہ بحرِ شعر میں پانی نہیں مطلق مگر رو ہے

حصولِ جاہ و عزت جس وفاداری کا مقصد ہو
وہ جنس ناروا گندم نہیں گندم نما جو ہے

ملے گی تشنۂ عزت کو کب اعزاز کی قلفی
مہینہ جون کا ہے اور یہ سرگرم تگ و دو ہے

مبارک ہے یہ جشن تاجپوشی جس کے صدقے میں
وہ مسجد تک چلا آیا کلب گھر کا جو ٹھیرو ہے

مسلمانوں کی جمعیت اگر کم ہے تو کیا پروا
عدد سو کے چھیاسٹھ ہوں مگر مفہوم تو سو ہے

نہیں ہونے ہیں لیڈر ان میں پیدا قابلیت سے
مسلمانوں میں یہ مخلوق مثل سبزہ خود رو ہے

خوشامد نے جلا ڈالا ہے خود داری کے خرمن کو
ذرا سی شمع ہے کم بخت اور کتنی بڑی لو ہے

ضرورت کچھ نہ کچھ دنیا میں ہے عصمت فروشوں کی
یہ روحانی قدمچہ ہے یہ اخلاقی بدر رو ہے

پرانی روشنی میں دیکھ لو ہے پختگی کیسی
کہ پہلے دن سے ہر ماہ میں قائم وہی ضو ہے

یکم جولائی ۱۹۱۱ء

ووٹ

(۱)

لمنڈ تو ہے حقیقت راز اور مجاز ووٹ
کرتا ہے ناؤ نوش کا افشائے راز ووٹ

خود ووٹ خود ہی ووٹ گر اور خود ہی ووٹ گیر
کیوں پھر وہ وار لیگ نہ ہو خانہ ساز ووٹ

کچھ فرض یہ نہیں کہ پڑھیں وہ نماز بھی
دیتی ہے لیڈری کا جنہیں امتیاز ووٹ

محمود تھا جو ناظم بزم صنم گری
لایا برہمنوں سے چھڑا کر ایاز ووٹ

مضراب مصلحت سے بجائیں نہ کیوں اسے
ہے نغمۂ ہوس کے لئے مثل ساز ووٹ

(۲)

برپا کرے گا شہر میں شور نشور ووٹ
لائے گی کھینچ مرگ سے اہل قبور ووٹ

ٹی پارٹی بہانۂ تحصیل ووٹ ہے
لیکن جو [illegible] ہیں [illegible] ووٹ

پڑھائیں بے وضو کی نماز اس کے واسطے
ہے زاہدان لیگ کی آنکھوں میں حور ووٹ

حکام میں رسوخ نہیں قرب حق سے کم
اس دور کے کلیم کو ہے کوہ طور ووٹ

آقا تھے بدحواس کہ اتنے میں آن کر
چپکے سے [illegible] ووٹ

ہمدم تجھے بھی چاہیے کونسل میں ہو جگہ
[illegible] ووٹ

کچھ اور بھی ہوں شعر کہ [illegible]
بکتا ہے پیسہ پیسہ میں [illegible]

۲۲ جولائی ۱۹۱۲ء

گورا رنگ

کمزور کو لوٹ اور نہتّوں کا گلا کاٹ
کس سے تجھے اندیشہ ہے کس کی تجھے چوری
اس عہد کے تہذیب کے فتوی پہ عمل کر
سب تجھ کو روا ہے تری رنگت ہے جو گوری

تخیلِ ہفت رنگ

جولائی ۱۹۱۲ء کی حیاتِ عمومی پر تبصرہ

ہندوستان کی چھڑ گئی "اخبارِ عام" سے — گویا بھڑپ ہوئی ہے روپے کی چھدام سے
وہ برق پا ہے اور ٹکے گز کی اس کی چال — چھکڑا نکل کے جا نہیں سکتا ٹرام سے

رستہ ہے سنگلاخ ہمیں خوف ہے یہی
ٹھوکر نہ کھا کے گر پڑیں لالہ دھڑام سے

"اخبارِ عام" کا نہ ہو کیوں سوقیانہ رنگ — منطق ہی مستعار جو لی ہے عوام سے
سٹھیا گئے ہیں لالہ بڑھاپے کا دَور ہے — چڑھتا بخار ہے انہیں "سازش" کے نام سے
فرماتے ہیں کہ قتلِ حبیبِ علی ہوا — مسلم سب انسپکٹروں کے اہتمام سے

لالہ کو آئے دال کا آجائے یاد بھاو
تالش کا طشت پھینکیں یہ افسر جو بام سے

مسلم کی بدنصیبی سے اربابِ حل و عقد — غافل ہیں شاید آگرہ کے انتظام سے
سر لسلی پور تر جو ہیں ساقیٔ انجمن — لائے ہیں خم بھرا ہوا ایک اولٹام سے

رسیا ہیں جس کے لالہ بھی اور شیخ بھی ، مگر
گیلن سے اُن کو ملتی ہے ان کو ڈرم سے

اخبار مسلموں کے ہوئے سارے بائیکاٹ
لالہ کا پیٹ اب تو بھرا انتقام سے

کافر کے دل میں زہر ہے امرت زبان پر
سیکھو دو رنگیاں یہ بت لالہ فام سے

تھا اللہ! اللہ! میرے یہ دن بھی نصیب ہیں
ظالم بگڑ رہا ہے مری رام رام سے

حصّے میں کفر ہی کے کچھ آیا نہیں ہے ہند
کیوں ضد ہے روزگار کو پھر دیں کے نام سے

ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں سُن لو بگوش ہوش
بدلیں گے ہم نہ ہند کو روم اور شام سے

تم چاہتے ہو شیخ کہ غرقی بندھی رہے
اور تکیہ لالہ کا ہو لگا نام چھام سے

کچھ بھی اگر خدا نے تمہیں دی ہے سمجھ بوجھ
خالی کرو دماغ کو اِس حرص خام سے

یہ چھیڑ خانیاں ہمیں مطلق نہیں پسند
رکھتے نہیں ہو کس لئے کام اپنے کام سے

کیا اتحاد بھی ہے مرادف وصال کا
کیوں ہو گئے وہ چیں بجبیں اس پیام سے

ہوں متحد جو دل سے مسلمان اور ہنود
جمشید مے پلائے انہیں اپنے جام سے

پیغام جنگ مل کے اگر دونوں بھیج دیں
لرزاں ہو آسمان بھی ایسے پیام سے

بجلی کی اک تڑپ ہے تو بادل کی ایک لہر
رونق ہے آسمان کی برق و غمام سے

سنتے ہیں سرکشی کی کماں اب اُتر گئی ۔۔۔ معزول ہو گئے ہیں وزارت کے کام سے
سالارِ جنگ کو یہ قلمدان مل گیا ۔۔۔ حق دار کو ملا ہے حق اپنے نظام سے

تم ہو ہمارے مرکزِ اقبال کے مدار
کہتے ہیں آصف اپنے مدار المہام سے

برسات کی بہار کا آغاز ہو گیا ۔۔۔ اب یار لوگ لطف اڑائیں گے آم سے
سیراب ہوں گے کھیت نکھر جائیں گے شجر ۔۔۔ اور سبزہ سر نکالے گا دیوار و بام سے

آئیں گے جھونکے عطر میں بس کر نسیم کے
نکلے گا دم بدم نہ پسینہ مسام سے

کچھ پردہ در یہ چاہتے ہیں گھر کی عورتیں ۔۔۔ لوگوں کے دل کو خوش کریں دیدارِ عام سے
اک میرزا الجھ گئے مغرب کی زلف میں ۔۔۔ پھنس کر نکل سکے نہ وہ لندن کے دام سے
بے پردگی کی لذتِ عریاں کو دیکھ کر ۔۔۔ بول اُٹھے فائدہ نہیں کچھ روک تھام سے

مسلم بھی عورتوں کو کھلے منہ کرائیں سیر
پردے کو کیا غرض ہے حلال و حرام سے

ڈپٹی کمشنری بھی خدائی سے کم نہیں ۔۔۔ مارے گئے وہ پاک تھے جو اہتمام سے
کرنیل بنگ ہیں عجب اک خیرہ سر بزرگ ۔۔۔ سر ہو گئے نکال کے خنجر نیام سے
سارے سیال کوٹ میں ہلچل سی پڑ گئی ۔۔۔ کرنیل بنگ کی روشِ انتظام سے

مسلم دعائیں دیتے ہیں صاحب کی جان کو
فارغ ہوئے غریب کمیٹی کے کام سے

بانکا دیال جھنگ سے لاہور آگیا
ٹھانی ہے اس نے جنگ خواص و عوام سے

لٹھ ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتا ہے جو مکھی
"ہندو" سے "راجپوت" سے "اخبار عام" سے

میدان "جرنلزم" کے بجنتے سوار ہیں
تنگ آگئے ہیں اس فرسِ بدلگام سے

ایسے بھی ضلعدار ہیں جہلم کی نہر پر
آباد کار کانپتے ہیں جن کے نام سے

بیچارے کاشتکار کا گھر لوٹ لوٹ کر
کوٹھے سب اپنے بھر لئے ہیں جنس خام سے

چمڑی ہی خواہ اتار کے دینی پڑے اُسے
ہے لالہ جی کا کام مگر اپنے دام سے

ان لالہ جی سے وقت پہ گر ہوتی پوچھ کچھ
گیہوں، گڑ اور کپاس نکلتی گدام سے

موجود اب بھی ریل کی ہیں چند بلٹیاں!
منکر نہیں ہیں اپنی جو "ٹو" اور "فرام" سے

حاسد کے تن بدن میں حسد کی لگی ہے آگ
دس دس شرارے جھڑتے ہیں اک اک مسام سے

یہ آگ وہ ہے جس کی جلن لاکھ مرتبہ
بڑھ کر ہے قعر ہاویہ کے اضطرام سے

اک یونیورسٹی ہمیں خود اپنی چاہیئے
ہو یادِ تازہ قرطبہ کی جس کے نام سے

ملتا نہیں وہ علم ترستے ہیں جس کو ہم
بیگانہ بوئے گل ہے ہمارے مشام سے

ممکن نہیں کہ قوم کی اصلاح ہو سکے
تدریس و درس حال کے بگڑے قوام سے

نوکِ زباں ہیں مارسڈن اور تھرج کے نام
ہم بے خبر ہیں طبری و ابن ہشام سے

بیت الصنم کو آنکھ کے بل اور سر کے بل!
جاتے ہیں کنی کاٹ کے بیت الحرام سے

مشہد میں روح امام کی ہے تلملا رہی
محشر بپا ہے روس کے طرزِ خرام سے

روضہ سے حالِ زار ہمارا انکل کے دیکھ
فریاد کر رہے ہیں مسلماں امام سے

آزاد جس زمین میں کل تک تھے اہلِ دیں
آج اُن کا حال اس میں ہے بدتر غلام سے

بجلی اطالوی کی نگہ میں تڑپ گئی
جب تیغ تیز ترک نے کھینچی نیام سے

چمکا طرابلس میں ستارہ وہ صبح کا
تھے جس کے انتظار میں دیندار شام سے

اور یہ ستارہ پیش رو آفتاب ہے
ہوگا جواب طلوع حجاب ظلام سے

آگاہ رازِ قوتِ اسلام سے بھی ہو
پوچھا یہ رات ٹام نے عبد السلام سے

اُس نے دیا جواب کہ اسلام کا یہ زور
سیم اور زر سے ہے نہ قصور و خیام سے

یہ آہنیں طلسم جو ہے فارغ از شکست قائم ہے پنجگانہ قعود و قیام سے
شوقِ غزا سے اور شہادت کے عشق سے اور آرزوئے روضۂ دار السلام سے

پہنچا نہیں ہے پیکِ خیال آج تک جہاں
اسلام جھانکتا ہے اس اونچے مقام سے

کچھ ہم کو ڈر نہیں کہ نوازے گئے ہیں ہم یستخلفنّھم کے سماوی پیام سے

اسلامیوں سے وعدہ فتح قریب ہے
ثابت ہے جس کا قرب خدا کے کلام سے

۱۹ر جولائی ۱۹۱۲ء

سرکار کا نظر بٹو

کبھی ہندو ہے گردش میں کبھی مسلم ہے چکر میں — پھر اکرتا ہے یوں ہی چرخ ناہموار کا لٹو
عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی[1] پر ہے — انہیں آنکھوں کا تارا تھے مگر کل تک میاں چھٹو
خوشامد کا عراقی اڑ رہا مسجد کے زینے پر — مسلماں ہی تو ہے آخر یہ اڑیل مشرقی ٹٹو

مری سرکار کا اُلو نکل کر جا نہیں سکتا
کبھی ہندو بجر بٹو کبھی مسلم نظر بٹو

۲۱۔ستمبر ۱۹۱۳ء

[1] جو آگے چل کر دنیا میں سوامی شردھانند کے نام سے مشہور ہوئے

محمد علی

نہ چھوڑا ابھی تک محمد علی کو ۔۔۔ نہ چمکا سکے آپ دل کی کلی کو
یہ کہہ دے گورمنٹ سے کوئی جا کر ۔۔۔ خفی پر نہ ترجیح دیجے جلی کو
سیاست کے رہرو کو لازم نہیں ہے ۔۔۔ سڑک پر چلے اور چھوڑے گلی کو
بسنت آپ کو جانیں اور آپ اُن کو ۔۔۔ کہ پہچانتا ہے ولی ہی ولی کو
مجھے ہے تو بس اپنے قرآں سے مطلب ۔۔۔ میں کیا جانوں صاحب کی پاتنجلی کو

شکر بانٹتے آپ پھرتے ہیں گھر گھر
ترستے ہیں مصری کی ہم اک ڈلی کو

---

۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء

راون پرستی

نہیں لنکا سے کچھ بھی کم ہے پنجاب
جسے دیکھو یہاں باون گزا ہے

ہُوا نیتا ر مذہب کا پزادہ
مگر جھگڑا وہی ڈیڑھ اینٹ کا ہے

خدا کو چھوڑ بیٹھے لالہ و شیخ
پڑا شیطان گھر گھر نچ رہا ہے

کوئی کرتا ہے احمد کی غلامی
مگر بنتا بروزِ مُصطفےٰؐ ہے

کوئی لیتا ہے مُنہ سے رام کا نام
مگر کہتا ہے راون ہی خُدا ہے

ٹھٹک کر رہ گیا ہے پیکرِ عقل
تماشا پُتلیوں کا ہو رہا ہے

۲۱۔ نومبر ۱۹۱۶ء

”چو“ کی لفظی تحقیق

شیخ اور برہمن کی جھڑپ

اشنان کرنے گھر سے چلے لالہ لال چند
اور آگے آ گئے لالہ کے اُن کی بہو گئی!

پوچھا جو مَیں نے لالہ للائن کہاں گئیں
نیچی نظر سے کہنے لگے وہ بھی ”چو“ گئی

مَیں نے دیا جواب اُنہیں ازرہِ مذاق
کیا وہ بھی کوئی چھت تھی کہ بارش سے چو گئی

کہنے لگے کہ آپ بھی ہیں مسخرے عجب
اَب تک بھی آپ سے نہ تمسخر کی خو گئی

”چو“ ہوشیار پور میں ندی سے ہے مراد
بی بی تمیز بھی وہیں کرنے وضو گئی

مَیں نے کہا کہ ”چو“ سے اگر ہے مراد ”جُو“
پھر یُوں کہو کہ تا بہ لبِ آبِ جو گئی

کیوں اینٹھتے ہیں ماش کے آٹے کی طرح آپ
دھوتی سے آپ کی نہیں ہلدی کی بو گئی

لُطفِ زباں سے کیا ہو سروکار آپ کو
دامن کو آپ کے نہیں تہذیب چھو گئی

ہندی نے آکے جیم کو چے سے بدل دیا
”چُو“ آئی کوہسار میں گلشن سے جو گئی

لہجہ ہُوا درشت زباں ہو گئی کرخت　　لطفِ کلام و شستگیِ گفتگو گئی

معنی کو ہے گلہ کہ ہوا بے حجاب میں　　شِکوہ ہے لفظ کو کہ مری آبرو گئی

افسوس ملک میں نہ رہی فارسی کی قدر
مستی اُڑی شراب سے پھولوں سے بو گئی

۲۹- اگست ۱۹۱۷ء

رائے کنج بہاری تھا پر

"ہال" پر مجھ سے ملے کنج بہاری تھا پر
جن کے اعزاز کی فہرست کے ہیں خانے دو

یعنی ہیں رائے بھی آپ اور بہادر بھی ہیں
بزم اور رزم میں اب ہیں یہی افسانے دو

مجھ سے کہنے لگے آپ آ ہی گئے خوب ہُوا
اب نظر آئیں گے لاہور میں فرزانے دو

باغباں کی یہ عنایت ہے کہ فرما ہی دیا
بلبلِ زار کو گلزار میں آجانے دو

رائے صاحب نے کہا میں نے کہ شملہ سے ابھی
اِک لفافہ میں ملے ہیں مجھے پروانے دو

کار فرمائے قدر نے یہ ہدایت کی ہے
کہ دل اپنا اسے اخبار سے بہلانے دو

حکم ہے پیرِ مُغاں کا کہ صحافت کی شراب
ان کو بھی پینے دو اوروں کو بھی پلوانے دو

آج کل ہیں مگر اخبار سبھی گھاٹے میں
کہ روپے میں انہیں ملتے ہیں فقط آنے دو

مجھ کو اس کی نہیں پروا مگر اس کا ہے ملال
کہ حریفوں نے گھڑے عذر ہیں من مانے دو

مجھ پہ اور آپ پہ اُڑتی ہے یہ پھبتی ہر روز
ایک ہے دامِ فریب اُس کے ہیں یہ دانے دو

لاٹ صاحب کی حکومت کی ہیں شمعِ محفل
ہیں اسی شمعِ فروزاں کے یہ پروانے دو

ایک ہی ناؤ ہے جس کے یہ کھوّیا دو ہیں
ایک ہی جام ہے جس کے یہ ہیں پیمانے دو

شیوۂ قوم فروشی میں ہیں دونوں ممتاز
ایک بت ہے، مگر اس کے ہیں صنم خانے دو

رائے صاحب متبسم ہوئے اور مجھ سے کہا
لوگ جھلّائے ہوئے ہیں انہیں جھلّانے دو

چیخ لینے دو انہیں شور یہ آخر کب تک
شوق سے اِن کو گلا پھاڑ کے چلّانے دو

بے سبب آئے بل ابرو پہ تو پڑ لینے دو
گرم ہوتے ہیں جو بے وجہ تو گرمانے دو

دیکھتے دیکھتے ہر شعلہ سے اُگ آئیں گے پھول
اور تنوّر رقابت انہیں بھڑکانے دو

طعنہ دیتے ہیں مری طرح اگر تم کو بھی
اس خرافات سے تیور پہ نہ میل آنے دو

میں بھی جاسوس سہی قوم کا اور تم بھی سہی
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

---

۲ ستمبر ۱۹۱۷ء

حکمتِ جدیدہ

لسان العصر حضرت اکبرؔ کے رنگ میں

فلسفہ انرجی و بنرجی

ہندو نے یہ مسلم سے کہا از رہِ غیرت
مشرق میں ہے پھیلی ہوئی مغرب کی انرجی
پھر کس لئے تم لوگ ہو اک عضوِ معطل
کیوں ہند میں اسلام کی بدلی نہیں گرجی
مُسلم نے یہ حسرت سے کہا اس سے کہ بھائی
ہم میں نہیں کوئی بھی چٹرجی و بنرجی

فلسفہ علّت و معلول

"مالوی" بھی علّتی اور "مولوی" بھی علّتی
حرفِ علّت گر نکل جائے تو پھر ملت ہو ایک
رنج و راحت میں برابر کے ہوں دونوں حصہ دار
ننگ و ناموس ایک ہو اور عزّت و ذلّت ہو ایک
متحد ہو جائیں باہم سارے مُسلم اور ہنود
تفرقے مٹ جائیں ان کے کثرت و قلّت ہو ایک
ڈھانپ لے دونوں کو دامن رحمتِ اسلام کا
کیمیا خانے کے اندر حرمت و حلت ہو ایک

حکمتِ قدیمہ

(وہ بھی جناب لسان العصر کے انداز خاص میں)

نکتہ وحدت واجب الوجود کی نئی تفسیر!

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا الْوَاحِدُ

مُسلم ہیں پہلے اور ہیں کچھ اور بعد میں
اُمّت ہیں ہم جنابِ رسالت مآب کی

جغرافیہ سے ہم نہ کبھی ہوں گے منقسم
تاریخ لاجواب ہے اس انتخاب کی

واحد ہی کا صدور ہے واحد کی ذات سے
یہ انتہا سمجھئے ہمارے حساب کی

لیکن کچھ اس زمانے میں ایسے بھی ہیں بزرگ
ڈالی جنھوں نے اس پہ نظر احتساب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

۹ ستمبر ۱۹۱۷ء

مسٹر ایسکوئیتھ صدرِ اعظم برطانیہ کا چالان

اِس جرم میں کہ دشمنِ دینِ رسُول ہے
رات "ایسکوئیتھ" کا خواب میں چالان ہوگیا

کہنے لگا کہ میری ضمانت تو دیجیے
لیکن میں جان بُوجھ کر انجان ہوگیا

سیّد علی امام بھی تھے پاس ہی کھڑے
لیکن یکایک اُن کو بھی نسیان ہوگیا

اِتنے میں حکم "خذوہ فغلوہ" کا ہوا
اور "ایسکوئیتھ" حوالۂ شیطان ہوگیا

---

۱۶ جون ۱۹۱۷ء

پردہ اور ایروپلین

مشرقی انگنائیوں میں مغربی جانے لگے ۔ خوشۂ اخلاق میں تہذیب کے دانے لگے

رات اِک محفل میں مجھ سے لاہور والے شکوہ سنج ۔ شہر پر ایروپلین آ آکے منڈلانے لگے

سقف بھی مدِ نظر ہے صحن بھی حدِ نگاہ ۔ یک بیک پردے حیا والوں کے اُٹھ جانے لگے

وقت آپہنچا کہ سوچیں اور سمجھیں عقل مند ۔ ایک دیوانہ اگر اِس طرح چلانے لگے

جو روایات اس قدر ہیں ہند والوں کو عزیز ۔ ہائے استغنا سے کیوں آپ ان کو ٹھکرانے لگے

آپ کیوں ان نازنینوں کی نہیں رکھتے ہیں شرم ۔ جن کی نیچی آنکھ سے سورج بھی شرمانے لگے

آپ کیوں کترا کے میداں کی طرف جاتے نہیں ۔ تا کہ دشمن آپ کی سطوت سے تھرانے لگے

ہوش اڑانے شہر والوں کے ہیں کیوں اُڑ اُڑ کے آپ ۔ جامِ غیرت ناحق اُن کا آپ چھلکانے لگے

وقت آپہنچا کہ میرا نامۂ معجز نگار

اہلِ حل و عقد سے اپنا صلہ پانے لگے

الٹی میٹم

کچھ تو انگریزوں کو بھی یارب دیا ہوتا کبھی
تو نے کیوں سارے زمانے کا ہمیں غم دے دیا
یہ گلہ سُن کر فرشتوں نے کہا بد دل نہ ہو،
ہم نے آج اُن کو بھی اپنا الٹی میٹم دے دیا

کلیسائے عیسوی

عمل سختی سے اس قانون پر ہوتا ہے مغرب میں
کہ کھل سکتا نہیں دروازہ کالوں پر کلیسا کا
کہا اس پر یہ اک گورے نے عیسیٰ بھی تو کالے تھے
نہ کیوں پھر داخلہ ممنوع ہو کر جائیں عیسیٰ کا

مارشل لائ کے ایام کی یاد

خواجۂ امرتسر

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگ لیجے بندہ پرور آپ بھی

ایک تہ آماس کی تا فربہی پر جائے چڑھ
کھائیے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی

ناک سے کچھ دن زمیں پر کھینچتے رہیئے لکیر
پھیریئے کوچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی

بعدِ مغرب جایئے مسجد کو اور اس جرم میں
پیٹھ پر کھنچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی

بنئے دولہا اور نکلئے لے کے گلیوں میں برات
دیکھئے ساتھ اس کے پھر سامانِ محشر آپ بھی

سجدہ ٹوپی کو نہ کیجے اور اس کے ساتھ ساتھ
درسِ حبلٌ مِن مَسَد کا پڑھئے فر فر آپ بھی

چلئے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہئے چکر آپ بھی

لیٹئے جا کر جیل میں اور کھائیے ارہر کی دال
میہماں رہیئے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی

پھر یہ کہئے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکرِ جرنیل ڈائر آپ بھی

۲۰ر فروری ۱۹۲۰ء

جنرل ڈائر کی یاد میں

نثر خود گفتی حالا نظم من بشنو

ولائت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا
طراز نامہ تھا نامِ گرامی اوڈوائرِ کا

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بدنام کرتے ہیں
بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائرِ کا

مسلماں اور ہندو کو بھی ہے ناز اپنے سینے پر
اسے گر غرہ ہے بارود گولی کے ذخائرِ کا

جنابِ جانسن کو کیا بھلا چنگیز سے نسبت
نکالا کب جنازہ اس نے اِسلامی شعائرِ کا

کیا تھا بند ریوٹر کو قفس میں نو مہینے تک
دیا تھا کاٹ پر سنسر نے اس بجلی کے طائرِ کا

سڈنہم کو رہا کیا کام اب شیخ و برہمن سے
بلند آفاق میں ہے غلغلہ اس وقت نائرِ کا

مَیں اُن سے چھپ نہیں سکتا وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے
ہے اِس وقت اِنجاں میری اور اُن کی چشمِ غائرِ کا

گنہ یہ ہے کہ سلطان المعظم کا دعا گو ہوں
خلاصہ ہے فقط اتنا ہی احقرِ کے کبائرِ کا

علم سے کام چل سکتا نہیں کچھ ان قوانی میں
لگا لیں گے پتہ خود لارڈ ہنٹر ان ضمائرِ کا

کھلا جب قتل کی تفتیش کا دفتر ولایت میں
بغل میں لائے بستہ داب کر گاندھی ضمائرِ کا

جنابِ حضرتِ چرچل کو گاڈر کی ملی خدمت
ہوا دھبوں سے پاک اب جامۂ احرام زائرِ کا

سر ایڈورڈ آج کل پنجاب کی موٹر کے شوفر ہیں
نہیں ہے رنگ استبدادِ سنگِ راہ ٹائر کا

۲۰ فروری سنہ ۱۹۲۰

مولوی بُخاری

وہ مسجد سے آخر نکالے گئے! | امامت کی گٹھڑی اٹھالے گئے
ہوا خاتمہ آپ کا اِس طرح | جبیں پر نشانِ ریالے گئے
منافق ہیں خاشاک وخس کی مثال | جنہیں دیں کے ریلے بہالے گئے
نہ سمجھو کہ مسجد بھی ہے آستیں | جہاں بچھوؔ اور سانپ پالے گئے

مسلماں کو ہے قصدِ آہنگری
کہ تالے مساجد میں ڈالے گئے

مسیحا سے کہہ دو کہ یورپ کا تاج | درِ مصطفٰے کے گدا لے گئے

ہمیں اور دنیا میں کیا چاہیئے
کہ ایماں کی دولت بچالے گئے

"امامِ دکن" رودِ موسیٰ میں آپ | عبث چند دن سے کھنگالے گئے

عوضِ موجِ کوثر کے حاصل ہے ٹیمز
بجز اس کے اور آپ کیا لے گئے

۲۲ جون سنہ ۱۹۲۰ء

ڈیڑھ سو سال کی وفاداری کا صِلہ

ہو کسی طرح مجھ سے خوش انگریز — میری کوشش یہ انتہائی تھی
مَیں نے اپنے غرور کی گردن — اُس کی دہلیز پر جھکائی تھی
مَیں جو حاکم تھا خود بنا محکوم — یہ بھی اِک شانِ کبریائی تھی
اُس کے قدموں میں ڈال دی لاکر — باپ دادا کی جو کمائی تھی
تاکہ بڑھ جائے آبرو اُس کی — اپنی توقیر خود گھٹائی تھی
اُس کی خاطر نہ کی جو اپنوں سے — کونسی ایسی وہ برائی تھی!
آج مَیں ہوں اور اس کی ٹھوکر ہے — کیا اسی تک مری رسائی تھی
آج روتا ہوں میں کہ کیوں میں نے — اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی
میں نے اپنے کئے کا پھل پایا — اُس سے کی میں نے کیوں بھلائی تھی
کہہ گئے خوب میرزا غالب — کیا وہ نمرود کی خدائی تھی

بندگی میں میرا بھلا نہ ہُوا

۲۳ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

کابل کے درزی

عقدۂ دشوارِ مشرق کی کشائش کے لئے
وفد لے کر حضرت محمودِ طرزی آ گئے
ایشیا کا پیرہن یورپ کے ہاتھوں پھٹ گیا
بخیہ کرنے کیلئے کابل سے درزی آ گئے

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا

ہڑتال کیا ہوئی تو یہ بھونچال ہو گیا

ایجنٹ ریلوے مجھے روتے ہوئے ملے
کہنے لگے کہ ملک تباہ حال ہو گیا

فعال ما یرید ہیں مفعول من یراد
ہندوستاں میں غلبۂ عمال ہو گیا

محنت ہے سربلند تو سرمایہ سرنگوں
منحوس قوم کے لئے یہ سال ہو گیا

انجن الٹ گیا مری گاڑی کا یک بیک
ہڑتال کیا ہوئی یہ تو بھونچال ہو گیا

گوروں نے اپنے ہاتھ میں لی آ کے دھونکنی
کالوں کا ورکشاپ میں جب کال ہو گیا

سرمایہ سرخرو ہے کہ محنت نے آج اسے
مارا طمانچہ ایسا کہ منہ لال ہو گیا

کالے ہوئے ہیں کوئلے سے گورے گورے گال
ڈائر کا یہ بھی نامۂ اعمال ہو گیا

ہڑتالیوں کے روز نکلنے لگے جلوس
پنجاب بھی نمونۂ بنگال ہو گیا

انگریز ہو کے مجھ سے جدا ہو گیا بلر
گویا مرے لئے وہ بین بال ہو گیا

رنگت تو تھی سفید مگر خوں بھی ہے سفید
رشتہ مرا مرے لئے جنجال ہو گیا

میں نے دیا جواب کہ روتے ہیں آپ کیوں
ہم پر جو فضلِ ایزد متعال ہو گیا

افلاسِ ہند بن کے دلیلِ کشود کار
آپ اپنی مشکلات کا حلال ہو گیا

ہاں ایک بات کی ہے شکایت ہمیں ضرور
ہندوستان آپ کا نقال ہو گیا

اب سبز باغ دیکھنے میں آئیں گے کہاں
افسوس پا بگل خرِ دجال ہو گیا

---

۱۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

صوبہ آگرہ و اودھ کی اندر سبھا

فاخر کو دلہن چاہیئے پیرانہ سری میں — موقعہ ہے گورمنٹ کو مشاطگری کا
زنداں سے ہراساں نہ ہو گلفام ہمارا — وصل اُس کو میسر ہے جہاں سبز پری کا

بٹلر سے کہے جا کے کوئی خان بہادر — اے تو کہ خداوند ہے خشکی و تری کا
راجاؤں کو تسخیر کیا ڈال کے ڈورے — شہرہ ہے جہاں میں تری جادو نظری کا
اِک تیرے کرشمے سے ہیں محمود و ایاز آج — انعام ملا باز کو بے بال و پری کا
بس چل نہ سکا کس لئے تیرا علما پر — الزام دیا ان کو جو شوریدہ سری کا
جب تو ہے کہ فاخر کو بھی تسخیر کرے تو
ہم کو بھی یقیں آئے تری باہنری کا

---

۱۲ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

پٹواری

آپ نے اب تک کیوں نہ بڑھایا درماہہ پٹواری کا
قطع نہ ہو جائے کہیں صاحب سلسلہ مال گذاری کا

اُس کی بھی آنکھ سے کھل گئی پٹی آپ کی دی ہوئی عزت کی
ہو ہی گیا احساس اُسے بھی اپنی ذلّت و خواری کا

کھایئے چاپ اور پیجئے وسکی شوق سے لیکن بندہ نواز
اُس کو بھی حصّہ دیجئے اُس کی اُبلی ہوئی ترکاری کا

پیٹ ہے بھوکا جسم ہے ننگا ہونٹ ہیں خشک اور آنکھ ہے تر
پھر یہ نہ کہئے گا کہ ہے لاحق اس کو مرض غداری کا

حق طلبی کی آگ لگی ہے شہر میں بھی اور گاؤں میں بھی
کیونکہ گھسیٹا مدِّ مقابل ہو گیا عبدالباری کا

چشم نمائی کا جو دیا حق آپ کو آپ کی دولت نے
ہم کو بھی استحقاق دیا ہے بخت نے شکوہ گذاری کا

سیر کی خاطر باغ میں جا کر آپ نے سیکھا خندہ گل
آ کے سکھا گئی خود ہمیں شبنم مشغلہ گریہ زاری کا

۲۹ مئی ۱۹۲۰ء

علامہ طرزی کی غزل کے اِنتظار میں

گل و نسریں نے طرزی کو لبھایا ہے مصوری پر
وہ کاش اک شرح لکھتے میرے دل کی ناصبوری پر

چڑھی لندن کے چولھے پر ہے لایڈ جارج کی ہنڈیا
نیا اِک حاشیہ لکھنے کو ہوں میں بھی قدوری پر

بخارا دُور ہے یا کوہ ہے نزدیک اس لئے ریوٹر
نہیں اُنور جو ہاتھ آئے برس پڑتا ہے نوری پر

کہیں مسلم بھی دامانِ خلافت چھوڑ سکتے ہیں
ہنسی آتی ہے مجھ کو ناصحوں کی بے شعوری پر

مَیں سوزِ دردِ دل سے ایشیا کو پھونک سکتا ہوں
مگر موقوف ہے اظہارِ دردِ دل حضوری پر

۲۲-جولائی ۱۹۲۰ء

کلو آنا گلو

فی البدیہہ

(احباب راولپنڈی کی فرمائش پر)

میں از بسکہ ہوں دو مہینے کا بھوکا
سبق رٹ رہا ہوں کلو آنا گلو کا

خمستانِ وحدت ہے ساقیٔ یثرب
پلا دے مجھے بادہ لَا تَقْنَطُوْا کا

پشاور کو ہجرت نے خالی کیا ہے
وہاں جا کے دیکھا تو عالم تھا ہُو کا

شہادت کے خوں سے طہارت ہے لازم
مزا پڑ گیا ہے مجھے اس وضو کا

دکھائے گا اللہ نصرانیوں کو
تماشا حبابِ لبِ آبِ جو کا

کہا بڑھ کے لبیک افریدیوں نے
وہاں جب گیا قافلہ جو بجو کا

بنا دے گی مسلم کو مسلم یہ ہجرت
چھپا جس میں ہے رازِ حق سرّہٗ کا

---

۱۰ اگست ۱۹۲۰ء

سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بلدیہ لاہور

سول خوش ہو کہ رعب اس وقت تک ہے برقرار اس کا
ابھی تک دے رہے ہیں ساتھ دہلی کے چمار اُس کا

کسی کو گالیاں دینا کسی پر پھبتیاں کہنا
کسی کا منہ چڑا دینا ہے کچھ دن سے شعار اس کا

لٹکوا دے سرِ بازار ہر ممبر کو سُولی پر
اگر بلدیہ لاہور پر ہو اختیار اس کا

ابھی تک "جانی واکر" دے دیا کرتا تھا کچھ پیسے
پُسی فُٹ پیٹنے آیا ہے یہ بھی اشتہار اس کا

تہی دستی میں بھی خالی نہیں ہے کیسۂ مسلم
عرب اس کا عجم اس کا عراق اس کا تتار اس کا

۱۸ ستمبر ۱۹۲۱ء

گلچیں کی لٹس کا فسانہ

پہلے بہلایا کس کس بہانے سے　　طعنے دلوائے سارے زمانے سے
بولتا بھی نہیں اب بلانے سے　　مانتا بھی نہیں اب منانے سے

بیں باز آئی دل کے لگانے سے

میرے آنچل میں دھبہ لگاتا گیا　　اپنے دامن کو مجھ سے چھڑاتا گیا
میرے رستے میں کانٹے بچھاتا گیا　　موا ہنستا گیا اور رُلاتا گیا!

بیں باز آئی دِل کے لگانے سے

سیکھو اس سے لگانے بجھانے کا فن　　پہلے دل لے کے پھر دل جلانے کا فن
بے زبانوں کو آنکھیں دکھانے کا فن　　آنکھ والوں سے آنکھیں چرانے کا فن

بیں باز آئی دل کے لگانے سے

۲۰-اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء

کسی صاحبزادہ کی یاد میں

بسکہ سیرِ قدس پر پیکِ خیال آمادہ ہے
کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغ جادہ ہے

میرے مضموں ہیں اچھوتے میرے نغمے ہیں لطیف
گوشِ معنی پردہ ہائے غیب کا دلدادہ ہے

مے سے مستغنی ہوں اور معشوق سے ہوں بے نیاز
طبع موزوں سادہ ہے اور فکر رنگیں بادہ ہے

خاکِ امرتسر میں ہے خونِ شہادت کا یہ رنگ
ذرّہ ذرّہ لعل ہے یاقوت ہے بیجادہ ہے

پھول پھل لانے کو ہیں اُگتے ہی آزادی کے بیج
کل وہی استادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

ہم بھی صاحب تھے کبھی اے سفلہ پرور آسماں
اب تو صاحب ہیں وہی جن کی روش آزادہ ہے

کیا تماشہ ہے کہ صاحبزادہ کہلاتے ہیں ہم
اس کے یہ معنی ہوئے ہندی بھی یورپ زادہ ہے

ہو کے مسلم لے کے پیسہ بن گیا تو دیں فروش
آج میں سمجھا کہ تو واقع میں صاحبزادہ ہے

ورد کیا کام آئے گا یا حیّ یا قیّوم کا
جب شرابِ غرب سے رنگین ترا سجادہ ہے

بین الاقوامی انجمنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہے بیچارے کی اکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی بھتیجے پہ چچا سام[1] کی زد
جس سے اندیشہ ایذا ہے وہ طاقت ہے فرانس

شیر برطانیہ ان سب کو کچل سکتا ہے
نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

خیل نمرود کو ڈر ہے تو فقط اتنا ہے
کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ ڈانس

پھرتے ہیں اہل فلسطین بھی باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

---

[1] اہل امریکہ کا قومی نام

جشنِ صلح لوزان

جس وقت جشنِ صلح کے گھر گھر جلے چراغ
سمجھا یہ میں کہ ہے یہ چراغاں مرے لئے

اتریں گی آسماں سے فرشتوں کی ٹولیاں
کھولیں گی حلقۂ درِ زنداں مرے لئے

ممکن کسی طرح یہ نہیں ہے کہ آج بھی
صبحِ وطن ہو شامِ غریباں مرے لئے

برسوں سے چمن میں خزاں کا عمل رہا
پھر کیوں نہ ہو بہارِ گل افشاں مرے لئے

اس پر یہ ایک حامیٔ سرکار نے کہا
تیرے لئے نہیں، ہے یہ ساماں مرے لئے

تیرا جدا نصیب مقدر مرا الگ
غمیاں ہیں تیرے واسطے خوشیاں مرے لئے

تھی تیرے دم سے رونقِ ہنگامہ شام تک
اب ہے خروشِ حلقۂ زنداں مرے لئے

تو خوگرِ جفا ہے تو میں پیکرِ وفا
آنسو ترے لئے ہیں چراغاں مرے لئے

تو عاقبت شناس ہے میں عافیت پسند
زنداں ترے لئے ہے گلستاں مرے لئے

عقبیٰ تیری عروس ہے دنیا مری کنیز
موزوں ترے لئے وہ یہ شایاں مرے لئے

تیرے لئے حریمِ رسولِ خدا کی خاک
اور ویسرائے ہند کا داماں مرے لئے

طاعت ترے لئے ہے مرے واسطے ثواب
روزے ترے لئے ہیں سوّیاں مرے لئے

حجامت

مَیں جب پانچ سال کے لئے منٹگمری جیل میں قید ہوا تو شروع شروع میں مجھ پر بڑی سختیاں ہُوئیں یہاں تک کہ پورا مہینہ بھر حجام کی خدمات بھی میسّر نہ ہُوئیں۔ اِس پر مَیں نے داروغہ جیل کو ذیل کی عرضی لکھی جو داروغہ صاحب کے ذوقِ سخن فہمی کے تصدق میں منظور ہوئی۔ جب کہیں بال کٹوائے اور ناخن ترشوائے۔

میری داڑھی نے کیا بڑھ کر یہ آج اُن سے سوال
کیا یہاں کے نائی بھی کونسل کے ممبر ہو گئے
ہو گیا منسوخ شاید اسلحہ کا ایکٹ بھی
ورنہ کیوں ناخن بڑھے اتنے کہ نشتر ہو گئے
کس لئے کرتے نہیں قانونِ موسیٰ کا نفاذ
لارڈ ریڈنگ آتے ہی عیسیٰ کے کیوں خر ہو گئے

---

[1] اُسترے کو بھی کہتے ہیں [2] موسائی یعنی یہودی

خرِ عیسیٰ

دی مولوی داؤد کو جھنڈی جو پولس نے
احباب نے پوچھا بہ تعجب کہ یہ کیا ہے؟

کیوں لد کے چلے دوشِ حکومت پہ حضور آج
حضرت کی سواری کا طریقہ یہ نیا ہے

فرمانے لگے ہنس کے کہ میں عالمِ دیں ہوں
اور مرتبہ سرکار میں عالم کا بڑا ہے

اس واسطے مرکب کے عوض فرطِ ادب سے
خود اپنے تئیں پیش حکومت نے کیا ہے

ہے فخر یہ مجھ کو کہ مری ران کے نیچے!
خود حضرتِ عیسیٰ کی سواری کا گدھا ہے

محتاط سائیس

کون کہتا ہے کہ حزم آئین ہے سرکار کا
اور دیا ہے اس کو درس احتیاط ابلیس نے

اب ملاقاتیں ہوئیں احرار کی گاندھی سے بند
مشورہ اچھی طرح جب کر لیا دس بیس نے

ڈر یہ تھا شاید کہ کونسل سے نکل کر یک بیک
پھر نہ یہ شوریدہ سر لگ جائیں چکی پیسنے

اصطبل کے اندر آ کر چند گھوڑا لے گئے
بند پھاٹک جب کہیں جا کر کیا سائیس نے

سپاس نامہ

پرماتما سروپ پنڈت مدن موہن مالوی کے پوتر چرنوں میں

"پرتاپ" کی زبان اور "زمیندار" کے قلم سے

اوم

(۱)

ہر سبھا میں ذکر ہے پنڈت مدن موہن ترا
نام سورج کی طرح بھارت میں ہے روشن ترا

اُس نے گویا سرب شکتی مان کا دیکھا سروپ
جس نے اٹھ کر منہ اندھیرے کر لیا درشن ترا

تو کھوّیا ہے تو کیا ڈر ہے دھرم کی ناؤ کو
شنکر اچارج نے بھی سیکھا نہیں تھا فن ترا

تیر تیرا بے کماں ہے جسم تیرا بے نشاں
ناوک اندازی میں کیا ہوگا سہیم ارجن ترا

تیری جاتی تیرے احسانوں کو گن سکتی نہیں
ہندوؤں پر ہو چکا قربان تن من دھن ترا

تیرے اس اُپدیش نے کایا پلٹ دی ہند کی
مشکل ایکے کے بغیر اے دیش ہے پالن ترا

کر لیا جاتی نے جب ایکا تو شکتی آگئی
آگئی شکتی تو ہو سکتا نہیں کھنڈن ترا

ایک ہی مت ایک ہی بولی نہ ہو جب تک تری
راج کے پربت پہ جم سکتا نہیں آسن ترا

دیش کے اپدیش دے دے کر جگاتا رہ یونہی

رات دن جاتی کی ہمت کو بڑھاتا رہ یونہی

(۲)

ہند کی رونق نہ ترکوں سے نہ افغانوں سے ہے
بلکہ تجھ سے اور تجھ ایسے ودیا دانوں سے ہے

میگھ دوت اترا ہے اندر لوک سے کاشی میں آج
اور پیام اس کا سنا میں نے بھی ان کانوں سے ہے

وقت آپہنچا کہ پھلواڑی ہو بھارت کی ہری
جو خود آرائی میں بڑھ کر سب گلستانوں سے ہے

وقت آپہنچا کہ نام اچھلے پھر اس تہذیب کا
جس کی ہستی ہے اگر قائم تو بت خانوں سے ہے

وقت آپہنچا کہ شدھ ہو جائیں سارے راجپوت
گونجتی اب تک دھرتی جن کے افسانوں سے ہے

وقت آپہنچا کہ اپنوں کو یہ آجائے سمجھ
اختلاف اس ملک میں جتنا ہے بیگانوں سے ہے

ہے یہ سب پاکھنڈ پھیلایا ہوا توحید کا
دیش میں جتنی خرابی ہے مسلمانوں سے ہے

مار اک پھونک اور بجھا دے مشعلِ اسلام کو

سونپ دے پایہ مقدس کام منشی رام کو

۲۳-اپریل ۱۹۲۳ء

حدیثِ آرزومندی

کچھ ایسی اُٹھ گئی قانون انگریزی کی پابندی
کہ امرتسر میں تھی گویا حکومت ہی دیانندی

وہ نازک ہاتھ خشت انداز کیوں ہونے لگے یارب
مگر ہے خونِ مُسلم سے انہیں میلِ حنابندی

اُدھر اینٹوں کے انبار اور اِدھر تیز آب کے کپّے
وہ تجویزیں تھیں "پرتاپی" یہ تدبیریں ہیں "خورسندی"

یہ مانا بن گئے ڈنٹر پیل کر متھرا کے چوبے تم
مگر کچھ اور ہیں اندازِ ترکانِ سمرقندی

سُنا ہے قصد شردھانند جی رکھتے ہیں ہنّوں کا
کہیں شُدھی نہ کردیں اُن کی افریدی و مہمندی

وہ لٹھ باندھے ہوئے گلیوں میں پھرتے ہیں کھلے بندوں
مگر ہم اُف جو کرتے ہیں تو ہوتی ہے زباں بندی

برس لیں جھوم کر یہ کفر کی کالی گھٹائیں بھی
کہ ہے یاروں کے سر پر سایۂ لطفِ خداوندی

---

۲۷ جون ۱۹۲۳ء

عشائے ربانی

ملوکیت کی ربانی عشا میں — شرابِ ناب ہے پنجاب کا خون
یہ ہے وہ مسئلہ جس کی حقیقت — بتا دیں گے ملک فیروز خاں نون
کیا کرتے تھے قدربانی کی تلقین — جنہیں ازبر تھے آزادی کے مضمون
مگر جب امتحاں کا وقت آیا
تو ڈھیلی ہو گئی یاروں کی پتلون

دارالتکفیر بریلی

اوڑھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف
ذات اُن کی ہے مجدد بانت اُن کی لام کاف

مانچسٹر کے کفن سازوں سے لایا ہے اُدھار
شرک کی اَنٹی بریلی کا یہ بڈھا نور باف

بیچ میں کھٹمل بھرا گودڑ ہے پھیلایا ہوا
گرچہ آتا ہے نظر اجلا "رضائی" کا غلاف

پیکرِ طاغوت ہے بیٹا ہے "رضائے مصطفیٰ"
باپ تھا اِس لاش کا سر اور بیٹا اس کی ناف

مشغلہ ان کا ہے تفسیقِ مسلمانانِ ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو اُن سے ذرا بھی اختلاف

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انعکاس و انعطاف

سید احمد خاں پہ سب و شتم کی بارش کہیں
اور کبھی علامہ شبلی کو گالی و اشگاف

جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف
اُس کے دشمن آپ ہیں جو ہو نصاریٰ کے خلاف

کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز
یہ وہ سنگیں جرم ہے جو ہو نہیں سکتا معاف

"ہم مٹا دیں گے زمانہ سے نشان اسلام کا"
بند پر دو رکھ نہیں دیتے یہی کیوں صاف صاف

زندگی اُس کی ہے مِلت کے لئے پیغامِ موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

لیڈر کی نوعیت

لیڈر کیسے اور کس قسم کے ہونے چاہیئں؟ شاعرانہ تخیل کی دنیا سے اِس

سوال کا بھی سن لیجیئے:۔

جنابِ سنسر کا قول ہے:۔

لیڈر تو نام ہے قلمِ احتساب کا لیکن قلم میں لغزشِ مستانہ چاہیئے

سی۔آئی۔ڈی کا ارشاد ہے:۔

لیڈر وہی ہے جس کو ہو سی آئی۔ ڈی کا ڈر ، خوفِ خدائے پاک اسے اصلا نہ چاہیئے

کبیدہ خاطر مقتدایانِ قوم فرماتے ہیں:۔

فرزانگی کی قدر نہیں اس زمانہ میں لیڈر اس اعتبار سے دیوانہ چاہیئے

مسلم لیگ کے ریزولیوشن متعلقہ ذبیحہ گاؤ کے نکتہ چینوں کا گروہ

از راہ تعریض پکارتا ہے:

لیڈر وہ ہے جو گائے کی سیوا کیا کرے لیڈر کو گھاس چاہیئے اور دانہ چاہیئے

ایک ہندو آواز کہتی ہے:۔

ہے لیڈری کا لازمہ دعوائے ہوم رول گیسوئے لیڈری کو یہی شانہ چاہیئے

ایک مسلمان آواز کا دعویٰ ہے:-

لیڈر وہ ہے جو دینِ محمدؐ پہ ہو نثار
لیڈر نبیؐ کی شمع کا پروانہ چاہیئے

عوام الناس کا خیال ہے:-

جو ڈر گیا ہو قید سے اور تازیانے سے
لیڈر ہماری قوم کو ایسا نہ چاہیئے

بونزلا کی منطق

شرابِ عرب کا ساقی ادھر بھی ایک کنٹر لا
اُڑا کر جس کے خُم کے خُم ہوئے سرشار بونزلا

عجم کے جام میں منظور ہے تجھ کو جہاں بینی
تو میکش کے لئے جا کر عرب سے کاسۂ سر لا

رسولؐ اللہ کے دربار میں گر نذر دینی ہو
تو مسلم کے جگر سے لعل اور آنکھوں سے گوہر لا

آنریبل حسینی مہتر

کلکتہ کی کونسل میں پھری اک نئی جھاڑو
جھاڑے گا اسے پنجۂ مژگاں سے حسینی

بھنگی نظر آتا ہے فرنگی کے برابر
آزادئ کامل کی شہادت ہے یہ عینی

گٹ مِٹ میں ہے مصروف تعاون کا تنگڈم
اب اس میں برہمن ہوں کہ مہتر ہوں کہ جینی

سَر تیج بہادر نظر آنے لگے خوش خوش
پہنے ہوئے جوڑا ہیں بسنتی مسز اینی

جب ہال میں ناچے تو لگے کہنے یہ ہیلی
سُر لکھنؤ اِس نغمہ کا اور تال ہے نینی

اِک مجتہد العصر بھی سر دُھن کے یہ بولے
فرماتی ہے اس باب میں ایسا ہی کلینی

انگریز نے پالے ہیں مساوات کے مرغے
پُشتوں کے اصیلوں میں مِلے آن کے ٹینی

متکلم کی ضمیر کا متصوفانہ مرجع

کیوں جنسِ وفا کوڑیوں کے بھاؤ نہ بک جائے
جب گم ہو پنجاب میں بازارِ طریقت
قرآں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ
پیروں سے کوئی پوچھ لے منکم کی حقیقت

مغربی بجلی اور مشرقی بھونچال

گومتی جل کر گئی راوی سے تہذیبِ فرنگ
لکھنؤ میں لاٹھیاں برسیں جواہر لال پر
دیکھئے لاتی ہے دنیا کیونکر اِس ٹکر کی تاب
مغربی بجلی گری ہے مشرقی بھونچال پر

طاہر دبّاغ

ہم نشیں کیا دیکھتا ہے آسماں پر چاند کو
ملّتِ بیضا کے سینے کا چمکتا داغ دیکھ

پائی تھی فردوس نے جس کی فضا میں پرورش
تو نے دیکھا ہے وہ باغ اب اس کو بنتا راغ دیکھ

عندلیبوں کا بسیرا تھا کبھی جس شاخ پر
اُس کے سوکھے ٹھنٹھ پر بیٹھے زغن اور زاغ دیکھ

مکھیاں جدّہ کی تو جیتی نگل جاتے کو ہے
لیکن آ جائے کہیں تجھ کو نہ استفراغ دیکھ

جَو کی روٹی بھی جنہیں قبر میں مل سکتی نہیں
بمبئی میں چکھنے آئے لذّتِ قیماغ دیکھ

آلِ ہاشم پاسباں تھا جس کی عزّت کا حجاز
اس کی رسوائی بشکلِ طاہر دبّاغ دیکھ

اک گھٹا پھر اُٹھ رہی ہے نجد کے کہسار سے
جو اُجڑ کر رہ گیا تھا پھر ہرا وہ باغ دیکھ

پھر ہوئی کشتِ عرب سیراب ابرِ نوبہار
پھر چمن میں جلوۂ کبک و تذرو و ساغ دیکھ

قامتِ گیتی ہے اور رنگیں قبا اسلام کی
غوطہ دیتا ہے اسے کس رنگ میں صبّاغ دیکھ

۱۶ جولائی ۱۹۲۵ء

میثاقِ ملّی

کس کے ہنر نے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے تھے کس دشواری سے
لکھنؤ جا کر سن لو یہ قصّہ قبلہ عبد الباری سے
صدہا سال کے بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا آپس میں
پھوٹ پھر اس میں ڈال دی کس نے اپنی سیہ کرداری سے
کام اہنسا سے نہ چلے گا کانگریں میں اسلام نہیں ہے
مالوی جی کرتے ہیں نوبدن دیش کی ہر نر ناری سے
ووٹ بڑھانے کے لئے دینا کفر کا لقمہ ایمان کو
آڑ دھرم کی برہمنوں نے لی بھی تو کس ہشیاری سے
پھیل گیا سب جسم کے اندر روگ نرالا شدھی کا
اب تو خدا ہی ہے جو شفا دے قوم کو اس بیماری سے
آپ کی قلت میں بھی ہو کثرت آپ ہوں حاکم ہم محکوم
فائدہ ہم کو ہناک ملا اس وعنع کی خود مختاری سے

آپ جو ہوں چیت پھر بھی رہیں پٹ ڈائں تو بیشک اچھا ہے
اُنجھ میں لیکن پڑ نہیں سکتی دھول اب اس عیاری سے

داس سے اور آزاد سے پوچھو ملّت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپت اور انصاری سے

کاش رہا وہ قایدِ ملّت سجن یر ودا سے ہو جائے
ہندو مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

انگریز کا حُسنِ مذاق

لوٹی بہار آ کے تصوّف کے باغ کی
انگریز کا مذاق بھی کتنا لطیف ہے
تونسہ بھی ہے شریف علی پور بھی شریف
القصّہ جو شریف ہے اس کا حلیف ہے

بریلویات

لگ گیا ہاتھ کہیں سے مجھے اُن کا فتویٰ — دستِ توحید ہے اور شرک جلی کی ڈاڑھی
کہہ دو آدم سے کہ دو بال ہمیں بھی بھیجیں — نوچ کر اپنے حریفِ ازلی کی داڑھی
پیٹ میں اپنی درازی کو چھپا لیتی ہے — نور بافانِ بریلی کی نلی کی داڑھی!
پال کے آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کا ہے صوف — یا کہ ہے قبلۂ دیدار علی کی داڑھی

اِس کو اسلام کی لاج اس کو فقط لاج اپنی
چور کے ہاتھ میں ہے آج ولی کی داڑھی

---

۱۶ جون ۱۹۲۵ء

پیمبرؐ کی شفاعت پر میرا حق

مراقش میں رگیدی جا رہی ہے امت عیسیٰ
ادھر اقطع ہیں ہسپانی اُدھر ابنز فرانسیسی

مسلمانوں سے ٹکرائے تو تھے لیکن خبر کیا تھی
پڑے گا مُنہ پہ اک تھپڑ تو جھڑ جائے گی بتیسی

جدھر دیکھا اُدھر دشمن ہی دشمن تھے نصاریٰ کے
کہیں تھے شیخ سنوسی کہیں تھے سیّد ادریسی

شہادت میں جو لذت ہے اُسے یہ لوگ کیا جانیں
رموزِ عَلَّمَ الْاَسْمَا چہ داند ذوقِ ابلیسی

برستے آسماں سے بھی ہیں پتھر فتنہ و شر کے
مگر سمجھی کب ہیں تھپڑاؤ ہیں ہے بنگھٹن کی سی

سبق لیتے ہیں ناحق مالوی جی شاہ نامہ کا
پڑھیں بیٹھے ہوئے پر ایک ہی بیتال پچیسی

خدا کی شان اُنہیں بھی شہسواری کی تمنا ہو
مقدر میں ہے جن کے لارڈ برکن ہیڈ کی سائیسی

پیمبرؐ کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی!

۶ اگست ۱۹۲۵ء

لارڈ لارنس کا بُت

۱۵- اور ۱۶- اکتوبر ۱۹۲۵ء کی درمیانی شب کو کسی نامعلوم منچلے نے موقعہ پاکر لارڈ لارنس کے مجسمہ کی تیغ وقلم کو ایک ہی ضرب میں نابود کردیا۔ اور اس طور پر نہ صرف اہلِ پنجاب بلکہ تمام اہلِ ہند کی طرف سے عملی طور پر اس بت کے سوال کا جواب ان الفاظ میں دے دیا:۔

نہ ہم تلوار کی حکومت چاہتے ہیں نہ قلم کی۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر حکومت کی جائے۔ ایک فقیر جس نے پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع کی گرفتار کر لیا گیا۔ اشعار ذیل اس واقعہ سے متاثر ہو کر لکھے گئے:۔

ٹوٹا قلم اور ساتھ ہی تلوار بھی ٹوٹی
لاہور میں کیا کام اب اس نام کے بت کا

البتہ ضمانت کسی دیندار کی لے کر
کر دیجئے چالان کسی اِک شرری بُت کا

دھمکا نہیں سکتا ہے اب اس ملک کو لارنس
پھر نا نہیں ممکن ہے بدلتی ہوئی رُت کا

مانا کہ عطا کی گئی ہے آپ کو سنگین
اللہ نے بخشا ہے ملنگوں کو بھی کھتکا!

ریل اور تیل

رابغ میں مسٹر فلبی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے چند باتیں ہوئیں۔ وہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دی گئی ہیں:-

اگر نجد میں بھی پہنچ جائے ریل — اور اس سرزمیں سے نکل آئے تیل
تو خوش حال ہو جائے ابنِ سعود — پھرے لوئن اونٹوں کی تھامے نکیل
عرب میں بہے جوئے سیم و طلا — ہر اک سمت دولت کی ہو ریل پیل

کہا میں نے سُن کر یہ فلبی کا قول — منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے یہ بیل
مَیں مُنکر نہیں ریل اور تیل کا — کہ اچھے ہیں سب تمدّن کے کھیل
یہ مقصد ہے لیکن اگر آپ کا — کہ نجدی ہو نصرانیوں کا ڈیل
تو رکھئے مری آج کی بات یاد — فرنگی سے بدّو کا ہوگا نہ میل
یہ ہے ناقۂ ریگ زارِ حرم — وہ ہے رود بارِ کلیسا کی ویل

وہ مشاطہ پیدا ہوئی ہے نہ ہو — جو ڈالے چھچھوندر کے سر میں چنبیل
مری صاف گوئی کو کیجے معاف
کہ رابغ نہیں منٹگمری کا جیل

۲ دسمبر ۱۹۲۵ء

علی ابن حسین شریف مکہ کے ہوائی کارنامے

کہیں سے آ گئی ہاتھ اک گرہ ہلدی کی چوہے کو
تو رکھ کر اس کو اپنے بل میں بن بیٹھا وہ پنساری

علی بھی لے کے اک طیارہ آقایان مغرب سے
سمجھتا ہے کہ میں ہوں اور عرب کی حکم برداری

شہید اب تک ہوئی ہے ایک بچی ہی اُس کے گولوں سے
اب اس سے بڑھ کے ہوگی کارگر کیا اس کی بمباری

دیئے رہ رہ کے اس کے باپ نے اسلام کو چرکے
اب اُس کے حصّہ میں آئی ہے یہ دیرینہ غدّاری

مگر لطش شدمد رب اکبر سے نہ چھوٹے گا
کہ ہے سخت انتقام اس کا اور اس کی ضرب ہے کاری

بحسرت جس طرح مکّے سے راتوں رات بھاگا تھا
مدینے سے بھی اب اُس کے نکلنے کی ہے تیاری

۷ار جنوری ۱۹۲۶ء

تِل کی اوٹ میں ہمالہ

خمیرِ مایۂ مُسلم خدا نے
اُٹھایا ہے عرب کے آب و گِل سے

نبیؐ نے درسِ آزادی دیا ہے
نہیں ہم نے سبق سیکھا یہ ِبل سے

نہیں اسلام وہ دھنیا کہ پِس جائے
مسیحیت کے بٹّے اور سِل سے

منافق کی محبت ہے زبانی
جو مومن ہے مِلا کرتا ہے دِل سے

کبھی تھا ٹوڈیوں کا ناک میں دم
ہمارے حملہ ہائے جاں گسل سے

اب ایسا انقلاب آیا جہاں میں
یہ چوہے بھی نکل آئے ہیں بِل سے

بہت جلد اس بلا کو ٹال دے گا
خدا خود اپنے فضلِ مستقل سے

اسی کی آنکھ ہے یہ جس کا جادو
ہمالہ کو چھپا لیتا ہے تِل سے

۱۰ر جون ۱۹۱۶ء

چند اچھوتی تشبیہیں

سُورج سے بھی رخشندہ تر اک مطلع روشن کہوں
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا کہوں

"جانی" ہے پٹڑی ریل کی کانٹا ہیں جس کا مالوی
اور سوامی شردھانند کو اِس ریل کا انجن کہوں

فطرت میں جس کی رچ گئی اسلامیوں کی دُشمنی
پھر کیوں نہ اس بدبخت کو اِس دیش کا دشمن کہوں

پیروں کی خلوت گاہ پر پڑ جائے گر میری نظر
زانوئے فکرِ پیر کو میں کوک کا آسن کہوں!

تابیں جپنی جانے لگیں تنظیم اور تبلیغ کی
کچلو کی چٹنی کا بدل نیرنگ کا چورن کہوں

دُوں نام کیا کیا قادیاں تیرے صلیبی کعبہ کو
روما کہوں برلن کہوں پیرس کہوں لندن کہوں

۱۰ر جولائی ۱۹۲۶ء

شیعی اور بریلوی

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج
اور لکھنؤ میں دونوں کا قارورہ مل گیا

کندھا دیا جنازۂ ملّت کو ایک نے
اور لے کے ایک قبر پہ پتھر کی سِل گیا

کھوئی گئی کتابِ مقدّس کی آبرو
اور سنّتِ مطہّرہ کا پایہ ہل گیا

آبِ ہوا حجاز کی جس کو نہ آئی راس
ہندوستان میں وہ نیا گل بھی کھل گیا

جمنے لگا تھا قوم کے جس زخم پر کھرنڈ
واحسرتا ہمارے ہی ناخن سے چھِل گیا

مجلس کے رُکن دیکھتے ہی بلبلا اُٹھے
جس وقت اُن کے پاس خلافت کا بل گیا

---

۴ اکتوبر ۱۹۲۶ء

چٹنی

ننکانہ کے مہنت کو قیدِ فرنگ میں
ملتی ہے چپڑی روٹیوں کے ساتھ کھیر بھی

لیکن ستم رسیدہ بخاری کو آج تک
چٹنی کے واسطے نہ ملا کوتھمیر بھی

یہ کیا نیا غضب ہے کہ ہڑتالیوں کے ساتھ
شامل ہیں "انقلاب" کے دونوں مدیر بھی

پیٹیں گے سر شفیع اب ان کی جفا کا ڈھول
اور ساتھ ہی پرانی وفا کی لکیر بھی

مجموعۂ "انقلاب" کا اقبال و نون تھے
دونوں کی تاک میں تھا مگر چرخِ پیر بھی

ہم خود ہیں اپنے تین جرائم کے معترف
جاہل بھی ہیں ذلیل بھی ہیں اور فقیر بھی

پنجہ میں ہیں مہاجنوں کے بھی پھنسے ہوئے
اور چل رہے ہیں ہم پہ حکومت کے تیر بھی

---

۴ فروری سنہ ۱۹۲۷ء

ڈاکٹر کچلو

مچا رکھا ہے غل پنجاب کے رجعت پسندوں نے
کہ دشمن قوم کے اور ملک کے ہیں ڈاکٹر کچلو

کوئی گالی نہیں ایسی جو اُن کو دی نہ جاتی ہو
مسلط ہو گئے ہیں جب سے مسلم لیگ پر کچلو

یہ تشنیع و پھبتی اُن پہ ہر محفل میں اُڑتی ہے
کہ عیسٰی ہیں اگر جناح تو ہیں عیسٰی کے خر کچلو

کوئی فرطِ غضب سے کٹ کٹا کر دانت کہتا ہے
کچلنا چاہیئے جس کو ہے اُس فتنہ کا سر کچلو

کبھی پھیکی نہ پڑتی جلسۂ لاہور کی رونق
لگا دیتے اگر اُٹھ کر نہ کلکتہ کی کر کچلو

غرض جس رنگ میں دیکھو جہاں ڈھونڈو وہی ہیں
یہاں کچلو وہاں کچلو اِدھر کچلو اُدھر کچلو

یہ عزت پا نہ سکتے گر نہ اتنی گالیاں کھاتے
گن اُن کے گا یہی گھر میں بیٹھ کر اب عمر بھر کچلو

ندا

"بھیشم" کی پھلواڑی میں پروفیسر لالہ گلشن رائے ایم۔اے نے ۱۰ ارجن کو ایک نیا گُل کھلایا۔ اس کی بہار ملاحظہ ہو:۔

خواجہ حسن نظامی کے اخبار میں جو یہ خبر نکلی تھی۔ کہ "شُدھ ہو جاؤ اور پنڈ کر لو"
وہ دراصل سخت دل آزار اور ہتک آمیز تھی اور بظاہر بے بنیاد۔ وہ نکلی بھی بے سر و پا۔ جس کے لئے خواجہ صاحب کو اپنے اخبار میں گڑگڑا کر معافی مانگنی پڑی۔ ہت ترے گیدی کی دُم میں ندا۔

لالہ گلشن رائے اب تک نہ جانتے ہوں گے۔ کہ ان کی لا لایانہ نثر کے آخری فقرہ نے خود بخود ایک مصرعہ موزون کی شکل اختیار کر لی۔ جس کی متر نمانہ برجستگی پر پہلا حق شاعری کا ہے۔ کہ وہ قیامت تک ان کے حصہ میں نہیں آ سکتی۔ پھر بھی ہم ان کے الفاظ کی کورانہ موزونیت کے ممنون ہیں۔ جس نے ذوقِ سلیم کو ذیل کا پھڑکتا ہوا ترانہ سجھا دیا۔ لالہ صاحب ناراض نہ ہوں۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے:۔

سُندر ناریوں والی لاری — جب ہوئی ثابت اصل سے عاری
خواجہ نے فوراً کر دی تلافی — مانگ لی لالاؤں سے معافی
صبر انہیں لیکن پھر بھی نہ آیا — جاتی کا بچھڑا یوں ڈکرایا
ہت ترے گیدی کی دُم میں ندا

آریوں کی اس گالی کے صدقے
جاتی کی اِس رکھوالی کے صدقے
خواجہ جو ہیں سچ بات کے عادی
وہ بھی نہ کردیں کیوں یہ منادی
سُن کے جسے سر پیٹ لیں لالہ
ہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
ہت ترے گیدی کی دُم میں نمدا

آئی ہے جب سے دیس میں شُدّھی
ماری گئی ہے "جاتی" کی بُدھی
ہے کہیں لاٹھی ہیں کہیں ایٹیں!
اُڑتی ہیں جن سے خون کی چھینٹیں
مار ترے اِن غمزوں نے ڈالا
ہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
ہت ترے گیدی کی دُم میں نمدا

جاتی اگر بس خود ہی نہ ہوتی
لالہ کی دھوتی ڈھیلی نہ ہوتی
پہلے جب اُس نے ہم کو ستایا
ہم نے بھی اُس کو ناچ نچایا
دل کا بخار اِس طرح نکالا
ہت ترے نخرے میں گرم مسالہ
ہت ترے گیدی کی دُم میں نمدا

۱۴ر جون ۱۹۲۷ء

میرزا ہادی علی بیگ اور پوجیہ پدما لوی جی

وطن سے نوکری کی جستجو میں بنارس کو گئے ہادی علی بیگ
جہاں چرچا ہے گھر گھر ودیا کا چڑھی رہتی ہے مایا کی جہاں دیگ

برستی ہے جہاں دولت چھنا چھن
پرکھتی ہے جسے جاتی "کھنا کھن"

بچارے میرزا ہادی علی بیگ سنا کرتے تھے یاروں سے وطن میں
کہ سب کے پوجیہ ہیں مالوی جی ہیں ساجھی خویش و اغیار ان کے دھن میں

ہیں شیخ و لالہ ایک ان کی نظر میں
اگر ہوں ایک سے فضل و ہنر میں

یہ پوچھا آپ نے ایک راہرو سے کدھر ہے مالوی جی کی حویلی؛
کہ لایا ہوں میں اُن کے پوجنے کو عرب کی ودیا کے گڑ کی بھیلی

خدا شرمائے ایسے حسنِ ظن کو
جو حبل اللہ سمجھے سنگٹھن کو

مغل تھے اور وہ بھی رام پوری — رگِ گردن میں اسلامی اکڑ تھی
اِدھر بازو میں تھا ترکانہ کس بل — اُدھر پنجے میں افغانی پکڑ تھی

اُنہیں دیکھا تو "جاتی" کے مہابیر
یہ سمجھے سر پہ آپہنچی ہے تقدیر

جھروکے سے پکارے مالوی جی — نکالو اِس مسلٹے کو یہاں سے
ملیچھوں کا مرے پھاٹک پہ کیا کام — اسے پہنچاؤ آیا ہے جہاں سے

لگے سرکار کی دینے دہائی
کہ ہے یہ دہلوی "غازی" کا بھائی

بنارس میں مچا کہرام گھر گھر — لڑنے لگ گئے شدھی کے چیلے
یہی کہتا تھا ہر ہندو کہ ہے رام — بچا ہم کو کہ آپہنچے رہیلے

پولس کی دوڑ پہنچی سن کے یہ غل
کہ ہو جائے نہ شدھی کا کہیں قتل

کیا قابو بچارے میرزا کو — کہ شاید کوئی خنجر ہو بغل میں
تلاشی میں مگر کچھ بھی نہ نکلا، — کھلی ساری حقیقت ایک پل میں

فضیلت کی سند تھی یا قلم تھا
یہی ملزم کا پستول اور بم تھا

مگر ہیکل تھے اب بھی مالوی جی کسی ڈھب بندھنے پاتی تھی نہ ڈھارس
کہے جاتے تھے کیا معلوم تم کو کہ یہ تغلق بھی ہو دراصل پارس

کئی دن تک رگیدا اور جھنجھوڑا
پولس نے جب کہیں مرزا کو چھوڑا

کوئی اس سادہ دل مسلم سے پوچھے بھلا بت خانہ میں تھا کیا ترا کام
گیا کیوں آستانِ کفر پر تو ترے آگے تھی جب دہلیزِ اسلام

نہیں قشقہ لگا سکتا جبیں پر!
تو کر صبر اپنی ہی نانِ جویں پر!

۸؍ جون ۱۹۲۷ء

شُدّھی کی بُدّھی

یکایک کی ہے گُم پر ماتما نے
اِن اُوندھی کھوپری والوں کی بُدّھی
کہیں مُسلم بھی بن سکتا ہے کافر
کبھی مومن بھی ہو سکتا ہے شُدّھی

وہ چلی

ہم کو بھی کفن کے لئے مل جائے گا گاڑھا
گاندھی کو ہے گرخبط جلاہے کی نلی کا

انگریز کے حصہ میں ہے بیف اور مٹن چاپ
اور بجزہ مسلماں کو ملا مونگ پھلی کا

شدھی ابھی آنے بھی نہیں پائی سبھامیں
اور شور ہے پہلے ہی سے برپا "وہ چلی" کا

بھوساگئو ماتا کے لئے مالوی لائے
سانی کے لئے فکر ہے منجی کو کھلی کا

لالہ سے للائن کو ہے کیا کیا گلہ، لیکن
مضمون یہ ہے مولوی ممتاز علی کا

فطرت میں عرب ہوں تو سلیقہ میں عجم ہوں
اکبر کی زباں میں ہے تخیل جبلی کا

۷ر جولائی ۱۹۲۷ء

الصلح خیر

نواب ذوالفقار علی خاں کو چھیڑ کر — عزت رہی سہی بھی گنوا بیٹھے لاجپت
پھرتے ہیں دم دبائے ہوئے لومڑی کی طرح — پنجاب کیسری کی بنائی گئی وہ گت
بیگانہ عقل سے ہے بنارس میں مالوی — منجی کی ناگپور میں ماری گئی ہے مت
ہے "تیج" اور "ملاپ" میں نسبت قریب کی — وہ جھوٹ کا نچوڑ ہے یہ گالیوں کا ست
وہ "بندے ماترم" جو کبھی تھا وطن پرست — اب کانگریس کی کرنے لگا وہ بھی منقصت
دھرپت پہ گا رہا ہے دیانندیوں کے گن — بھیشم کو بھی سماتیوں کی پڑ گئی ہے دُھت
ہندو سبھا کے کام نہ آئیں گے خشت و سنگ — چندابا پہ پڑ گئی ہو خلافت کی اک چپت
پرشوں کے سنگٹھن سے نہ جب کچھ بھی بن سکا — اب دیویوں کو کرنے لگے ہیں وہ سنگھٹت
ٹامی سے لڑ سکیں جسے ملتا ہے روز بیف — ہے دال کھانے والوں میں اتنی کہاں سکت
اے کفر کینہ جمع ہو تیرے ہی سینہ میں — اسلام کا حساب ہے اس بنک میں چلت
آندھی ہے اُس کی ناک میں فضائے عجب کی — جس بھائی دان کے جھونپڑے کی آ رہی ہے چھت
"فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود" — شدھی میں بھی ہوئی ہے ودیعت یہی صفت

کلکتہ تجھ کو شملہ سے بھیجا سری نواس | بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت
سُن لیں پیام ہم سے بھی "الصلح خیر" کا | وہ سب سناتنی جو ہیں بھگوان کے بھگت
سکھوں سے دشمنی کوئی اسلام کو نہیں | اسلامیوں کے بھائی ہیں جو خالصہ ہیں تت

"پرتاپ" کے لئے نہیں باقی بچا کوئی
تھی اتنے قافیوں ہی کی اس نظم میں کھپت

۱۲ر نومبر ۱۹۲۷ء

سائمن کمیشن

جب سے تجھ کو ہے دہلی میں فتنہ آرائی
بج رہی ہے لندن میں عافیت کی شہنائی

شامل ایک بھی ہندو جب نہیں کمیشن میں
اس سے بڑھ کے کیا ہوگی سنگٹھن کی رسوائی

اچھی بدشگونی ہے جس کی خاطر اپنوں نے
آپ ہی پرایوں سے اپنی ناک کٹوائی

اپنی آبرو کھوئی ہم نے اپنی باتوں سے
جب لڑے ہم آپس میں تیسرے کی بن آئی

آج لارڈ برکن ہیڈ ناچیں ناچ نگنی کا
ہم کو بھائی پرمانند جان لیں اگر بھائی

آستیں میں بُت رکھنا اور اسے خدا کہنا
کیا یہی مسلماں ہیں گرم لاف یکتائی

ماننا ہی پڑتا ہے لیگ کا رزولیوشن
گھر سے چل کے آیا ہے جب یہ معتبر نائی

۱۳ر نومبر ۱۹۲۷ء

کونسلوں کے شیدائی

یہ سچ ہے کہ دلکش ہے تقریر تری
یہ مانا کہ حاصل تجھے ووٹ بھی ہے
شمار اور اعداد ہیں تجھ کو ازبر
بغل میں اجنڈے کی اک پوٹ بھی ہے
کسی مصلحت سے بہ تقلید گاندھی
کسا تو نے گاڑھے کا لنگوٹ بھی ہے
مگر اُٹھ کے محفل کو جو تلملا دے
ترے دل میں اُس درد کی چوٹ بھی ہے؟

بصائر

خدا کی شان

شاہد حکومت کی عشوہ آفرینی کو — آن مالوی لکھیے شان لاجپت کہیے
شنج جی گئے تھے آپ اُن کے آستانے تک — چاندپر وہاں رہے کس قدر چپیت کہیے
رام راج کی ارتھی آج اُٹھنے والی ہے — دیجئے اسے کندھا "رام رام ست" کہیے

بنارسی خشت پارے

جنہوں نے مسلمان کے سرکوتا کا — اڑیں جن سے اسلام کے خوں کی چھینٹیں
جو کوٹھوں سے اُچھلیں تو گلیوں میں ناچیں — وہ ہیں مالوی جی کے بھٹے کی اینٹیں

مومن کی شان

سنگٹھنیے اس حقیقت سے ہیں شاید بے خبر — وہ جو مومن ہے کبھی کافر سے پٹ سکتا نہیں
ڈاکٹر منجی کے چیلے لاکھ سر پٹکا کریں — تا قیامت ہند سے اسلام مٹ سکتا نہیں

گیسو دراز ولیوں کی کرامتیں

سوامی شردھانند کو خواجہ حسن نظامی کا متصوفانہ الٹی میٹم

میں اپنی کرامت کا جھنڈا جو کھڑا کر دوں — اک رائی کے دانے کو پربت سے بڑا کر دوں
چاہوں تو کروں پل میں خشکی سے تری پیدا — سوکھے ہوئے پیپل کی ٹہنی کو ہرا کر دوں
قرآں کی فضیلت کو خود گائے سے منوا کر — گوسالہ پرستوں میں اک حشر بپا کر دوں
کافر کو کروں مومن جھوٹے کو کروں سچا — پیتل کو طلا کر دوں کھوٹے کو کھرا کر دوں
بندر سے بنا لینا انساں کا آساں ہے — میں وہ ہوں کہ انساں کو اک دم میں گدھا کر دوں

واعظ کی ضرورت کیا تبلیغ کی حاجت کیا
اس طرح جو میں حق سے باطل کو جدا کر دوں

ہفت خوانِ ہند

ملیبار سے تا بہ اقصائے خیبر — ضیا بیز ہے مالوی جی کا جلوا
کہیں گائے کی پوچھ پر سر پھٹول — کہیں باجہ بجنے بجانے پہ بلوا
مسلمان بے چارہ کس کس سے نبٹے — اُدھر بیر بندا اِدھر بیر کلوا
کسی طرح نیچا دکھا دے جوان کو — تو موجود ہے پھر ہری سنگھ نلوا
نہیں پیرہن ہی کو اُن سے شکایت — یہ کانٹے وہ ہیں جن سے چھلنی ہے تلوا
خدایا محمد کی عزت کے صدقے — ہمارا بھی ایک ایک ارمان نکلوا
جو منجی کو متھرا کے لڈو دیئے ہیں — بخاری کو بھی بخش دے من و سلویٰ

مسلماں کے بازو کو زورِ علی دے
حریفوں کی چھاتی پہ مونگ اس سے دلوا

---

۱۷ اگست ۱۹۲۷ء

گوشِ ہوش کو صلائے عام

دیئے ہیں کان خدا نے تو ان سے کام بھی لے
مہا سبھائیوں کے سنگٹھن کی ٹن ٹن سن

کہاں تک اور لنگوٹی میں پھاگ کھیلے گا
مہاجنوں کی بھری تھیلیوں کی چھن چھن سن

نبیؐ کے نام پہ کر کائنات کو قرباں
یہ قول سرورِ عالم جو ہے معن عن سن

۲۶؍اگست ۱۹۲۷ء

گیٹی تھیٹر لاہور

سرِ راہ اِک اشتہار آج دیکھا
کہ ناچیں گی شب کو مس اقبال پُتلی
رسن سازیوں کے دکھائیں گی جوہر
بکے گی تھیٹر میں جادو کی سُتلی
قلم کا تو سنسر نے سر کاٹ ڈالا
زباں کاٹ کر آپ کر دیں گی تُتلی
گریں گے زمیں پر سوارانِ تقویٰ
دکھائے گا چھل بل جو یہ خنگ ختلی
یہی ماد یاں ہے تو لاہور والو
تمہاری تقدس کی گاڑی بھی جُت لی

---

۲۰ اکتوبر ۱۹۲۷ء

آریہ اخباروں کے "مُسلمان" قلم کاروں کا ترانہ

لڈّو ہمیں کھلوا دو
ٹھرّا ہمیں پلوا دو
جانا ہے تھیٹر تک
کچھ پیسے بھی دلوا دو

پھر کرنے کو حاضر ہیں
ہم ہجو پیمبر بھی
اور حملہ خدا پر بھی
ہم پیٹ کے بندے ہیں

کعبہ کو مٹا دیجے
قرآں کو جلا دیجے
اسلام کی خاکستر
گنگا میں بہا دیجے

اُجرت ہمیں ملتی ہے
جب آریوں کے گھر سے
پرتاپ کے دفتر سے
روٹی کے یہ دھندے ہیں

ناموسِ عرب کیسا!
یثرب کا ادب کیسا!
بے مایہ جو ہو ایسا!
کعبہ کا وہ رب کیسا!

ہم رہتے ہیں بھارت میں
لچھمی کا جو زیور ہے
کان گہر و زر ہے
چاندی کے یہ پھندے ہیں

ہم بھوکے ہیں روٹی کے
محتاج لنگوٹی کے
روزی کیلئے مضمون
لکھ دیتے ہیں چوٹی کے

اسلام کے بے فکرے
چلاتے ہیں جھلا کر
اور ماتھے پہ بل لا کر
مضمون یہ گندے ہیں
گالی کے پلندے ہیں

۷ نومبر ۱۹۲۷ء

رازہائے سربستہ

پوچھ لیتا ہے فرنگی بھائی سے بھائی کا راز
ایشیا میں ہے یہ اُس کی کارفرمائی کا راز

سلطنت قربان کی گوسالہ و ناقوس پر
آشکارا ہو گیا ہندو کی رسوائی کا راز

کھول دے گی سالِ نو کی فردِ اعزاز ایک دن
آستانِ شملہ پر اُن کی جبیں سائی کا راز

وجد میں ہندوستاں کو لائے ہیں یارانِ نجد
دیکھ لو اسلام کے جذبے کی گیرائی کا راز

نشۂ توحید میں سرشار ہے ابنِ سعود
ہے فقط اتنا ہی اُس کی شانِ دارائی کا راز

آپ سب کچھ لے لیا کچھ بھی نہ یورپ کو دیا
جدہ کا مشتاق ہے سلطاں کی دانائی کا راز

بمبئی میں منتقل ہو مرکزیت کعبہ کی
تجھ سے چھپ سکتا نہیں کعبے کے شیدائی کا راز

میرے نغمے ہیں نشاط افروز بھی جاں سوز بھی
ہے خود افشاں ان نواؤں کی دل آرائی کا راز

---

۱۴ نومبر ۱۹۲۶ء

اُلٹا ہُوا ٹاٹ

اخبار پڑھ رہے تھے وہ بنگلہ میں پاٹ پر
اور ہو رہے تھے چیں بجبیں بائیکاٹ پر

البتہ اس خیال سے تھے مطمئن کہ لیگ
لگ ہی گئی ہے بارہ مسالہ کی چاٹ پر

یہ فکر ساتھ تھی لیکن لگی ہوئی
کچھ مشورے ہیں اور ہی راوی کے گھاٹ پر

اور نقشہ کھینچتے ہیں کسی گول میز کا
بیٹھے ہوئے خلافتیے اپنی کھاٹ پر

مل کر الٹ نہ دے کہیں سارا وطن اسے
آنکھیں جمی ہوئی ہیں کمیشن کے ٹاٹ پر

---

۲۴ نومبر ۱۹۲۷ء

لڈّو

چناخوانِ تخیّل رات نعمت خان عالی نے
اور اس پر چن دیئے نزدیک کے اور دور کے لڈو

صلا پھر اس طرح دی سر شفیع اور اُنکی ٹولی کو
سمجھتے ہو جنہیں تم لوگ موتی چور کے لڈو

تصور میں مزے لیتے رہو چند اور دن ان کے
کمیشن خود بتادے گا کہ ہیں یہ بور کے لڈو

لئے متھرا کے پیڑے ہم نے لڑکر مالوی جی سے
نمک خوارانِ لندن کو ملے کافور کے لڈو

---

۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

سر

سرفروشوں کے ہیں ہم سر آپ ہیں سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خانگی

فیصلہ کرلے گی دُنیا ہم میں افضل کون ہے
آئیے چل کر دکھا دیں اپنی اپنی بانگی

پاؤں میں زنجیر ہے زنداں سے گھبراتے نہیں
ہم محبّانِ وطن کا شیوہ ہے دیوانگی

عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اسی میں مستتر ہے آپ کی فرزانگی

چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کا دیا ساتھ آپ نے
بات ہے یہ عقل کی یا عقل سے بیگانگی

"مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو"
چھوڑ دے اِس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

۲۹ر دسمبر ۱۹۲۷ء

آزادی اور غلامی

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کے موقعہ پر جس میں سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ ہوا۔ اور سر شفیع کی جماعت نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر اپنی مسلم لیگ الگ بنائی۔

نہیں جن کو ملی توفیق اقدام عمل اب تک
ہے مرکز آج کل لاہور اُن رجعت پسندوں کا

ہمالہ سے بھی اونچا لگ رہا ہے ڈھیر لادی پر
وفاداری کے دفتر میں خوشامد کے پلندوں کا

کھلایا اُن کو جب سیندورز فضل حق کی منطق نے
تو دینے لگ گئے کھسیانے ہو کر طعنہ چندوں کا

کلیسا کے یہ پٹھو قدر آزادی کی کیا جانیں
مقام اس جذبہ کا ہے دل حرم کے دردمندوں کا

مبارک رہتی دنیا تک غلامی ان کو غیروں کی
جنہیں کتنا نظر آتا ہے دشوار اس کے پھندوں کا

وطن کی آبرو کے یہ حریف اچھی طرح سن لیں
کہ ربِ کعبہ کو پیارا ہے ناموس اپنے بندوں کا

۲ جنوری ۱۹۲۸ء

بچّہ اَور اُس کی اَنّا

مشرقی بچّے کی خاطر دایہ اصلاحات کی
لائی مغرب سے دو عملی کا اچھوتا جھنجنا

چائے پینے کے لئے جب اُس نے مانگی گول میز
کیتلی میں لائی پانی بھر کے وہ بھی کنکنا!

اس نوا میں ہے اگر تلخی اسے بیشک نہ سُن
اپنی انّا ہی کی میٹھی میٹھی لوری گنگنا

"مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو"
(اقبال)

۱۲ر جنوری ۱۹۲۸ء

گوری بلا

امریکہ کے بت خانہ سے اندور کی خاطر
لائی ہے ترشوا کے ہوس ایک خدا اور

ہے کوئی جو اس بت کے پجاری کو بتا دے
مشرق کی ہوا اور ہے مغرب کی فضا اور

اک کالی بلا سے ابھی پیچھا نہیں چھوٹا
ساتھ اپنے لگا لائے وہ اک گوری بلا اور

ممتاز نے چھنوائی تھی اندور کی گدی
اب دیکھئے سوغات مرلائی ہے کیا اور

۱۹ر جنوری ۱۹۲۸ء

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

افسانۂ دیں کیسا افسونِ حرم کیسا ہے عیبوں کے چھپانے کو داڑھی مری کم کیا ہے

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

پھنس جاتی ہے اک دنیا اس دام ریائی میں اور میرے تقدس کے چرچے ہیں خدائی میں

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

اس پردہ میں چھپ چھپ کر کرتا ہوں میں جاسوسی دیتا ہے صلہ مجھ کو انگریز ہو یا روسی

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

ازبسکہ مرے منہ پر لمبی سی یہ داڑھی ہے سی آئی ڈی والوں سے چھنتی مری گاڑھی ہے

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

اس کو جو منڈا ڈالوں کھل جائے بھرم میرا جب تک یہ سلامت ہے کب رتبہ ہو کم میرا

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

صورت میں مسلماں ہوں سیرت میں یہودی ہوں اے ہم نفسو سمجھے! میرا یہ اشارہ بھی

راضی ہیں مسلماں بھی اور خوش ہیں نصاریٰ بھی

داڑھی ہے تو غم کیا ہے

رجعت پسندانِ لاہور کی طرف سے سائمن کمیشن کی حمایت

لاہور میں سائمن کمیشن کی آمد پر ۳۰- فروری ۱۹۲۸ء کو ہڑتال ہوئی۔ سر محمد شفیع سر ذوالفقار علی خاں اور سر عبدالقادر وغیرہ نے اِس ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے اِس مضمون کے اشتہار اپنے دستخطوں سے شہر کے در و دیوار پر چپاں کرائے کہ ہڑتال مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ مہلک اور خودکشی کی مترادف ہے۔ اس پر ذیل کے اشعار سپردِ قلم کئے گئے :-

مانگ کر احباب سے رجعت پسندی کی کدال
قبر آزادی کی کھودی لیڈرانِ قوم نے

دشمنانِ ہند کو خوش کرنے کی خاطر شکست
آپ اپنی فوج کو دی لیڈرانِ قوم نے

کاٹ لی پنجاب کی ناک آپ اپنے ہاتھ سے
آبرو ملّت کی کھودی لیڈرانِ قوم نے

تھی ضرورت جس کو مرہم کی اس آگے زخم میں
سُوئی اور اُلٹی چبھوئی لیڈرانِ قوم نے

ہند کے ناموس کی تذلیل سے لاہور میں
بھری انگلستاں کی گودی لیڈرانِ قوم نے

کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ فضلِ حق سے آج
قوم کی لُٹیا ڈبو دی لیڈرانِ قوم نے

۴ر فروری ۱۹۲۸ء

وطن پرست اور سائمن پرست

سرکار میں ہے مرتبہ جن کا بڑھا ہوا
احرار کی نظر میں ہیں سب سے گھٹے ہوئے

اغیار کا مقابلہ کیا جب ہمارے دل
ہوں ایک دوسرے کی طرف سے پھٹے ہوئے

آیا ہمارا نام تو سرکار کے غلام
بولے کہ بدمعاش ہیں یہ سب چھٹے ہوئے

ہم زر بکف نہیں نہ سہی سر بکف تو ہیں
میدان جنگ میں ہیں ابھی تک ڈٹے ہوئے

وہ سائمن پرست ہیں ہم ہیں وطن پرست
ان دو پرستشوں کے ہیں حلقے بٹے ہوئے

کیا کم ہے یہ شرف کہ سبق "جی حضور" کا
کچھ ان سروں کی طرح نہیں ہم رٹے ہوئے

---

۱۷ فروری ۱۹۲۸ء

لاہور کی سائمن نواز خواتین

سر جان سائمن کی ملاقات کا جنوں
کچھ پردہ دار بلبلیوں پر بھی سوار ہے

پوچھے کوئی کہ شرم تمہاری کدھر گئی
تہذیب ہند کا جو پرانا شعار ہے

چہرے سے کیوں نقاب یکایک الٹ دیا
انگریز اس کی لوٹ رہا کیوں بہار ہے

کیا ہم ہی آدمی ہیں کہ تم ہم سے مُنہ چھپاؤ
اور سائمن فرشتۂ پروردگار ہے

نامحرمی کے واسطے کیا ہم ہی رہ گئے
اور محرمانِ پردہ میں اُس کا شمار ہے

افسوس عورتوں سے بھی اُٹھنے لگی حیا
مٹی ہمارے ملک کی ہر طرح خوار ہے

---

۲۶ مارچ ۱۹۲۰ء

ٹوڈیوں کی کھیپ

انقلاب آیا ہے کیا پنجاب میں — ڈاکٹر نارنگ ٹوڈی ہو گئے
ڈنڈ پیلے سائمن کے سامنے — پی کے لیکن بھنگ ٹوڈی ہو گئے
جنگ میں پوشیدہ تھا سامانِ صلح — کرتے کرتے جنگ ٹوڈی ہو گئے
ست بچنئے بن کے چھوٹو رام سے — سیکھ کر سب ڈھنگ ٹوڈی ہو گئے
اُن کے ساتھی جس قدر تھے دیس میں — دیکھ کر یہ رنگ ٹوڈی ہو گئے

ہڈیاں پنجاب کے ناموس کی
کر کے نذرِ گنگ ٹوڈی ہو گئے

۱۱؍اکتوبر ۱۹۲۸ء

مشیر حسین قدوائی

لاجپت رائے سے وہ عشق ہے قدوائی کو کسوت اور استرے سے بھی جو نہیں نائی کو
دیتے ہیں گاندھی و نہرو پہ بھی ترجیح انہیں دیکھئے جا بیئے مشق سخن آرائی کو

کعبہ ہی میں نہیں گرجا میں بھی ہے ایک خدا
کر دیا جس نے ہمالہ سے بڑا رائی کو

پردہ اور نہرو رپورٹ

زمیندار اور کرے تائید اُٹھ کر بے حجابی کی
یہ وہ الزام ہے جس پر ہماری عقل حیراں ہے
کب اس ارشادِ پیغمبرؐ سے ہم نے کی ہے سرتابی
کہ پردہ میں حیا ہے اور حیا سے قائم ایماں ہے

۱۲؍ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلم اوٹ لک کا پیغام

عالموں اور صوفیوں کا سیزدہ صد سالہ فرض ۔۔۔ دے رہا ہے آج کل انجام مسلم اوٹ لک
کہہ رہا ہے سجدہ کرنا ہے تو کر اللہ کو ۔۔۔ پر کسی حالت میں شادی لال کے آگے نہ جھک
تیرے آگے ہے رسول اللہ کا نقشِ قدم
امر بالمعروف سے اور نہی منکر سے نہ رُک

لاہور میں سر جان سائمن کا استقبال

سواگت ہے نرالا سائمن کا
پھٹا آتے ہی گولا ڈھائی من کا

یہ گولا ماسکو کا بم نہیں ہے
مگر اس بم سے کچھ بھی کم نہیں ہے

یہ وہ گولا ہے جس کا نام مس میو
لیا کرتی ہیں پڑھ کر بم مہادیو

جو گندھک اس کی بندے ماترم ہے
تو شورا اس کا غوغائے حرم ہے

ہر اک گوشہ سے گول انداز نکلے
لئے سر ہاتھ میں سرباز نکلے

پرے باندھے ہوئے احرار آئے
وطن اور قوم کے سردار آئے

ملا ہے منہ پہ آزادی کا غازہ
غلامی کا نکلتا ہے جنازہ

ڈر انگریزوں کا ہے جن کے دلوں میں
وہ ٹوڈی گھس گئے اپنے بلوں میں

ہوئیں کیا پھبتیاں آج انقلابی
کہاں ہے آج مذہب پہ رکابی

کدھر ہیں اب یہ بدخواہانِ ملت
بڑی کیا اس سے ہو گی ان کی ذلت

کہ پہرے میں پولس کے سائمن ہے
اور اِن پہ شہر سارا خندہ زن ہے

یکم نومبر ۱۹۲۸ء

جواہر لال نہرو کی گرفتاری

جواہر لال نہرو کی گرفتاری مبارک ہو
وطن کو جنگِ آزادی کی تیاری مبارک ہو

شراب خانہ ساز آئی ہے مشرق کے خمستاں سے
قدح خواروں کو اس صہبا سے سرشاری مبارک ہو

نمک غیروں کے گھر کا کھائیں بیشک شوق سے ٹوڈی
ہمیں اب اپنے ہی گھر کی نمک خواری مبارک ہو

کسی کی آنکھ کی رونق ہو سرمہ خاکِ دہلی کا
کسی کو خاکِ لندن کی پرستاری مبارک ہو

چُنو لندن میں جا کر سائمن کی میز کے ریزے
تمہیں آدھی مبارک ہو ہمیں ساری مبارک ہو

مبارک باد دے کر کہہ دو ان رجعت پسندوں سے
تمہیں ٹکڑا مبارک ہو ہمیں لاری مبارک ہو

پنڈت نانک چند کی سائمن پوجا

مسلمانوں میں بیشک ہے وفا کا جذبہ نوروں پر
اور اس نظمِ مرصع کا شفیعی بند ٹوڈی ہیں

نہیں ہے ہندوؤں میں بھی کمی ان ست بچنیوں کی
مگر ان سب میں نام آور یہاں کے چند ٹوڈی ہیں

ہے یوں تو سائمن کو پوجنا سب کا دھرم لیکن
گرو گھنٹال اس جاتی کے نانک چند ٹوڈی ہیں

کھلے ٹوڈی نرندر ناتھ کھیلے ہیں جو کھل کھل کر
منوہر لال بھی ٹوڈی ہیں لیکن بند ٹوڈی ہیں

ہے اُن کا پیٹ بھیداُن کا تو پینل کو ڈویداُن کا
اسی کا ارتھ کرتے کرتے آج آنند ٹوڈی ہیں

خوشامد کے صلہ میں ہم بھی گوکل چند بن جائیں
اسی سیڑھی پہ چڑھ جانے کے خواہشمند ٹوڈی ہیں

---

۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء

لاجپت رائے کی آخری فرمائش

لاجپت رائے نے تقدیر سے فرمائش کی
کہ مجھے چاہیئے آہنگرِ لاہوت کی میخ

ہر وہ ضرب اُس کے بدن پر جو پڑی لاٹھی سے
بن گئی دولتِ انگلیش کے تابوت کی میخ

ٹھونکنے کے لئے صندوقِ ملوکیت میں
آ گئی لے کے قضا ساعتِ موقوت کی میخ

شیخ کی رائے میں لائے ہیں اسے عزرائیل
برہمن کے لئے یہ میخ ہے یمدوت کی میخ

ٹوڈیوں کا بھی یہی حشر ہے تابوت میں خواہ
کیل سونے کی ہو اور ریزۂ یاقوت کی میخ!

---

۲۷ نومبر ۱۹۲۸ء

بچہ سقّا

لقب سقّے کو کب شایاں ہے ہز رائل مجسٹی کا
خطاب اُس کے لئے موزوں ہے ہز لائل مجسٹی کا

وہ کہتے ہیں کہ یہ سقّہ حبیب اللہ غازی ہے
بقول اقبال کے بےشک وہ چمڑے کا حجازی ہے

یکایک پھر بدلتی ہے ہوائے چرخ زنگاری
وفاداروں میں شامل ہوگئے غدار شنواری

مری آنکھوں میں ہیں مغرب کے استعمار کی چالیں
چھپی جیبوں میں ہیں یہ درہم و دینار کی چالیں

بڑھے اللہ اکبر کہہ کے افریدی و مہمندی
پولس اللہ کی کرنے چلی سقّے کی دربندی

ہماری عقل کی شوکت علی توہین کرتے ہیں
لگی ہے گھر میں آگ اور صبر کی تلقین کرتے ہیں

چلے اللہ والے ٹالنے کابل کی آفت کو
ادھر میلاد کی سوجھی ہے بابائے خلافت کو

عجب خاں نے سنا ہے سقّے کو پستول سے مارا
عجب کیا ہے جو ہوں یوں ہی مسلمانوں کے پوبارا

۲۳ر جنوری ۱۹۲۹ء

چندہ کا صحیح مصرف

لکھا ہے "خلافت" نے کہ چندہ کی ضرورت — ہرگز نہیں قندھار کے ارباب وفا کو
قندھار کو جانا بھی نہیں مصلحتِ وقت — کیا جانیے منظور ہو کیا ان کی ادا کو
مانا کہ فرح بیز ہے غزنی کی فضا بھی — کیا پہنچے گی چوپائی کی جاں بخش ہوا کو
چندہ ہی اگر آپ کو دینا ہے تو صاحب
دلوائیے کچھ آج خلافت کے گدا کو

---

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء

آئینہ

پوچھا انہوں نے ہنس کے یہ مجھ سے براہِ طنز
جب کرنے آئے جیل کا اک دن معائنہ
کیسی ہے اور کہاں ہے حکومت کی شیطنت
مَیں نے کیا جواب میں پیش اُن کو آئینہ

بُرے دِن

شور بازار کے مُلّا سے کہا سقّے نے
تیرے اور میرے مقاصد کے بُرے دن آئے

تجھے کہتے ہیں ضراری مجھے استمائی
میرے ہیکل تری مسجد کے بُرے دن آئے

تو جہالت کا مُرید اور میں رذالت کا عبید
تیرے پیر اور میرے مرشد کے بُرے دن آئے

ہم سے شیخ اور برہمن کو ہے یکساں پرخاش
ہم اسیرانِ شدائد کے بُرے دن آئے

جن کو دیں کرکے مرے حلق میں ٹھونسا تو نے
تیرے اِن سارے عقائد کے بُرے دن آئے

سینہ کوبی میں ہیں یا بائے خلافت مصروف
جن کے اک "مردِ مجاہد" کے بُرے دن آئے

پگڑیاں جن میں شریفوں کی اُچھالی جائیں
اُن بد انجام جرائد کے بُرے دن آئے

۲۳ جون ۱۹۲۹ء

ملائے شور بازار

شور بازار کے مُلّا پہ خدا کی پھٹکار
اس سے بچ جائے تو پھر آلِ عبا کی پھٹکار

گرم بازار کیا فتنہ و شر کا اس نے
مومنو! اس پہ امامِ شہدا کی پھٹکار

دشمنِ دینِ مبیں ہے ادب اس کا کیسا
اس پر اسلام کی عزت کی بقا کی پھٹکار

جو نصاریٰ کی موالات کو ٹھہراتے ہیں کفر
اس پہ ان سب فقہا اور علما کی پھٹکار

اس کے سر کے لئے افغانی کی خاک سطوت
لائی ہے شوخیِ نقشِ کفِ پا کی پھٹکار

۲ر فروری ۱۹۲۹ء

مطائبات

اگر بالشت بھر داڑھی ہی ایماں کی علامت ہے
تو پھر فرمائیے سکھوں کو مومن کیوں نہ سمجھیں ہم

سواری حضرت واعظ پہ گانٹھی ایک انجھر میں
جناب لارڈ ڈارون کو پڑھا جن کیوں نہ سمجھیں ہم

زمین انگریز کی اور حکم بابے خلافت کا
اندھیرے کو اُجالا رات کو دن کیوں نہ سمجھیں ہم

بحکم شرع ہی دیں کے ستوں ٹوڈی بنے ہوں گے
تو پھر ان کے معائب کو محاسن کیوں نہ سمجھیں ہم

گئے بن ٹھن کے ملنے محتسب سے حضرت واعظ
پھر اس بڈھے کو اک معشوق کم سن کیوں نہ سمجھیں ہم

نصاریٰ سے جنہوں نے رشتہ جوڑا ہے نیا ان کو
مسلمانوں کی بربادی کا ضامن کیوں نہ سمجھیں ہم

ہیں جانبدار لیکن غیر جانبدار بنتے ہیں
پھر ایسے مسخروں کو تیرہ باطن کیوں نہ سمجھیں ہم

---

۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء

بابائے خلافت اور کامریڈ شوکت عثمانی

اک طرف جلوہ نما شوکت نصرانی ہے
اک طرف چہرہ کشا شوکت عثمانی ہے

اک طرف کیک کی اک قاش ہے اور چائے کا دور
اک طرف لخت دل اور آنسوؤں کا پانی ہے

اک طرف روح میں خوشنودیٔ تثلیث کا ذوق
اک طرف قید نصاریٰ کی گرانجانی ہے

اشتراکیت اور اسلام کے اس معرکہ میں
دیکھئے کس کے حلیفوں کی فراوانی ہے

بمبئی سے کہیں لے جائے نہ بازی میرٹھ
سائمن کے لئے اتنی ہی پریشانی ہے

۲؍مئی ۱۹۲۹ء

پبلک سیفٹی بل

نہ بم سے ڈرا اور نہ پستول سے
ہے جیوٹ بلا کا ہمارا پٹیل

معاً سیفٹی بل کو ٹھکرا دیا
منڈھے چڑھنے پائی نہ ارون کی بیل

تھا اپنی ہی مجلس میں اپنا دیا
تھی اپنی ہی بتی اور اپنا ہی تیل!

وہی آج ہے رہ نمائے وطن
جو ہرگز نہ ہو جان بل کا دبیل

مسلمان بھی ہو یوں ہی سر بکف
تو ہوتا ہے آج اس کا ہندو سے میل

وہ اس وقت اسلام کا نام لے
ڈرائے جب اُس کو نہ پھانسی نہ جیل

حرم تک مگر جائے کیوں کر وہ اونٹ
کلیسا نے تھامی ہو جس کی نکیل

محمد علی اس سے سیکھیں سبق
نہ سمجھیں ریاست کو بچوں کا کھیل

یہ کھیل آپ کھیلے مگر اس طرح
کہ غُلّہ ہیں آپ اور حکومت غلیل

سلامت رہے اس کا خوانِ کرم
اور اُس خوان پر چار کی ریل پیل

۱۳ / اپریل ۱۹۲۹ء

کیا ابوالکلام آزاد اسلام فروش ہیں

ہے جن کو یاد رام کی اسلام دشمنی
بھولے ہیں کیوں وہ شام کی اسلام دشمنی

اُس کا عناد نام کی اسلام دشمنی
اِس کا فساد کام کی اسلام دشمنی

رام اور شام کو بھی مگر ہے کہاں نصیب
ٹوڈی بدلگام کی اسلام دشمنی

ہے شعر فہمی آپ کی سمجھے ہوئے ہیں آپ
جس کو ابوالکلام کی اسلام دشمنی

کیا انقلاب ہے کہ ہو آزاد کے حریف
انگریز کے غلام کی اسلام دشمنی

---

۲۵ اپریل ۱۹۲۹ء

خُدا اور بُت

اک روز میں نے عرض یہ سرکار سے کیا
اے وہ کہ مجھ کو تجھ سے مجالِ سخن نہیں

اے وہ کہ ہے زمیں تیری ہیبت سے دم بخود
اور آسماں کو حوصلۂ دم زدن نہیں

اے وہ کہ تیرے غمزۂ خنجر گزار کو
پروائے جانِ شیخ و دلِ برہمن نہیں

اے وہ کہ تیرے دور میں قانون کا ادب
شرمندۂ روایتِ عہدِ کہن نہیں

سنتا ہوں میں کہ تیری مساوات بے بدل
منت پذیرِ فرقِ الٰہ و وثن نہیں

پھر کیوں خدا کے گھر ہی کو ڈھایا حضور نے
بت پر حضور کس لئے بولے بزن نہیں

لارنس کا مجسمہ کیوں منہدم نہ ہو
کیا اس کے واسطے کوئی مشین گن نہیں

ملزم یہ بُت بھی ہے جو خدا ہے قصوروار
اس کا بھی اعتراض سے خالی چلن نہیں

ٹالا مرے سوال کو اس عذرِ لنگ سے
سرکار سے جواب کچھ آیا جو بن نہیں

انگریز وحشیانہ تعصب سے پاک ہیں
محمود غزنوی کی طرح بت شکن نہیں

فنِ لابہ گری کے امام

اسلام سرنگوں نہ ہو کیوں اُن کے سامنے
تھامے ہوئے ہوں جن کا علم سرعمر حیات

ملتی رہی ہے جس کو ہمارے لہو کی بھینٹ
ہیں اس صنم کدہ کے صنم سرعمر حیات

کعبہ سے حب سوا ہے کلیسائے سینٹ پال
پھر کیوں کریں طوافِ حرم سرعمر حیات

انگریزی کے غم سے نہ جب مل سکے نجات
کیا کھائیں اپنی قوم کا غم سرعمر حیات

لندن میں پھر رہے ہیں کہ رکھ لیں کسی طرح
سرجان سائمن کا بھرم سرعمر حیات

اوروں کو فخر کیوں ہے ہری سنگھ گوڑ پر
کیا اُن سے کچھ وفا میں ہیں کم سرعمر حیات

گر شیوہ اس ذلیل خوشامد کا چھوڑ دیں
ہم پر کریں بڑا ہی کرم سرعمر حیات

اس سے ہزار بار ہے بہتر کہ دت کی طرح
جھولی میں ڈال لیں کوئی بم سرعمر حیات

---

۱۶ مئی ۱۹۲۹ء

مارننگ پوسٹ لندن

مارننگ پوسٹ نے بھیجی ہے یہ برقی دھمکی
آپ کی گردن اڑا سکتے ہیں تلوار سے ہم

مدعی سلف گورنمنٹ کے ہیں جو احرار
انہیں تعبیر کیا کرتے ہیں اشرار سے ہم

ہند کی شوخیٔ تقریر کا معقول جواب
دیں گے اور دیتے ہیں تلوار کی جھنکار سے ہم

نہیں شوریدہ سروں سے ہمیں کچھ بھی سروکار
کام رکھتے ہیں رعایائے وفادار سے ہم

مارننگ پوسٹ کو پہنچے یہ ہمارا بھی پیام
ڈر نہیں سکتے کسی آپ کی للکار سے ہم

ہم رعایا ہیں خدا کی جو ہے رحمان و رحیم
نہ ڈریں گے کسی سفاکِ ستمگار سے ہم

ہے پیمبر کی غلامی ہمیں سرمایۂ ناز
پا رہے ہیں یہ وظیفہ اسی دربار سے ہم

درس عبرت کبھی قیصر نے پڑھایا ہم کو
سن چکے ظلم کا انجام کبھی زار سے ہم

بات جو حق ہے زبانوں سے وہ نکلے گی ضرور
باز آئیں گے حقیقت کے نہ اظہار سے ہم

وعدہ اللہ کا گر سچ ہے اور اس میں نہیں شک
تو نکالیں گے یہ زہر دہن مار سے ہم

لاتخف کی ہے قبا زینت دوش مسلم
نہیں اب تک پھرے اس عہد اس اقرار سے ہم

رشتۂ مہر و وفا ساتھ ہی اس کے لیکن
توڑ سکتے نہیں اسلام کی سرکار سے ہم

گر خلافت کی صیانت میں ذرا بھی خلل آئے
نہ ڈرے ہیں نہ ڈریں گے رسن و دار سے ہم

جس میں اسلام کی اجڑی ہوئی شوکت کام آئے
کام رکھتے نہیں اس قصرِ طلاکار سے ہم

جام ٹوٹا ہے تو کیا جامِ سفالیں ہی تو ہے
اور لے آئیں گے اسلام کے بازار سے ہم

ہند میں رشتۂ اسلام ہے اس سے محکم
پھر نہ کس واسطے مانوس ہوں زنار سے ہم

آپ تلوار کی دھمکی ہمیں کیوں دیتے ہیں
خوب واقف ہیں گورنمنٹ کے اسرار سے ہم

جبر کا عہد گیا وقتِ مدارا آیا!
اور سنتے ہیں یہ باتیں در و دیوار سے ہم

جلیانوالہ کا افسانہ ہوا خواب و خیال
خوں کے دریا کی نکل آئے ہیں منجدھار سے ہم

نشتر میں آپ دکھاتے ہیں چمک خنجر کی
کھولتے ہیں رگِ جاں نشترِ اشعار سے ہم

آپ کیا چیز ہیں اور آپ کی منطق کیا چیز
مہرباں آج سے باز آئے اس اخبار سے ہم

یکم مارچ سنہ ۱۹۲۳ء

محافظین حقوق اسلام

اسلام کے حقوق کی مٹی خراب ہو
گر کفر سے نہ دست و گریباں ہو انقلاب
سب سے بڑا یہ حق ہے کہ یوم النشور تک
فارغ ہو احتساب سے پنجاب میں شراب
فیروز خان نون حکومت کا ساتھ دیں
جب لات سے وہ ملک کو دے بات کا جواب

چونے کی بوری

توقع خیر کی رکھو نہ لبرل سے نہ ٹوری سے
کبھی آٹا نکل سکتا نہیں چونے کی بوری سے

ین سازانِ مغرب گرچہ اپنے فن میں یکتا ہیں
نہ سیکھا باندھنا ہم کو مگر احساں کی ڈوری سے

ڈگر بھی ہے وہی لاٹھی بھی اب تک ہے وہی انکی
حکومت کیا کرے معذور ہے آنکھوں کی کوری سے

گلی میں آگ لگنے کا تجھے اے مدعی غم کیا
کہ کتا آگ لگتے ہی نکل جاتا ہے موری سے

یہ چنگاری جو ملتان اور امرتسر میں سلگی ہے
چرا لائے ہیں شاید مالوی جی چورا چوری سے

یہ دولت مانگنے سے آدمی کو مل نہیں سکتی
گر آزادی کی خواہش ہے تو چھینو سینہ زوری سے

کنایات و تصریحات

پردۂ خاور سے نکلا اک نیا "مہرِ منیر"
آنکھ جس کے "انقلابی جلوہ" سے "نوری" ہوئی

حُسن کی "نعمت" ہوئی ارزاں بحکمِ قادیاں
پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

لگ گئی شاخِ صحافت میں تصوف کی قلم
شانِ رسوائی سے پیدا آنِ مستوری ہوئی

مر مٹے مِلّت کی عزت پر بھگت سنگھ اور دت
زندہ جن کے نام سے تحریکِ جمہوری ہوئی

کوئی مٹی کا دیا بازار سے آ جائے گا
کیا ہوا گر بزم میں گُل شمعِ کافوری ہوئی

قیدیوں کی جان فاقوں سے لبوں پر آ گئی
جب کہیں خونِ جگر کھانے کی منظوری ہوئی

تھی فقط دو گز کفن کی مستحق پایانِ کار
ان کی فغفوری ہوئی یا میری مزدوری ہوئی

یہ نہ سمجھو اِس میں ہے کچھ بھی قصورِ اسلام کا
ہم کو آزادی کی منزل سے اگر دوری ہوئی

یوں ہی گر قائم رہا آئینِ بیدادِ فرنگ
دیکھ لینا اِس حکومت کو کہ دستوری ہوئی

---

۲۰ جولائی ۱۹۲۵ء

گنگا اور زمزم

اُدھر ہیں ڈاکٹر مونجی اِدھر ہیں ڈاکٹر عالم | اُدھر گوبر اِدھر عنبر اُدھر گنگا اِدھر زم زم
یہاں حق کی عملداری وہاں باطل کی سالاری | یہاں طوفاں وہاں تنکا یہاں سورج وہاں شبنم
مسلماں سے چہ غم اور خالصہ جی سے چہ خوش سن کر | پکارے مالوی جی بندرابن "سے مرے سے ہم"

مسلمانوں نے مارا مل کے جب اک یثربی نعرہ
دھری رہ جائے گی ہندو سبھا کی گوکلی سرگم

لالہ و نافرمان

چت ہوئی مذہب کی کوڑی اور کبھی پٹ ہو گئی
اک ہوا ایسی چلی داڑھی صفاچٹ ہو گئی

ہو نہیں سکتا کہ راج اُس دیس کا چوپٹ نہ ہو
راج ہٹ سے جس میں تریا ہٹ کی کھٹ پٹ ہو گئی

مسکرا دیتے ہیں گاندھی دیکھ کر یورپ کا حال
ایشیا میں جس کی ہر تدبیر تلپٹ ہو گئی

ٹاٹ مغرب میں گیا سرمایہ داروں کا اُلٹ
کھاٹ مزدوروں کی مشرق میں چھپرکھٹ ہو گئی

توپ کی دُوں دُوں پہ بھی پھکے گئے لندن کے چھوٹ
بمبئی چرخے کی چرخ چوں پہ چیوٹ ہو گئی

چوستی آئی ہے جو ہر جگ کے راون کے لہو
پھر سے کالی آج کلکتہ میں پرگٹ ہو گئی

بسکہ رگڑی سو برس تک ٹوڈیوں نے اس پہ ناک
بے نشاں سرکار کے بنگلے کی چوکھٹ ہو گئی

تیز تھی پہلے ہی کیا کم قادیاں کی مادیاں
ایڈ ارون کا بتانا تھا کہ فروسٹ ہو گئی

ٹیڑھیاں گر وہ سناتے ہیں تو یہ تہذیب ہے
کانگریس نے بات سیدھی کی تو منہ پھٹ ہو گئی

ڈاکٹر اقبال کی تقدیر الہ آباد میں
جیکر اور جینا کے سمجھوتے کا مرگھٹ ہو گئی

دخترِ رز گرچہ پہلے بھی غضب کی تھی شریر
پڑ کے بھولا رام کے گھر اور نٹ کھٹ ہو گئی

کس طرح یہ دیس رہ سکتا ہے غیروں کا غلام
ہر زباں پہ پیاری آزادی کی جب رٹ ہو گئی

قید سے جس دن رہا ہوں گے اسیرانِ فرنگ
دیکھ لینا تم کہ صلح اپنوں میں جھٹ پٹ ہو گئی

میری پھلواری میں اللہ بھی ہے نافرماں بھی ہے
جس کی آرائش تمہیں سے تا بہ سلہٹ ہو گئی

۲۵ر دسمبر ۱۹۳۰ء

سفینۂ اسلام

بجواب "پرتاپ" مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء

یک رنگ ہے سفینۂ اسلام کا سوار
ہوں گے وہ اور جن کے ہیں دو کشتیوں میں پاؤں

میں وہ نہیں کہ منہ ہو سفید اور دل سیاہ
ہو اور ہی کسی کو مبارک یہ دھوپ چھاؤں

میں شیر ہوں جو گونج رہا ہوں کچھار میں
بلی نہیں جو گھر ہی میں کرتی ہے میاؤں میاؤں

کہتی ہے یہ پولس کہ نکل جاؤ شہر سے
اب جا کے ہم بسائیں گے جنگل میں کوئی گاؤں

---

۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء

شملوی سہرا

شملہ حکومت ہند کا تابستانی مستقر اور ازبسکہ ایک دلفریب نزہتگاہ ہے۔ اس لئے مجھ جیسے آوارہ مزاج لوگ بھی جنہیں نہ کونسلوں سے دلچسپی ہے نہ وائسرائے کے آستانہ کے طواف کا شوق محض تفریح و تفرج کے خیال سے اس سردسیر مقام کی بلندیوں تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ میدانوں کی جھلسا دینے والی گرمی سے کچھ دن کے لئے پناہ مل جائے چند دن ہوئے یہی خیال مجھے کشاں کشاں شملے لے گیا۔ ایک دن مجھے اپنے پرانے مخدوم مولانا غلام محمد شملوی[1] (سفیر ندوۃ العلماء) کی طرف سے ایک دعوت کا رقعہ موصول ہوا۔ آپ کی نبیرہ کی عروسی کی مسرت افزا تقریب تھی ممکن نہ تھا کہ یہ دعوت رد کرتا۔ احباب نے فرمائش کی کہ مولانا کا سہرا لکھا جائے۔ میں نے قلم اٹھایا اور ذیل کے اشعار رقعہ دعوت کی پشت کے حوالہ کر دیئے۔

زمانہ میں چمکا ہے نام محمدؐ ہوئی روکش صبح شام محمدؐ
نہ پہنچے وہاں جبرائیل امیں بھی بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ
مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ

[1] افسوس صد ہزار افسوس کہ پچھلے دنوں مولانا رحلت فرما گئے۔ عجب زندہ دل بزرگ تھے خدا بزرگ و برتر غریق رحمت کرے۔

پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو — خدا کے خمستاں سے جامِ محمدؐ
فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم — بقائے خدا و دوامِ محمدؐ
یہ مجلس جہاں شور ہے وانکحو کا — ہمیں دے رہی ہے پیامِ محمدؐ
جواں دل ہیں اس واسطے کر رہے ہیں — بڑھاپے میں شادی غلامِ محمدؐ
ہے مثنیٰ سے آئی ثلاثہ کی نوبت
کہ ان کو یہ ہے اذنِ عامِ محمدؐ

پھلجھڑی

اس بھبھکے پر سخن شناسوں کی طرف سے احسنت و زہ کے دونگڑے برس گئے اور پے بہ پے تقاضے ہونے لگے کہ دو ایک اشعار ابھی اور ہو جائیں خواہ زمین کوئی دوسری ہی ہو۔ میں نے ارتجالاً عرض کیا:۔

بھری محفل میں یہ مصرع پڑھا میں نے شرارت سے — نہیں یہ مولوی خالی ہوا اب تک حرارت سے
ملی ہے ایک پھندنا سی دلہن حضرت کو شملہ میں — کم از کم فائدہ یہ تو ہے ندوہ کی سفارت سے

اس کے بعد کچھ شعر ذرا زیادہ عریاں تھے

نہیں باقی کے اشعار اس لئے لکھے یہاں میں نے — کہ سنسر طیش میں آ جائے گا میری عبارت سے

نوح

خلد آشیاں سراج الدین احمد خاں بانی "زمیندار"

المتوفی ۶؍ دسمبر ۱۹۰۹ء

وہ اپنے فن میں ملک کے اندر یگانہ تھا — یکتائے روزگار و وحید زمانہ تھا
حکم قضا سے چارہ نہیں ہے مگر ابھی — پیمانہ اس کی عمر کا پورا بھرا نہ تھا
ایسی کچھ اس نے عمر زیادہ نہ پائی تھی — اتنا ہی لیکن اس کو ملا آب و دانہ تھا
ہمت کے اعتبار سے تھا ہم سر فلک — یوں دیکھنے میں گرچہ قد اس کا میانہ تھا
اس کے قلم پہ ختم تھیں جادو نگاریاں — ہر نکتہ اس کا ایک دل آرا فسانہ تھا
تھی اس کے لاگ میں بھی ادا اک لگاؤ کی — اس کے سوا یہ رنگ کسی اور کا نہ تھا
اس کی زباں ہمیشہ رہی ترجمان دل — اس واسطے کبھی وہ کسی سے دبا نہ تھا
ان صاف گوئیوں کی بدولت تمام عمر — جتنا کہ چاہئے تھا وہ اتنا بڑھا نہ تھا
طبع غیور دی تھی خداوند نے اسے — آگے کبھی کسی کے سر اس کا جھکا نہ تھا
نیت میں راستی تھی ارادہ میں تھا خلوص — اس کے کسی خیال میں شامل ریا نہ تھا
رکھتا وہ دشمنوں کی طرف سے نہ تھا عناد — ملتا وہ دوستوں سے اگر مخلصانہ تھا

وہ بیکسوں کے واسطے بنتا رہا سپر
اور سرکشوں کے حق میں وہ اک تازیانہ تھا

تھا مقدرت سے بسکہ وہ بڑھ کر کشادہ دل
کچھ جمع اپنے واسطے اس نے کیا نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے اہل وطن پیشوا اُسے
سرکار سے خطاب اُسے گو ملا نہ تھا

دہقاں کی ناؤ موج میں تھی ڈگمگا رہی
جب تک کہ اس سفینہ کا وہ ناخدا نہ تھا

کی اُس نے آکے غیب سے اس قوم کی مدد
جس کا بجز خدا کے کوئی آسرا نہ تھا

اس قوم بے زباں کی بنا آکے وہ زباں
جس میں سے ایک شخص بھی نطق آشنا نہ تھا

وہ پاک نفس تھا غرض اپنی مثال آپ
ذکر اُس کا آج خلق میں یوں غائبانہ تھا

شہباز ما پریدہ رہ آسماں گرفت
مرغے نہ رفتہ است کہ دیگر تواں گرفت

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

حبیب نور علیہ الرحمۃ

مرے جگر پہ بھگت سنگھ کا ہے داغ جہاں
نہیں میں بھول سکا ہوں حبیب نور کو بھی
خدائے پاک کی شامل ہوں رحمتیں اس کو
اور اُس کے ساتھ شہیدانِ کانپور کو بھی

---

۱۶ مئی ۱۹۳۱ء

داغ مرحوم

نقشِ سراب ہستیِ ناپائیدار ہے
شکلِ حباب زندگی مستعار ہے

گر عمرِ نوح بھی ہو میسر تو کیا ہیں
آخر کو ہم ہیں اور وہی کنجِ مزار ہے

بلبل عبث ہے باغ میں ہنگامہ گرم کن
عہدِ خزاں ودیعتِ فصلِ بہار ہے

منزل پہ آکے راہروِ جادۂ فنا
دامن فشاں ہوا عدۂ روزگار ہے

باتیں یہ سب درست بجا یہ تسلیاں
لیکن دلِ حزیں پہ کسے اختیار ہے

بچھڑا ہے ہم سے داغ ہمیشہ کے واسطے
دل داغدار ہے مژہ خونابہ بار ہے

ہوتا ہے آج حوصلۂ دل کا امتحاں
زور آزما زمین و زماں کا فشار ہے

ہوتی ہے اس کی مرثیہ خواں آج شاعری
ماتم میں اس کے آج غزل سوگوار ہے

جس کا کلام نازک و رنگین و دلفریب
اردو زباں کو مایۂ صد افتخار ہے

شانِ تغزل اس نے وہ اردو کو بخش دی
سو جاں سے جس پہ طرزِ نظیری نثار ہے

غالب سے نکتہ سنج جسے دادِ شعر دیں
اس کے معرفوں میں مرا کیا شمار ہے

سونا پڑا ہے باغ کہاں ہے کدھر ہے آج
اے عندلیب گل کو ترا انتظار ہے

تصویرِ حسن و عشق کی کھنچوائیں کس سے ہم
پردیس میں ہیں مصورِ جادو نگار ہے

کیونکر کرے گا حسن خود آرائیوں کی مشق
مشاطہ کے کرشمہ پہ جس کا مزار ہے

نازاں ہوئے دکن کہ تیرے اشتیاق ہیں
دہلی سے اُڑ کے آئی وہ مشتِ غبار ہے

دہلی کو جس پہ فخر ہے ہندوستاں کو ناز
جس کے تلامذہ میں ترا شہریار ہے

بزمِ سخن کی شمع رہے گا کلامِ داغ
جب تک فلک پہ شمس و قمر کو قرار ہے

۷ر مارچ سنہ ۱۹۰۰ء

محمد اکبر خاں مرحوم

المتوفی ۱۳۲۳ھ

میں آج سنانے کو ہوں مژگاں کی زبانی
پہلو میں گدازِ جگر و دل کی کہانی

دشمن کا بھی دل جس غمِ جانکاہ سے بھر آئے
اُس غم کی تجھے آج ہے تصویر دکھانی

سیل آنسوؤں کا آج گذر جائے گا سر سے
گر یوں ہی رہے گی مری خونبانہ فشانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم
بنیادِ فلک ہے مجھے منظور ہلانی

یہ روزِ سیہ بھی مری قسمت میں لکھا تھا
کرنی پڑی اکبر کی مجھے مرثیہ خوانی

رونق مرے گلزار کی تھی جس سے دوبالا
کیا ہو گئی اُس سروِ خراماں کی روانی

وہ شمع کہ تھا اُس سے مرے گھر میں اجالا
صرصر کو نہ لازم تھی سرِ شام بجھانی

کچھ شک نہیں اس میں کہ یہ دنیا ہے دو روزہ
یہ امر مسلّم ہے کہ انسان ہے فانی

لیکن جگر خستہ کے اڑ جاتے ہیں پرزے — یاد آتی ہے اکبر مجھے جب تیری جوانی
چھبیس برس کی بھی ہوئی تھی نہ تری عمر — کیوں تم نے جدائی کی اسی وقت میں ٹھانی
کمبخت قضا سے کوئی شکوہ ہی کرے کیا — اس کو تو مساوات ہے پیری و جوانی
چلتے ہوئے کیوں توڑ گئے ہو مرا بازو — اچھی مجھے دی تم نے اخوت کی نشانی
ہم جلتے ہیں یاں آتش سوزندۂ غم میں — لازم نہیں جنت میں خوشی تم کو منانی
بی اے ہوئے کس واسطے تم جان برادر — کس دن کے لئے تھی یہ تمہاری ہمہ دانی
کل باندھ کے سہرا ترے سر آج دریغا — چادر تری تربت پہ پڑی تجھ کو چڑھانی
دیکھو تو ذرا اٹھ کے قیامت کا نمونہ — بالیں پہ تمہارے ہے بپا محشر ثانی
اکبر ترے مرنے کا مٹے گا نہ کبھی داغ! — اس پھول کو سینچے گا مرے اشک کا پانی
روتے تمہیں ہم ہیں ہمیں روتا ہے مقدر — کم ہم میں اعالی ہیں زیادہ ہیں ادانی

جس قوم سے اٹھ جائیں جواں تم سے ہنرور
تقدیر کو منظور ہے وہ قوم مٹانی

سر سید مرحوم کا وہ نور نظر تھا — اس سے بھی سوا ہند کی نظروں میں مگر تھا
تھا قوم حزیں کے لئے سرمایۂ نازش — از بسکہ وہ گنجینۂ صد فضل و ہنر تھا
چھانے ہوئے تھے اس نے معانی کے دقائق — مخزن تھا فضائل کا معارف کا وہ گھر تھا

قانون کے اسرار و غوامض کو خصوصاً
اس کی ہمہ دانی کے مقابل نہ مفر تھا

دل اور دماغ اُس کے تھے مافوق حوالی
اپنوں میں نہ موجود تھا مثل اس کے اگر تھا

بیگانے تھے اپنوں سے سوا اس کے ثناخواں
اس درجہ قوی اس کے فضائل کا اثر تھا

عظمت کبھی محسوس نہ اپنی ہوئی اس کو
باطن میں فرشتہ تھا وہ ظاہر میں بشر تھا

میراث میں نانا کی غنا اس کو ملی تھی
ہم سنگِ خزف اس کے لئے نقرہ و زر تھا

صدمے میں شریک اُس کے ہے بستانِ دکن بھی
پہلے وہ یہیں آ کے کھلا غنچۂ تر تھا

اس باغ کا اک پھول تھا وہ تازہ و خوش رنگ
اِس شاخ کا وہ ایک گراں مایہ ثمر تھا

محمود کے مرنے کی ہے دشوار تلافی
ہے صبر کا یہ صدمہ لب جاں کا منافی

خوں روئے گا یہ دیدۂ گریاں کوئی دن اور
رکھے گی تری یاد پریشاں کوئی دن اور

مٹی میں تجھے سونپ کے پہلوئے پدر میں
جاں کھوئیں گے ہم سوختہ ساماں کوئی دن اور

کچھ گذری ہے اور ہوگی بسر کچھ ترے غم میں
اس مرحلے کے ہم بھی ہیں مہماں کوئی دن اور

چُپ چاپ پڑے سوئیں گے مرقد میں ہمیشہ
کرلیں ترے ماتم میں ہم افغاں کوئی دن اور

اس سِن میں تیری موت قیامت سے نہیں کم
رکھنا تجھے روشن تھا یہ زنداں کوئی دن اور

محفل کی ضیا جس سے دوبالا تھی نہ بجھتی
اے کاش کہ وہ شمع فروزاں کوئی دن اور

نوخاستہ بیٹے کو دیا داغِ یتیمی!
اس سے تو نہ تھا توڑنا پیماں کوئی دن اور

لے دے کے فقط ایک تجھی پر تھا ہمیں ناز　　پھر تجھ پہ نہ کیوں ہم رہے نازاں کوئی دن اور

جو قوم میں اچھے ہیں وہ یوں جاتے ہیں مٹتے　　مہمان ہیں دنیا میں مسلماں کوئی دن اور

تو قوم کی خدمت میں رہا باپ کا پیرو　　یاد آئیں گے ہم کو ترے احساں کوئی دن اور

مرحوم کو دے خلد ہمیں خالق اکبر

نعم البدل سیّد محمود عطا کر

جولائی ۱۹۰۳ء

مرثیہ آنریبل سیّد محمود مرحوم و مغفور

اے پارۂ دل آنکھ سے خوں ہو کے نکل جا
اے دیدۂ تر چشمۂ خوں بن کے اُبل جا
اے آہِ شرربار کلیجے کو جھلس دے
اے نالۂ جاں سوز سوئے چرخ زحل جا
اے سینہ دم سرد کا طوفان بپا کر
اے مغز تپ سوزش پنہاں سے پگھل جا
اے کوہِ الم ٹوٹ پڑا احباب کے دل پر
اے آرۂ حسرت سرِ اغیار پہ چل جا
اے برقِ فنا پھونک دے ارمان کی خرمن
اے کشت مرادِ دلِ حسرت زدہ جل جا
لازم نہیں کرنی تجھے ضد اے جگر اس وقت
رہ رہ کے نہ اس طور سے مژگاں پہ مچل جا
برپا ہے جہاں میں ترے بدلے کی قیامت
اے حشر ہمیشہ کے لئے آج سے ٹل جا
تجھ سے نہیں کچھ زور ہے اے پنجۂ تقدیر
برگِ گلِ امید کو چٹکی میں مسل جا
باز آئے ہم اس زندگی مرگ نما سے
اے افعیِ غم تو ہمیں سارا ہی نگل جا
باتوں سے چڑھی ندی اتر جائے گی گویا
ناصح کا یہ فرماں ہے طبیعت کو سنبھل جا

کیونکر نہ جگر شق ہو بھلا آج ہمارا
محمود ہمیشہ کے لئے ہم سے سدھارا

گرامی مغفور

تازہ تھا ابھی دل میں غمِ شرر کی رحلت کا
اب خبر یہ آئی ہے چل بسے گرامی بھی

نغز گو ہو بیشک تم اے عجم کے فرزندو
تم سے کم نہ تھی لیکن اُس کی خوش کلامی بھی

شستہ تھی زباں اُس کی پختہ تھا کلام اس کا
تم دکھا نہیں سکتے اس میں ایک خامی بھی

مہر کی تجلّی تھی ہر غزل کے مطلع میں
ماہ کی تمامی تھی جس کی ناتمامی بھی

نغمہ گرچہ ہندی تھا لَے مگر تھی شیرازی
سنتے اور سر دُھنتے طالب و امامی بھی

گنجِ شائگاں پاتا اس کے گنجِ معنے کو
خاک گنجہ سے آتا اٹھ کے گر نظامی بھی

جانشیں کوئی اس کا اب نظر نہیں آتا
کرتے ہیں اسے محسوس میرے جیسے عامی بھی

فارسی کی قدر اُٹھی جب سے آئی انگریزی
کیسی سخت آفت ہے ہند کی غلامی بھی

۹ جون ۱۹۲۷ء

قطعۂ تاریخ وفات

شیخ علی احمد جمعدار غفران مکان ولد شیخ غلام نبی مرحوم قانون گوی دو ہڑہ کار دار عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ساکن گجرات ۔ پنجاب۔

آج اک بزرگِ قوم جہاں سے گذر گیا
چاروں طرف بلند ہے واحسرتا کا غل

اس واقعہ سے ہیں متاثر سب اہل شہر
اس غم میں سوگوار ہیں شیخ اور شاب کُل

ہر دلعزیز تھا وہ خواص و عوام میں
ازبسکہ اس بزرگ کا مسلک تھا صلح کُل

محفل کی رونقیں علی احمد کے دم سے تھیں
ساقی جب اٹھ گیا تو نہ مینا رہا نہ مُل

تاریخ ملہمانہ ہے اُس کی وفات کی
گجرات کا چراغ ہوا آج ہائے گُل

۳۱ ۶ ۱۹

۶ر جنوری ۱۹۳۲ء

متفرقات

ملکۂ وکٹوریا

طالب العلمی کا زمانہ تھا ملکۂ وکٹوریہ کے سالگرہ کے جشن کی تقریب پر یونین کلب علی گڈھ میں ایک جلسہ ہوا جس کے لئے میں نے ایک فارسی قصیدہ کہا تھا۔ یہ قصیدہ گم ہو گیا۔ چند اشعار یاد رہ گئے جو لکھے جاتے ہیں۔

زمانہ گشت دگر غازہ جو زرنگ بہار　　عروس دہر بیاراست چہرہ ہمچو نگار
دگر شفق بہ فلک چہرہ ارغوانی کرد　　دگر نقاب ہمی افگند مہ از رخسار
دگر شداست عذارِ زمیں ز رنگ و ز بو　　بسانِ لندن و پیرس بسانِ چین و تتار
دگر شود متبسّم بہ بوستان غنچہ　　دگر شود متکلم بہ گلستان انوار
دگر ز سبزہ صبا فرِ مخملی گسترد　　دگر بہ باغ بہ رقص آمدست بید و چنار
دگر صفیرِ عنادل بہ شاخِ گل برخاست۔　　دگر بہ نغمہ درآمد جلاجل اشجار
دگر صریرِ قلم گشتہ است زمزمہ سنج　　چو مرغ صبح کند ایں دعائے را تکرار
کہ باد قیصرۂ ما بہ جشنِ سال گرہ　　زمین دولت خرم ز بخت برخوردار
بہ ہیبت آئینہ گیرد کجاست اسکندر　　کجاست جم کہ بہ ہیبت شود قدح بردار
بہ گاہِ رزم لباس تو عرصہ ہا خونی　　بہ گاہِ بزم ز کاس تو دیدہ ہا گلنار

به عهدِ معدلتت حامیِ کلیسا را — به حارسانِ مساجد نمی بود سروکار
بر آسمانِ زمینِ تو مهر انور را — غروب نیست نماید طلوع چوں یکبار
به وفقِ حکمِ تو گردد همی عوام و شہور — به حسبِ خواہش تو سائر ند لیل و نہار

ہزار سال گرہ ہم چناں کہ امروز است
مبارکت بو دا ے ماہِ برجِ عزّ و وقار

قصیدہ

بروز شنبہ مطابق ۱۶ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء کیمپ لنگم پلی واقعہ ضلع وارنگل (حیدر آباد دکن)

میں نواب سر وقار الامرا بہادر صدر اعظم دولتِ آصفیہ کے سامنے پڑھا گیا۔

کچھ عجب شان سے اس مرتبہ آئی ہے بہار
کہ گل و لالہ سے ہے دامنِ گلچیں کہسار

جس طرف دیکھئے سبزہ کی لگی ہے محفل
جس طرف دیکھئے ہے سنبلِ تر بادہ گسار

جس طرف جائیے گردش میں ہے جام و مینا
جس طرف سنئیے عنادل کے ترانے ہیں ہزار

اثرِ نامیہ ہے غازۂ روئے گلِ تر
سبزہ کی زلف کا شانہ ہے صبا کی رفتار

لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے صبا مستانہ
خواب نوشیں سے ہوا ہے ابھی سبزہ بیدار

تاڑ کہتا ہے کہیں سرو سے میں بہتر ہوں
نسترن مجھ کو کہاں پائے گی ہے تو اِک خار

ہر طرف شاہدِ قدرت ہی نہیں جلوہ فروش
گرم انساں کا بھی ہے ایک [illegible] بازار

جشن برپا ہے بڑی دھوم سے اک جنگل میں
غلغلہ عیش کا ہے اور مسرت کی پکار

کس لئے آج مرتب ہے یہ بزمِ زیبا
کس لئے آج ہے یہ عیش و طرب کا اظہار

رونقِ صحنِ چمن آج ہے کیوں ساحتِ دشت
آج کس شخص کا جنگل میں لگا ہے دربار

کونسی بزم ہے یہ کون ہے اس کا ساقی
کون یہ قافلہ ہے کون ہے اس کا سالار

ہے یہ وہ بزم کہ ہر ذرّہ ہے جس کا خورشید
ہے یہ وہ بزم کہ ہر مست ہے جس کا ہشیار

ہے یہ وہ بزم کہ دولت کو ہے اس پر نازش
ہے یہ وہ بزم کہ اقبال کو ہے اس سے وقار

ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا جنگل منگل
ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا صحرا گلزار

ہے یہ وہ بزم کہ فانوس ہے اس کا گردوں
ہے یہ وہ بزم کہ شمع اس کی ہے خورشید نشا

بزم جمشید کے قصّے تو چلے آتے ہیں
مگر اس بزم طرب زا کی انوکھی ہے بہار

کیوں نہ اس بزم کو ہو فخر خود اپنے اوپر
جب کہ اس بزم کے ہیں باعث زینت سرکار

ہے یہ وہ بزم کہ سرکار ہیں جس کے ساقی
ہے یہ وہ قافلہ سرکار ہیں جس کے سالار

داور ذی حشم و جاہ وقار الامراء
نیر برج شرف جن پہ سعادت ہے نثار

مہبط فضل خدا مورد فیض یزداں
معدنِ لطف و کرم مخزنِ جود و ایثار

جن کا شیوہ ہے کرم لطف ہے آئیں جن کا
جن کا احساں ہے چلن اور مروّت ہے شعار

ہوئے پنجشنبہ کے دن بلدہ سے تہنیت فرما
اس ارادے سے کہ چندے رہے سیر اور شکار

کیوں نہ تھک جائے شب و روز کی محنت سے دماغ
مستقل کام سے کیسے نہ پڑے طبع پہ بار

سر یہی ہے متقاضی کہ ملے کچھ تو فراغ
دل یہی ہے متمنی کہ ملے کچھ تو قرار

اک نہ اک وقت ہے تفریح و تفرج بھی ضرور
اک نہ اک وقت ہے لازم رہے انساں بیکار

جمعہ کے روز ہوئے واردِ لنگم پلی
ان کے قدموں سے بنا صفحۂ ہاموں گلزار

خبر آئی یہ اُسی روز ہوا ہے گارا
سُن کے فرمانے لگے ہوں گے ابھی ہم بھی سوار

ابھی سورج نہ ڈھلا تھا کہ سواری نکلی
فتح و نصرت ہوئی ہمراہِ رکابِ سرکار

دیکھ کر اس کی جھلک خیرہ ہوئی چشمِ فلک
چھا گیا چہرۂ خورشید پہ بادل کا غبار

رشک سے گرد ہوئی ابلقِ ایام کی چال
شوخیاں اپنی دکھاتی جو چلی لیل و نہار

غرض اس شان سے پہنچے وہاں باجاہ و خدم
جہاں ضیغم کو یہ دعویٰ تھا کہ ہوں میں سردار

دامنِ کوہ میں کرتا تھا فلک سے باتیں
اک شجر جو کہ بلندی میں تھا رشکِ اشجار

گود میں اپنے لئے تھا وہ مچان اک اونچا
جس کو خدام نے پہلے سے کیا تھا طیّار

نردباں اس پہ لگا کر ہوئے رونق افروز
اور دیا حکم کہ ہوں ہانکنے والے طیار

شور اب دف کا ہوا لوگ لگے چلانے
گونج اٹھے غلغلہ سے دشت و جبل و غار

چیختا تھا کوئی اور چرخی گھماتا تھا کوئی
خالی بندوق کا کرتا تھا ہوا میں کوئی وار

سن کے یہ شورِ عجب کھلبلی جنگل میں پڑی
اڑے طاؤس کہیں اور کہیں تیہو و سار

شورِ محشر کا جو ہنگامہ بپا تھا ہر سو
شیر گھبرا کے ہوا نیند سے آخر بیدار

غار سے وہ بصد انداز خراماں نکلا
جھومتا جاتا تھا مستانہ تھی اس کی رفتار

دامنِ کوہ سے جھاڑی میں نکل کر پہنچا
اور قضا نے کیا سرکار سے [illegible] دوچار

مطمئن ہو کے جو سرکار نے سر کی بندوق
اُس نے بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اکبار

گولی بندوق سے نکلی تھی اجل کی داعی
ملک الموت مگر اوجِ ہوا پر تھا سوار

جا کے پہلو میں لگی اور گرایا اس کو
مثلِ پیکانِ قضا ہو گئی سینے کے دوپار

گرتا پڑتا وہ چلا اور گیا چند قدم
پتھروں میں وہ چھپا جا کے میان کہسار

ملک الموت نے چھوڑا نہ وہاں بھی پر اُسے
جان سرکار کے اقبال پہ کی اُس نے نثار

لوگ کہتے تھے یہی شیر ہے زندہ اب تک
زخم ہیں چند لگے پر نہیں کوئی پرکار

روز ہے روز اگر اور اگر رات ہے رات
تو نہیں زندہ بچا شیر یہ بولے سرکار

ہیں جو کپتان رسالہ کے وہ اور افضل خاں
ڈھونڈنے کے لئے اس کو ہوئے ہاتھی پہ سوار

غلغلہ چار طرف بن میں دوبارہ اٹھا
شور ہر طرف کا مچا اور پڑی ہانکے کی پکار

سر بنادیق کیں پھیمیا و کشٹیا نے
نہ کہیں اُن کو سکوں تھا نہ کہیں ان کو قرار

شور اتنا ہوا لیکن نہ کراہا تک شیر
غل مچا اتنا مگر اس نے نہ لی ایک ڈکار

پھر تو سب لوگ لگے فرطِ طرب سے کہنے
کہ نہیں شیرِ ژیاں زندہ بچا ہے زنہار

واقعی مردہ وہ اک جھٹ میں ملا ڈھونڈے پر
قول سرکار کی تصدیق ہوئی آخر کار

ناز تھا اپنے تہور پہ شجاعت پہ جسے
اس کی جرأت کا نہ باقی رہا کوئی آثار

الغرض کیمپ میں لائے اُسے باشوکت و شان
سبز شاخیں تھیں کفن اس کا تو چیتے تھے مزار

کھال کھینچی گئی اُس کی زہے پا بوسی
رہ گیا اس کی فقط ہڈیوں کا اک انبار

عرض سرکار سے کی میں نے مبارک باشد
یہ شکار اور شکار ایسے ہی شیروں کے ہزار

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!
رہیں با دولت و اقبال سلامت سرکار

تاریخ مولود مسعود سر کشن پرشاد مدار المہام

سرکار آصفیہ

جواں بخت ہے صدرِ اعظم ہمارا
سخاوت میں حاتم تحمل میں دارا

جلال اور اقبال کے آسماں پر
چمکتا ہے اس کے مقدر کا تارا

خدا نے کیا اپنے فضل و کرم سے
عطا اس کو فرزند اک ماہ پارا

مہاراجہ کا زخمِ دل مندمل ہو
ہوا ہے طبیبِ ازل کا اشارا

نکلتا ہے دریا سے جس طرح گوہر
گلستاں میں کھلتا ہے جیسے ہزارا

یہ مولودِ مسعود اسی طرح بن کر
نشانِ سعادت ہوا آشکارا

تمہاری جوانی کو ہے اس سے رونق
تمہارے بڑھاپے کو ہے یہ سہارا

ملی ہے وہ دولت تمہیں جس کے آگے
سمرقند کیا چیز اور کیا بخارا

یہ بچہ ہو ماں کے کلیجہ کی ٹھنڈک
یہ بچہ ہو باوا کی آنکھوں کا تارا

خدا لائے وہ دن کہ گھر میں تمہارے
مبارک سلامت کا غل ہو دوبارہ

ہوئی فکرِ تاریخ جس وقت مجھ کو
تو قرآں سے میں نے کیا استخارہ

مجھے دادی دل سے داؤد نے جب
میں اجعلہ ربّا ضیا پکارا

۱۳۲۲-ہجری

خیابانِ فارس

لارڈ کرزن کی شہرۂ آفاق کتاب "پرشیا" کا اردو ترجمہ - جس کی اشاعت کے لئے ذیل کی منظوم عرضداشت پر اعلیحضرت آصفجاہ سادس خلد آشیاں نے مترجم کو دو ہزار سات سو روپیہ کی رقم مرحمت فرمائی -

یہ کتاب اب نایاب ہے - ریاست رامپور کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہوگی - جس کیلئے حکیم مسیح الملک مرحوم و مغفور نے ریاست کی طرف سے بیس نسخے خریدے تھے -

میں آتا ہوں پھر شاہ کے آستاں پر ۔۔۔ بصد شوق ہوتا ہوا جبہ فرسا
میں پھر اپنی قسمت پہ ہوتا ہوں نازاں ۔۔۔ کہ ہوتا ہے پھر بخت بیدار میرا
میں پھر کھٹکھٹاتا ہوں باب اجابت ۔۔۔ اثر رہنما بن گیا ہے دعا کا
تصدق ہے امید پھر آرزو پر ۔۔۔ پھر اتراتی پھرتی ہے میری تمنا
ہوئیں نعمتیں ساری دنیا کی حاصل ۔۔۔ ہمیں تیرے عہدِ ہمایوں میں شاہا
وفا اور عقیدت ہے آئیں ہمارا ۔۔۔ کرم اور احسان شیوا ہے تیرا
تجھے تاجداری دکن کی مبارک ۔۔۔ دکن کو مبارک ہو سردار تجھ سا
اجازت اگر پیرِ مرشد کی پائے ۔۔۔ ادب سے ہو یہ کمترین عرض پیرا

کیا ترجمہ میں نے جب "پرشیا" کا — یہ فرمان حضرت کا صادر ہوا تھا
کہ حضرت کا نام رفیع و مبارک — کرے کمتریں زیب عنوان اس کا
بجالاؤں میں شکر اس احساں کا کیسے — بیاں شہ کے اس لطف کا میں کروں کیا
گھٹایا مری کس مپرسی کو اس نے — مرے جوش ہمت کو اس نے بڑھایا
کیا مجھ کو گستاخ شہ کے کرم نے — میں اب اور کچھ مانگنے کو ہوں آیا
اب اس کمتریں کی یہی آرزو ہے — کہ ہو طبع یہ نسخۂ بینش آرا
ضخامت مگر مقتضی ہوگی اس کی — کہ جائے اسے چار جلدوں میں چھاپا
کم از کم ہیں ہر جلد میں چھ سو صفحے — تصاویر سے حجم پر کچھ بڑھے گا
پڑے گی ہر اک جلد نو سو روپے میں — ہیں از بسکہ اس کے مصارف زیادہ
ہے تیار رکھی ہوئی جلد پہلی — اشاعت میں ہے اب فقط زر کا وقفہ
مگر جس کی تنخواہ دو سو روپے ہو — وہ انجام دے کس طرح کام ایسا
کہ جس پہ ہزاروں کی آتی ہو لاگت — جسے چاہئے اہل ثروت کو کرنا
میں اس مفلسی کا ہوں ممنون احساں — ارادت پہ جس نے کیا یہ تقاضا
کہ آصف کے درگاہ کیواں نشاں میں — مجھے لے چلے جس طرح ہو خدارا
پہنچ کر وہاں کچھ تعجب نہیں ہے — نوازند اگر بادشاہاں گدا را
مدد گر میں غیروں سے مانگوں یقیں ہے — اعانت ہو میری یہ شہ کا سم ایسا

مگر کھاکے شہ کا نمک دوسروں سے
کروں استعانت یہ مجھ سے نہ ہوگا

غلامانِ درگاہِ شاہی سے مجھ کو
اگر مرحمت ہو چھپائی کا خرچہ

تو اردو کے زیور سے آراستہ ہو
وہ نسخہ کہ ہے یادگارِ زمانہ!!

کفِ جود و ایثارِ شاہِ دکن سے
جسے چاہیئے ابرِ آذار کہنا

یقیں مجھ کو واثق ہے امیّد کامل
کہ جو میں نے مانگا ہے مجھ کو ملے گا

اپریل سنہ ۱۹۰۲ء

بدنصیب ہرکور کی فریاد

ہز آنر سر ایڈورڈ میکلیگن کے گوشِ حق نیوش سے

بزبانِ مدیر زمیندار

امرسنگھ کی مشکل پہ غور کیجے
رعایا پہ احساں یہ اک اور کیجیے

اگر آپ لاہور کے حکمراں ہیں
تو پھر ہُور کو چشمۂ کور کیجے

ہوئیں مارشل لا کی باتیں پرانی
بس اب ختم یہ جانگزا دور کیجیے

دُعا لیجے ہرکور کی بندہ پرور
رہا اس کے بیٹے کو فی الفور کیجے

نہ دے عدل اجازت تو پھر رحم تو ہے
غرض حل یہ مشکل کسی طور کیجے

یکم جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

"آفتاب"

بچوری چشم سنسر

مولوی وجاہت حسین صاحب ایڈیٹر "آفتاب" بھی ایک عرصہ تک جناب سنسر کے بیداد وجفا کا تختۂ مشق رہ چکے ہیں۔ آپ کی جو شامت آئی۔ آپ نے ہز آنز سر ایڈورڈ میکلیگن کی شان میں ایک بہاریہ قصیدہ لکھا۔ میکلیگن کے ساتھ قافیہ گلشن بھی بندھ گیا تھا نظم جب سنسر صاحب کے پاس پہنچی۔ تو ان لال بھکڑ صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اس سے سر ایڈورڈ کا باغ خارستان ہوا جاتا ہے۔ بے چارے ایڈیٹر "آفتاب" کی نظم کی اشاعت ہی روک دی۔ میں نے ان سے یہ واقعہ سن کر انہیں کی طرف سے لے یوں نظم کر ڈالا:

دل ہو تو ایک اور حکایت نئی سنو	آزادئ خیال کے عہدِ عذاب کی
سرمائیکل سے جائزہ جب لے لیا گیا	جس وقت ختم ہو گئی مدت جناب کی
ہم سمجھے آ گئی چمنِ علم میں بہار	چھائی ہوئی تھی جس پہ خزاں احتساب کی
سنسر کے ہاتھ سے ابھی چھوٹا نہ تھا قلم	جس نے ادب کی خوب ہی مٹی خراب کی
پنجاب کی صحافتِ مسکین وکس مپرس	شاکی تھی آپ کے ستمِ بے حساب کی
اک روز میں نے مدح سر ایڈورڈ میں کہی	اک نظم جو ہے جان وفا کی کتاب کی
اس کو بھی کر دیا نظری دیکھنے کے ساتھ	کیا بات ہے جنابِ رقابت مآب کی

گلشن کے ساتھ قافیہ میکلیگن آ گیا
سب سے بڑی خطا تھی یہی "آفتاب" کی

از بسکہ ذلہ خوار تھے عہدِ قدیم کے
مجھ کو دکھائی شان پرانے عتاب کی

کہنے لگے کہ لکھ کے قصیدہ یہ آپ نے
"پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی"

سر پیٹ کر دیا انہیں مَیں نے بھی یہ جواب
"جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی"

۲۵- اپریل ۱۹۲۰ء

احرار لدھیانہ

رسولؐ اللہ کا فرماں ہے پنیل کو ڈیرِ غالب — میرے قانون کا ٹھینگا ہے اس آئین کے سر پر
ہمارے دم سے ہے پنجاب کی ہنگامہ آرائی — کہ رونق ہے فلک کی ماہ اور پروین کے سر پر
جلا کر راکھ کر ڈالے گی سقّے کی حکومت کو — وہی بجلی جو منڈلاتی تھی قسطنطین کے سر پر
محافظ دین کے مرڈنیس رہے ہیں یا علی بھائی — اساس شرع محکم ہے انہیں دونین کے سر پر
امان اللہ ہی تھا جس نے گوکل کو بھی تڑپایا — یہ کالا ناچ سکتا ہے فقط اِس بین کے سر پر
دعائیں ہم نے دیں اس کو فرشتوں نے کہی آمین — علم ہے سربلند اس کا اسی آمین کے سر پر
ہوا اسلامیوں میں جذبۂ حبِ وطن پیدا — تو اس جذبہ کا سہرا ہے اسی مسکین کے سر پر
خدا وہ دن کرے صدقہ میں پیغمبرؐ کی عزت کے — کہ رکھوں تاج دنیا کا میں تاج الدین کے سر پر

مسلمانوں کا مستقبل ہے روشن لدھیانے میں
کہ ہے بار امانت سید لٰسین کے سر پر

---

۱۹ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

مولانا عبدالقادر قصوری

قبلہ عبدالقادر اُن احرار کے سردار ہیں
آج جو پنجاب میں حق کے علمبردار ہیں

جن سے ہے اسلام کی محفل کی رونق برقرار
جن کی ملاحی سے آزادی کے بیڑے پار ہیں

سر کٹاتے ہیں رسول اللہ کے ناموس پر
قید ہونے کے لئے آمادہ ہیں تیار ہیں

ان کی قلت کی چھری سے رہ گئے ہیں لوٹ کر
ہند میں جتنے طلسم انرک و لبسیار ہیں

فقر میں بھی اُن کے آتی ہے نظر شانِ غنا
بسکہ دامن گیر ہم احمد مختار ہیں

زر بکف ہونا بڑا آسان ہے اس دور میں
سر بکف ہونے کے ڈھب لیکن بہت دشوار ہیں

لاہور، ۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء

سرعلی امام

سروں کے ذکر پر اک دوست نے سوال کیا
کہ اس گروہ میں کچھ لوگ نیک نام بھی ہیں!
میری نظر میں تو سب سر ہیں نفس کے محکوم
اور اس کے ساتھ ہی سرکار کے غلام بھی ہیں
دیا جواب یہ مَیں نے کہ ان کو کچھ نہ کہو
اسی گروہ میں سید علی امام بھی ہیں
مے حجاز نہ پینے کا عہد باندھ کے اب
شکست توبہ میں سرگرم اہتمام بھی ہیں

۲۰، دسمبر ۱۹۲۸ء

مولانا سیّد محمد داؤد غزنوی

قائم ہے ان سے ملّتِ بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی
کلکتہ میں اک اور بھی ہیں اُن کے ہم لقب
یہ ہست غزنوی ہیں وہ ہیں بود غزنوی

کلکتہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۸ء

چودھری افضل حق اور "انقلاب"

میں نے مانا دشمنِ ملت منوہر لال ہے
جس کی چالوں سے مفادِ اسلام کا پامال ہے

گر مذمت اس کی کونسل میں نہیں اب تک ہوئی
خود ہمارا ہی یہ پھیلایا ہوا اک جال ہے

کیوں حبیب اللہ نے کھولی نہیں اپنی زباں
آج تک خاموش کیوں اس بارہ میں اقبال ہے

یوں برستا ہے پھر افضل حق ہی پر کیوں "انقلاب"
کیوں اسی بے چارہ کے حق میں قیل و قال ہے

وہ تو پھر بھی قوم کے کام آہی جاتا ہے کبھی
بسکہ انگریزوں کے حق میں سورۂ زلزال ہے

چودھری فضل حق

ڈٹ کے کونسل میں کھڑا جس وقت فضلِ حق ہوا
حق کی ہیبت چھائی ایسی رنگِ باطل فق ہوا

مجلسِ وضعِ قوانین کا بہار آرا چمن
اُس کے اک انجھر سے اک وادیِ لق و دق ہوا

جافرے دی ہانٹ مورنسی کی سٹی گم ہوئی
اُن کے ہر ہیٹو کی منطق کا کلیجہ شق ہوا

جس نے جھولوں کی خوشامد کی وہ ٹھہرا عقلمند
جو نہ سچی بات سے جھجکا وہی احمق ہوا

صوفیوں کا دعویٰ عشقِ پیمبر ہے کہاں
کوئی پوچھے کیا وہ اُن کا نعرۂ ہو حق ہوا

وقت پر کام آئے آخر کو ہمیں ڈاڑھی منڈے
اور ہمارا ہی مطیع ایام کا ابلق ہوا

میرے اس دعوے کے ہر ہر جملہ کا ایک ایک حرف
مولوی احمد علی کے وعظ سے مشتق ہوا

لاہور ۱۱ اگست ۱۹۲۷ء

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

جس کے ایثار سے ملّت کی دوبالا ہوئی شان
اُس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن

اِن کے ماحول کو لاحول سے دیجئے تشبیہ
کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی فَفِرّوا شیطان

جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں
نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان

تختہ دیتے ہیں الٹ سارے وفاداروں کا
آتے ہی اُن کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان

کاسہ لیسانِ جہاں کی رگ جاں کے حق میں
دم شمشیر ہے اس شیرِ خدا کا ایمان

"احرار"

اگر اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے
تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

خیلِ باطل سے اگر برسرِ پیکار ہوئے
تو وہ اسلام کے جانباز رضاکار ہوئے

پردۂ موت سے نکلے گی حیاتِ جاوید
کہ مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے

جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو
پھر مسلمان اسی جذبے سے سرشار ہوئے

ہڈیاں جن کی ہیں چونہ تو لہو ہے گارا
قصرِ آزادئ کشمیر کے معمار ہوئے

کیوں نہ ہوں آج اُس اخبار کے گھر گھر چرچے
جس کے اوراق کی زینت مرے اشعار ہوئے

درسِ عبرت

اِک نیا درس دیا گردشِ دوراں نے مجھے — دی ہے دعوت اگر اس مرتبہ زنداں نے مجھے

میرے ایماں کی فراست نے جتایا مجھ کو — کہ کیا بے سروساماں مرے ساماں نے مجھے

مَیں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ — خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا — مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

سربلند اب بھی مجھے دیکھ رہی ہے دُنیا
تو عطا کی ہے یہ طاقت مرے ایماں نے مجھے

سنٹرل جیل لاہور

۱۹ر دسمبر ۱۹۳۱ء

Sh. MUBARAK ALI,

BOOK-SELLER,

INSIDE LOHARI GATE, LAHORE.

Only title printed at

The Educational Printing Works, Lahore